

UNIVERSAL  
LIBRARY

**OU\_224798**

UNIVERSAL  
LIBRARY













# مُحَلَّات

جس میں

بند نامور و ممتاز خاتونان ارض کے مفصل و مشرح حالات زندگی

ہج ہیں جن میں کچھ اسلام سے پیشتر کی خاتونیں ہیں اور کچھ اسلام

کے بعد کی

ROMANIA UNIVERSITY  
COLLEGE LIBRARY

مؤلفہ

ولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شریکھنوی اڈیٹر و گز

جے

اجازت مصنف صاحب صوف خاکسار تہ ظہور الحسن مالک قومی پریس

دہلی کٹرہ نظام الملک نیر جامع مسجد نے ۱۳۱۹ء میں

لاہور پریس میں طبع کیا گیا

جز متعلق محفوظ ہیں



# سمی راس

## ملکہ بابل

بابل کی نسبت تسلیم کیا جاتا ہے کہ اگلی دنیا کا کوئی شہر اسکی عظمت و شان کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ جب ساری دنیا پر وحشت برس رہی تھی اور تمدن و تہذیب کا کینہ پتہ نہ تھا۔ اُس وقت دریائے فرات کے کنارے اس شہر کی رونق اور چہل پہل اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ تورات میں وہ سارے شہروں کی ملکہ بتایا گیا ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ صد ہا عجیب و غریب و برونق عمارتوں نے زیور کا کام دے کے اسے واقعی وطن بنا دیا تھا۔ اس کا پہلا آباد کرنے والا اگرچہ نمرود بتایا گیا ہے۔ جسکی بدولت حضرت ابراہیم نے وطن ترک کیا اور جس نے پہلے پہل شاہی اور سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ مگر اس شہر کو اصلی عروج جس کی کوششوں سے چل ہوا اور جسکی خوش سلیقگی کے طفیل میں اسے ”ملکہ“ اور ”وطن“ کے لقب دیئے جاتے ہیں۔ یہی ملکہ سمی راس تھی جس کا نام آج ہماری کتاب کا زب عنوان ہے۔ اور جس کے حالات ہم تفصیل سے بیان کرنا چاہتے ہیں۔ سمی راس نے بابل کو ایسا سنوارا اور سجایا تھا کہ تمام عالم کے شہروں نے اُس کے عظمت و جلال اور اُس کی خوش نمائی و زینت کے آگے ادب سے سر جھکا کر اور بابل کے جس کنوینین ہا روت و ماروت کے سے فرشتے پھنس کے رہ گئے گونے

تعجب نہیں کہ وہ اسی پری جمال ملکہ کا چاہ غیب ہو۔ بابل کی خوشگئی اور رونق کی داستانیں اس بات کا ثبوت دے رہی ہیں کہ کسی چیز کے بنانے سوار نے اور آراستہ کرنے میں عورت کا سلیقہ مردوں سے کس قدر بڑھا ہوا ہے۔

سمی رامیس ولادت سر و کائنات صلعم سے ۱۸ سال پیشتر اور حضرت موسیٰ جنب بنی اسرائیل کو آزا کر کے مصر سے نکلے ہیں اُس کے ۱۹ سال بعد تھی۔ اور حضرت سلیمان کی شان و شوکت اور بیت المقدس کی تعمیر سے ۲۸ سال پہلے دنیا سمی رامیس کے اوج و عروج اور جاہ و جلال کا تماشا دیکھ چکی تھی۔ بابل جس مملکت کا پایہ تخت تھا وہ آشور یا انگریزوں کے تلفظ کے مطابق اسیر یا کھاتا ہے۔ اور جو قوم اس ملک میں آباد تھی اور جس نے دنیا میں سب سے پہلے تہذیب و تمدن کے کوششے دکھائے نبی سام میں سے تھی یعنی وہ لوگ سامی عربوں اور اسرائیلیوں کے اور ہمارے نبی اعمام تھے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کا عروج بھی ہمارے ہی گذشتہ عروج کی ایک پُر لطف داستان ہے۔ ملک آشور یا قائم مقام فی الحال انجیرہ کہلاتا ہے۔ جو درجہ اور خراتہ کے درمیان واقع ہے۔ اور دولت عثمانیہ کی قلمرو میں شامل ہے۔ اس ملک میں ابھی قوم کی ایک اور ملکہ بھی گذری ہے جو فی طوقریش کے نام سے مشہور تھی۔ اُس نے بھی بابل کی رونق بہت بڑھائی۔ مگر سمی رامیس اُس سے پہلے پشت پہلے سر پر آرائے سلطنت تھی اور اُس کی سطوت و جبروت سے دنیا کانپ رہی تھی۔

سمی رامیس کے حالات قدامت کے دھندھلکے میں پڑ کے ایسے مشتبہ ہو گئے ہیں کہ اُس کے واقعات میں سے بہت سی باتوں کی نسبت موجودہ مورخین کو شبہات پیدا ہو گئے ہیں مگر یونانی مورخ ہیرودوٹوس اور قطعی سیاس نے اُس کے کارنامہ بڑی تفصیل سے اور شرح و بسط کے ساتھ بیان کئے ہیں گو دونوں کے بیان میں اتنا اختلاف ہے کہ معلوم ہوتا ہے ہیرودوٹوس کی سمی رامیس اور قطعی سیاس کی سمی رامیس

اور سیمی رامیس سے پہلے اس کا شوہر ہی نوس اشور یا والون کا تاجدار تھا جب وہ مرا  
 تو اگرچہ اس کا بیٹا بی نیاں موجود تھا۔ جو خود سیمی رامیس کے بطن سے تھا مگر اسے نابالغ  
 و ناتجربہ کار دیکھ کر سیمی رامیس نے تاج شہنشاہی خود اپنے سر پر رکھ لیا۔ اور یہ نہیں  
 کیا کہ بیٹے کو تخت نشین کر کے خود اسکی جانب سے انتظام کرتی بلکہ بیٹے کو محروم کر کے اور  
 تاج شہریاری کو اپنے سر سے زینت دے کے عنان حکمرانی اپنے ہاتھ میں لے لی۔  
 وہ نہایت اہی حسین و صاحب جمال بتائی جاتی ہے مگر مورخین یونان کا بیان  
 اگر صحیح ہے تو اس کا حسن عصمت و عفت کے زیور سے آراستہ نہ تھا۔ اور معلوم ہوتا ہے  
 کہ اس کے شباب کے جوش اور جوانی کی عشرت پرستیوں نے عشقبازی و ناز آفرینی کے  
 عجیب عجیب کرشمے دکھائے۔ مگر اس اخلاقی عیب کے ساتھ وہ بڑی عقلمند۔ زبردست  
 مدبر۔ نہایت ہی خوش سلیقہ۔ بہت بڑی دلیر و شجاع اور حد درجہ کی ادا العزم و بلند ہولہ  
 تھی اگر نظام مملکت میں وہ اپنے حسن تدبیر کا ثبوت دیتی تھی تو عرصہ بند میں بڑے  
 بڑے زبردست حملہ آور دن سے زیادہ بہادر اور شجاع ثابت ہوتی تھی۔ جن طرح  
 اور بزم عیش میں وہ اپنی نفاست مزاجی اور خوش سلیقگی کے کمالات ظاہر کرتی تھی تو  
 شہر کی ترقی اور عالی شان عمارتوں کی تعمیر میں اپنی خوش مذاقی و بلندوصلگی کے ثبوت  
 دیتی تھی۔ اس کے شوہر نے اور خود اس نے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے زور شور اور جوش  
 و خروش سے فوج کشی کر کے اشور یا کے پرانے دار السلطنت شہر نے نو اکو تباہ و برباد  
 اور مغلوب و مقہور کر دیا۔ اور شوہر کے مرنے کے بعد فتحمندی و حملہ آوری کا سلسلہ  
 جاری رکھنے کے ساتھ ہی اس نے شہر بابل کی آراستگی شروع کی۔ جس میں اس کے  
 حسن کی کرشمہ سازیوں کا اتنا اثر تھا کہ دنیا بھر میں بابل کے جادو کی شہرت تھی۔ اور  
 سحر بابل آج تک مشہور ہے۔ اور کوئی تعجب کی بات نہیں اگر سحر بابل کی ابتدا سیمی رامیس  
 کی زنگنہ فنان اور اس کی ساحرانہ نگاہ نامہ ہی سے پڑی ہو۔

اور سچ یہ ہے کہ بابل میں سہی راہیں نے جو عمارتیں بنوائیں ایسی حیرت انگیز تھیں  
 کہ انکا خیال کرنے سے بھی ایک پراسرار جادو کا کارخانہ خیال کی آنکھوں کے سامنے پہنچاتا  
 ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ چیزیں انسانی قوت سے باہر ہیں۔ مثلاً اُس نے  
 بابل کے گرد جو شہر بنائے بنوائے اتنی بڑی اتنی بلند اور ایسی مضبوط تھی کہ زمانہ اُس پر قیامت  
 تک حیرت کرتا رہے گا۔ دریائے فرات بابل کے پچ میں سے ہو کے بہا تھا جس کی وجہ سے  
 آدھا شہر اسکے مشرقی کناروں پر تھا اور آدھا مغربی کناروں پر۔ یہ شہر پناہ دونوں حصوں  
 کو اپنے حصار میں لئے ہوئے تھی۔ یہ شہر پناہ مربع تھی۔ اور اس کا پورا دور ۶ میل کا تھا  
 جس کا ہر ضلع یا رخ ۱۵ میل کا تھا۔ اور ۲۲۵ مربع میل زمین اُس کے رقبہ میں آگئی تھی۔  
 اس رقبہ ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ شہر ہی نہیں بلکہ گویا پورے ایک ضلع کے گرد ایک بڑے  
 حصار کھینچ دیا گیا تھا۔ اور چاروں طرف سے قلعہ بندی کر دی گئی تھی جسکے اندر عالیشان  
 قصر و ایوان اور بڑے بڑے یگانہ روزگار مندروں کے علاوہ پھل لانے والے باغ  
 نہایت بخش چین۔ سرسبز مزار۔ اور لہلاتے ہوئے کھیت بھی جا بجا موجود تھے۔ فیصل  
 کی دیوار بھی کوئی معمولی دیوار نہ تھی۔ اُس کا آثار ۹ فٹ کا تھا۔ اور ۳۵ فٹ بلند بتائی جاتی  
 ہے۔ اُس کی بلندی پر برابر برابر تین تھیں سہولت کے ساتھ دوڑ سکتی تھیں کیسا  
 فاصلہ پر ناپ ناپ کے سو پچھاٹک قائم کئے گئے تھے جن پر ٹھوس برجی پٹ چڑھے  
 ہوئے تھے۔ شہر کے ہر ہر پہلو پر پچیس پچیس پچھاٹک تھے جن سے مشرکین نکل کے بخط  
 مستقیم اُن کے مقابل و محاذی پچھاٹکوں تک چلی گئی تھیں۔ اور چونکہ ان شرکوں کے قلعہ  
 سے شہر کے اندر برابر کے مربع قطعات پیدا ہو گئے تھے لہذا یوں سمجھنا چاہیے کہ شہر کے اندر  
 ۳۱ جدا جدا کوارٹراں اور قطعہ بن گئے تھے۔ شہر پناہ کے اوپر برابر کی مسافت سے نہایت  
 ہی خوشنمائی و تناسب کے ساتھ ۲۵۰ عالیشان برج بنائے گئے تھے جن میں رات بھر ہر  
 والے پہرہ دیتے اور شہر پناہ پر فوج گشت نگاتی۔ بہتی۔



دونوں ناکے جہان سے دریائے فرات شہر میں داخل ہوا اور نکلا تھا وہ بھی ترے  
 بھاری زبردست پھانکوں سے محفوظ کئے گئے تھے۔ یہ پھانک جو دریا کی سطح پر پھیلنے  
 ٹوٹتے تھے یعنی جب کھولے جاتے تو ٹوٹ کے اورتہ ہو کے کناروں پر سمٹ آتے اور  
 جب راستہ روکنے کے لیے پھیلائے جاتے تو سارے دریا کے پاٹ کو باہر کی آمد رفت  
 سے روک دیتے۔ یہ ایک کنارے کنارے ایک سرے سے دوسرے سرے تک عمدہ اور  
 مضبوط پشتہ بنائے گئے تھے۔ اور جہان دریا شہر کون کو قطع کرتا وہاں شہر کون کا سلسلہ  
 رکھنے کے لیے پل بنائے گئے تھے۔ اور کہتے ہیں کہ ایک راستہ دریا کے نیچے سے بھی کھود  
 کے آس پاس نکال دیا گیا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ اتنی بڑی اور ایسی حیرت انگیز شہر پناہ اور ان  
 پلوں کا بنانا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ اور باوجود اتنی ترقی علم و فن کے آج بھی دنیا کوئی ایسا شہر  
 نہیں تعمیر کر سکی ہے۔ اگرچہ لندن ولس اپنے شہر کو اس عہد کا بابل کہتے ہیں۔ مگر بابل کے جو حال  
 تاریخ کے صفحات پر نظر آتے ہیں۔ ان سے لندن کو بھی کوئی نسبت نہیں۔

شہر کے عین وسط میں بعل کا مندر تھا جس کا مربع رقبہ ۳۲ ایکڑ زمین چار دیوئی تھا آسکر  
 ہر کونے پر ایک برج تھا۔ اور چونکہ ستارہ پرستی ان لوگوں کا اصلی مذہب تھا۔ لہذا ہر برج  
 میں تلے اوپر سات طبقے تھے جو ساتوں سیاروں کے سات حرم یا سات دربار تصور کی جاتے  
 اور ہر سیارے کا رنگ بھی الگ الگ معین کر دیا گیا تھا۔ سنہرا رنگ سورج کا تھا۔ روپلا چاند کا  
 نیلگون مشتری کا۔ سیاہ زحل کا۔ نارنجی عطارد کا۔ زرد زہرہ کا۔ اور مسخ مریخ کا سب سے  
 بلا طبقہ جوزین سے قریب تر تھا زحل کا دربار قرار دیا گیا تھا جس میں ہر درو دیوار پر کالا  
 لٹک پڑا تھا۔ اور زحل کے تمام علامات و شعاریہان لاکھ جمع کئے گئے تھے۔ اسکے اوپر  
 اسے طبقہ میں عطارد کا دربار تھا جہاں ہر طرف نارنجی رنگ تھا۔ اسکے اوپر مریخ کا دربار تھا  
 جس میں ہر چیز مسخ تھی۔ اسکے اوپر سورج کا دربار تھا جہاں درو دیوار پر سونا پڑا تھا۔ اسکے  
 اوپر زہرہ کا دربار تھا جہاں ہر چیز زرد اور ہلکی تھی۔ اسکے اوپر مشتری کا دربار تھا جہاں

درو دیوار اور ہر چیز نیلگون تھی اور سب کے اوپر چاند کا دربار تھا جہاں کے درو دیوار اتر رہے تھے اور چونکہ مختلف رنگ آن بروجوں پر باہر کی طرف بھی پہرے ہوئے تھے۔ لہذا ان پر کٹھن رنگ آمیز پونے آن بروجین توں قرح کی سی رعنائی پیدا کر دی گئی تھی۔

اسی طرح کا ایک بہت بڑا عظیم الشان مندر چون بیچ میں بھی تھا جو سب سے بڑا اور سب سے زیادہ لمبا چوڑا تھا۔ اس عالیشان مندر کی نسبت سمجھا جاتا ہے کہ دنیا میں آج تک اس اونچی کوئی عمارت نہیں تعمیر ہو سکی۔ مصر کے اہرام میں سے جو ہر سمت سے زیادہ بلند ہے یہ برج اس سے بھی اونچا تھا۔ یہی وہ برج ہے جو ”برج بابل“ یا ”تِل نمروڈ“ کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں ویسے ہی طبقہ ویسے ہی ستاروں کے نام کے دربار اور ویسے ہی رنگ تھے۔ یہ کہ چاروں کونوں کے چاروں معبودین بنائے گئے تھے کہ ہر چیز بہت بڑھ چلی تھی یونانی موزیہر دو دوسوں نے اس برج کا نقشہ دکھانے کی کوشش کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ عمارت تقریباً ۶۰۰ فٹ بلند تھی جس میں ایک دوسرے سے ملتی اور اسی کے اوپر لگاتار سات برج بنتے چلے گئے تھے۔ ہر برج کی بلندی ۵۰ فٹ کی تھی۔ دوسرے برج جو اس کے اوپر تھا وہ اس سے ۵۰ فٹ بلند تھا۔ اسی طرح ساتوں برج ایک دوسرے سے ۵۰ فٹ بلند ہوتے ہوتے ۵۲۵ فٹ کی بلندی کو پہنچ گئے تھے۔ پھر اس کی چوٹی پر بعل کا مندر تھا۔ جہاں ایک ۱۰۰ فٹ کی لمبی خالص سونے کی ٹھوس صورت قائم تھی اس کے پاس سونگی ایک میز اور کشتی اتنی بڑی تھی کہ اس کی قیمت کا اندازہ ساڑھو بائیس لاکھ روپوں کا کیا جاتا ہے۔ اس بالائی معبد میں دو قربان گاہیں تھیں جن میں ایک سہ کی تھی اور اس میں خاص پرستش کے دنوں اور عیدوں کے موقع پر منوں عودوں سے سلگایا جاتا تھا۔

اس کے علاوہ بھی ایسے نے اور بہت سے قصر و ایوان تعمیر کرائے۔ اور زیادہ کمالات یہ کہ شہر کے متصل ایسے عمدہ اور پختہ تالاب بنوائے اور دریا سے کا

ایسی نہر بن نکالیں جن سے ایک طرف تو ملک کی زراعت کو بے انتہا ترقی ہوئی۔ اور دوسری طرف شہر والوں کو دریا کی طغیانی سے بالکل اطمینان ہو گیا۔ اور ہر فرات میں سیلاب آنا اور آدھرا نالابوں اور نہروں میں پانی کے کم ہو جانے کی وجہ سے طغیانی کا سارا زور ٹوٹ جاتا خاص دارالسلطنت کے علاوہ اپنی ظلم و میں بھی اُس نے بہت سے بڑے بڑے کام کئے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر دشواری اُس کی ہمت اور حوصلہ کے آگے آسان تھی۔ کیمین پہاڑوں کو کاٹ۔ آئہ میدان کر دیا۔ کیمین نہر بن جاری کیں اور کیمین بڑے بڑے محل تعمیر کرائی لیکن ان عمارتوں اور بڑے بڑے کاموں کو دیکھ کے حیرت معلوم ہوتی ہے کہ سہمی رامیں کو کیونکر فرصت مل گئی کہ اُس نے میڈیا والوں۔ فارسیوں۔ یبیا والوں۔ اہل حبشہ اور ملک مصر پر چڑھائیاں کیں۔ جن میں وہ لاکھوں خلقت کو اپنے ہمراہ رکاب لے کے گئی اور کامیاب و بامراد غانم و سالم واپس آئی۔ آخر میں اُس نے ہندوستان کی عظمت و قوت اور یہاں کی دولت و حشمت کا شہرہ سنا۔ اور فوج لے کے آمادہ ہو گئی کہ اس ملک کو بھی فتح کر کے اپنی ظلم و میں شامل کرے۔ اور یہی ہم اُس کے زوال کا باعث ہوئی۔ ۷۰ قمرہ خال بنام سن دیوانہ زوندک

جب زبردست لشکر لے کے وہ ہندوستان کی ہم پر روانہ ہو چکی تو ہمراہی سرداران فوج نے عرض کیا کہ دو ہندوستان کے راجاؤں کے پاس بڑے بڑے ہاتھی ہیں۔ جو دم بھر میں ہزاروں آدمیوں کو پامال کر ڈالتے ہیں۔ اور جو لوگ ان کی پیٹھ پر سے تیل نڈا کرتے ہیں ان تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی جھٹو و بان چلتی تو ہیں مگر ان ہاتھیوں سے بچنے کی کون تدبیر سوچی ہے؟ سہمی رامیں نے اس آفت سے بچنے کے لئے یہ تدبیر کی کہ تین ہزار کاے بیلوں کو فوج کر کے ان کی کھالیں کھجوائیں۔ امدان کھانوں کو جوڑ جوڑ کے بہت سے ہاتھیوں کی صورت کے خول بنوائے جو اونٹنوں کو پہنا دیے گئے اس طریقہ سے وہ اونٹنوں کو ہاتھی بنا کے میدان میں لائی۔ اور خوش تھی کہ دشمن ان مصنوعی

ہاتھیوں کو دیکھ کے ڈرجائیں گے اور سچیں گے کہ اُن کے زیر دست حریف کے لشکر میں بھی بڑے بڑے ہاتھی موجود ہیں۔

لڑائی کے شروع ہوتے ہی ہندوستان کے راجہ نے اپنے اصلی ہاتھیوں کے دل بادل کو بے حمل کیا۔ اور ادھر سے سہی رامیں اپنے مصنوعی ہاتھیوں اور بہادر سواروں کو لیکے بڑھی۔ جب دونوں لشکر مل گئے اور جنگ منگولہ ہو رہی تھی سہی رامیں کی فوج کے کسی ہاتھی کے کچل جانے اور اونٹ کے بلبلا کے بھاگنے سے ہندو راجہ کو اشور یا الون کے ہاتھیوں کی حقیقت معلوم ہو گئی۔ اور سہی رامیں کا سارا فریب کھل گیا۔ اس راز کے فاش ہوتے ہی راجہ نے اپنے ہاتھی ریل دیے۔ جنہوں نے اشور یا الون کے مصنوعی ہاتھیوں کو دم بھر میں کچل کے رکھ دیا اور سارے اونٹ جو ہاتھیوں کے غلاف میں تھے بلبلا تے ہوئے بھاگے۔ اُن کا بھاگنا تھا کہ اہل بابل کو شکست ہو گئی۔ ہاتھیوں سے فوڈر کے بدحواس بھاگے۔ یہ دیکھ کے ملکہ سہی رامیں نبرد آزمانی کے لئے بڑھی۔ اور میدان جنگ میں آکے بڑی بہادری سے لڑی۔ مگر اسکو کیا کرتی کہ تقدیر برسرِ خلاف تھی۔ آخر اسے بھی سر سے پاؤں تک بہت سے زخموں سے چور ہو کے اور کئی کاری زخم کھا کے میدان چھوٹا پڑا۔ بابلی لشکر کا زیادہ حصہ قتل ہوا۔ بہت سے بھاگتے ہیں مارے گئے۔ اور سارا لشکر تباہ و برباد ہو گیا۔ سہی رامیں کا گھوڑا چونکہ بہت ہی تیز دم تھا لہذا راہوار تیرپاکی بہت جان بچا کے اس بازارِ مرگ سے نکل آئی۔ اور بازمی ہار کے ناکام و نامراد اپنے دار السلطنت بابل میں پہونچی۔ مگر دل شکستہ اور ملول و حزین۔ کیونکہ شکست و نامرادی سے اسے اپنی زندگی میں یہی پہلا سا بقیہ پڑا تھا۔ دوسری طرف زخموں نے بھی نیچان کر رکھا تھا ان سب باتوں کا ایسا اثر ہوا کہ گھر پہونچتے ہی دنیا ترک کر کے گوشہ نشین ہو گئی۔

بابل کی اکثر باتیں مشتبہ تھیں منجملہ اُن کے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ان لوگوں کے مذہب میں نفوس کشی ریاضت اور جسم کو آزار پہونچانے کا بہت رواج تھا۔ بت خانہ کے متعلق

ایک بڑا بھاری خفیہ خانہ تھا۔ جس کی ویسی ہی حالت تھی جیسی کہ قرون وسطیٰ میں نونوں کی خانقاہوں کی تھی۔ یعنی اُس کے راز نہ کھلنے پاتے۔ اور جہاں بہت سی عورتیں بُردستی بھی پہنچ دی جاتیں جنکو سزا دینا یا آزار پہنچانا منظور ہوتا۔ بت خانہ کے پوجاری اور کاہن وہاں ساری دنیا کی نظر سے چھپا کے اُس بیکس پر طرح طرح کے مظالم کرتے۔ سہمی رامیں بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہی تہ خانہ میں چلی گئی جس میں بہت ہی کم لوگ جا کے واپس آیا کرتے تھے اس تہ خانہ کی بانی بھی سہمی رامیں ہی تھی۔ جس نے بہنوں کو سزا دہی کے طریقہ سے اس خانہ میں بھیج کے دنیا سے ناپید کر دیا تھا اور آخر خود بھی آپ ہی اُس میں چلی گئی۔

اس کے بعد عنان حکومت اُس کے بیٹے فی نیاس کے ہاتھ میں آئی جس کے دل میں مان کی طرف سے بغض بھرا ہوا تھا۔ چنانچہ تخت پر قدم رکھتے ہی اُس نے کاہنوں اور مقتداؤں سے سازش کر کے سہمی رامیں کو قتل کر ڈالا۔ لیکن۔ لیکن اُس پر اس مٹھی مقام میں چلبے جتنا بڑا ظلم ہوا ہوا اور جس طرح قتل کی گئی ہو مگر اشوریا والوں کے دونوں پراس کی عظمت کا جو سکہ جما ہوا تھا اُس نے غیبت کے ساتھ ہی اسے اپنی قوم میں دیوی اور منظر عظمت الٰہی تسلیم کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بھی تناسخ کے قائل تھے۔ چنانچہ مقتدایان دین صابئی نے لوگوں کو باور کرا دیا کہ سہمی رامیں نے انسانی جسم چھوڑنے کے بعد اپنے حسن و جمال کی رعایت سے ایک کبوتری کی صورت اختیار کر لی ہے۔ اسی بنا پر اُس کے نام سے خوبصورت کبوتری کی صورت بنا کے بت خانوں میں رکھی گئی۔ درودیلوار پر بھی اسی کبوتری کی تصویریں بنائی گئیں اور دھڑرتے سے اُس کی پرستش کی جانے لگی۔

کہا جاتا ہے کہ جو پُراسمون نے جس کا بڑا بلند بلندی مضر بن تھا ایک فال کے ذریعہ سے یہ پیشین گوئی کر دی تھی کہ سہمی رامیں کو جب ناکامی ہوگی اُس وقت وہ دنیا سے غائب ہو جائے گی۔ اور وہی ہوا۔

مورخین کا بیان ہے کہ وہ ۶۲۰ سال کی ہو کے مری۔ اور ۲۴ سال تک تخت

شہنشاہی پر جلوہ افروز ہو کے حکمرانی کرتی رہی۔ یعنی جب تلج شاہی سر پر رکھا ہے  
 اُس وقت اُس کی عمر بیس برس کی تھی۔ جو نشہ جوانی کا وقت تھا۔ اور اُس کی نوعمری  
 کی بیوگی نے اگر اُس میں بعض قسم کی بے اعتدالیان پیدا کر دی ہوں تو کیا عجب ہے؟  
 ارمن کا شہروان ارمنیوں میں سہی رامیس کا شہرہ کمالات ہے۔ جہاں بعض چھرون  
 بن ایسے کتبہ برآمد ہوئے ہیں جن میں سہی رامیس کے حالات لکھے ہوئے ہیں۔

## زلیخا ملکہ مصر

یون تو نازا فرینی دناز برداری اور دلربائی اور دلفروشی کی گرم بازار می عشق و محبت  
 کے چراغ کو ہمیشہ اور ہر جگہ اگساتی اور تیز کرتی رہتی ہے۔ مگر مصر کو اس بارہ خاص میں  
 ساری دنیا پر ایک نمایاں فوقیت حاصل ہے۔ شعراء نے عجم ترکون کے حسن و جمال کی تعریف  
 میں ہمیشہ رطب اللسان اور ایک ترک شیرازی کے خال ہندو پر سمرقند و بخارا کو قربان  
 کرتے رہے۔ مگر جتناں کے حسن و جمال کا ایک زمانہ دیوانہ ہو رہا ہے۔ اور وہ کوہ قاف  
 کی پر یان ہی ہیں جو صدیوں اور مدت ہائی دراز سے ایران و روم کے شاہی محکون کی  
 زریب و زینت بنی ہوئی ہیں۔ متھرا جی کی گویوں نے سری کرشن جی کی دیوتائی کی شان  
 میں زمرہ دلی کی جان ڈالی ہے۔ مگر سرزمین مصر نے اپنی نازنین مہ و شہون کی دلربائی و دلفروشی  
 کے جیسے جیسے کارنامے صفحات تاریخ پر صبح کرا دئے ہیں اور کسی ملک کو نہیں نصیب۔  
 کیونکہ زلیخا اور قلوبطرہ (کلوپٹرا) کی سی نازنین دلبروں کو کسی ملک کی تاریخ نہیں پیش  
 کر سکتی جنھوں نے دلبری و دستاوی کو ایک فن بنا کے اُس میں انتہا درجہ کا کمال دکھا دیا۔  
 زلیخا کے حالات کو یہاں تک شہرت و نمود حاصل ہے کہ توراۃ اور قرآن کے روحانی

ٹریچرین بھی انھیں جگہ مل گئی۔ اور قلوبطرح کے واقعات مورخین روم کے ذریعہ سے استفادہ  
مشہور ہوئے کمرآج ہر زبان کے مورخین کی زبان پر ہیں۔ اور متین سے متین اہل تاریخ کے  
بیان میں بھی ان کا تذکرہ آتے ہی ایک شاعرانہ رس اور مزہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اپنے حسن جمال  
کے اثر اور اپنی سحر آفرین آنکھوں کے جادو بہرے تیروں سے کسی کے دل کو زخمی کر دینا  
ایک ایسا فن ہے جس میں ہر ملک کے حسین کمال رکھتے ہیں۔ اور ہر جگہ کے عشاق خستہ  
جگر اپنے دلرباؤں کی بے رحمی کی شکایت کر رہے ہیں۔ رومی شاعر اوڈکی شنوی دو  
آرٹ آف لو، (فن عشق بازی) کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ روم کی ناز  
آفرین مہ جبین کس خوبصورتی سے دل چھین لیا کرتی تھیں۔ اور ان کے ہاتھوں سے  
عشاق کیسے دل بربستہ ہو رہے تھے۔ مگر مصر کی یہ دونوں عالم حسن کی ہیر و مین جھوٹوں  
دستانی کی معرکہ آرائیوں میں قیامت تک یاد رہنے والی نقین جھل کی تھیں سبک بڑا یہ  
امتیاز رکھتی ہیں کہ اپنے حسن کے موثر بنانے اور اپنے تیر نظر میں جہانگیر کی قوت پیدا کرنے  
میں انھوں نے جو کمال دکھا دیا اور کہیں کی نازک ادا دلا رہا ہیں نہیں دیکھا سکیں۔

زلینجا کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت یوسف کو ان کے نامہربان بھائیوں نے  
صحرائے عرب کے ایک سماعیلی قافلہ والوں کے ہاتھ بیچ ڈالا تو وہ لوگ آپ کو لے کر  
مصر کے بازار حسن میں پہنچے۔ اور قطیف نام ایک مغر زعمہ دار مصر کے ہاتھ بیچ دیا  
جو دربار فرعون میں وزیر خزانہ کی خدمت پر مامور تھا۔ اور عزیز مصر کہلاتا تھا۔ عزیز  
نے حضرت یوسف کو لاکے اپنی بی بی کے سپرد کیا۔ جس کا نام مورخین سلف کے نزدیک  
تو راعیل تھا مگر خدا جانے کیونکر ایران و ہند کے متاخر شعراء و مورخین میں مدزلینجا،

سہ توارہ اور قرآن مجید میں اس خاتون کا کوئی نام نہیں بتایا گیا ہے اور وہ عزیز کی جورو، یا دو  
امراۃ الغریز، کے الفاظ سے یاد کی گئی ہے۔ عرب کے قدیم صحیف ابن اثیر وغیرہ اس محترم و مشہور  
خاتون کا نام دراعیل، بتاتے ہیں۔ مگر اب مسلمانوں میں اس کا نام زلینجا مشہور ہے۔

مشہور ہو گیا۔ اور چونکہ اس مغزز خاتون کا یہی نام ایران و ہندوستان کے بچہ بچہ کی زبان پر ہے۔ لہذا ہم بھی اسے اسی مشہور نام سے یاد کرتے ہیں۔ عزیز نے حضرت یوسف کو اپنی بی بی کے حوالے کرتے وقت یہ ارادہ ظاہر کیا تھا کہ چونکہ ہم لا ولد ہیں اس لئے اس خوبصورت کنعانی لڑکے کو بیٹا بنا کے پالیں گے۔

جب آپ بڑے اور جوان ہوئے اور آپ کے حسن و جمال میں جوانی کی دلربائی نے جلوہ دکھا دیا تو زلیخا آپ کی صورت پر فریفتہ ہو گئی۔ اور اپنے رام میں گرفتار کرنے کے لئے طرح طرح کی تدبیریں کرنے لگی۔ مگر ایک معصوم ہمہ ناز دے کے قدم کو بغزش ہونا غیر ممکن تھا۔ کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ تب اس نے مولانا جامی کی روایت کے مطابق ایک مکان کو ایسے طریقہ سے سجایا اور آراستہ کیا کہ انسان کیسا ہی بے حس ہو اس میں قدم رکھتے ہی اس کے دل میں ایک شورش عشق پیدا ہو جائے ہر طرف در و دیوار میں ایسی تصویریں لگی ہوئی تھیں جنہیں دیکھ کے دل ہاتھوں سے جاتا رہتا۔ اور ممکن نہ تھا کہ انسان اپنے دل پر قابو رکھ سکے۔ اس مکان کے اندر زلیخا یوسف کو تنہا لے گئی۔ سب دروازے بند کر لئے۔ اور کمال بیباکی عشق کے ساتھ یوسف سے پٹ گئی۔ یہاں کے عالم کو دیکھ کے یوسف بھی از خود رفتہ ہو گئے۔ قریب تھا کہ اس کے دام زلف میں گرفتار ہو جائیں مگر ساتھ ہی تبصرہ ہوا اور بے اختیار بھاگے۔ زلیخا نہایت ہی بیباکی سے پیچھے دوڑی اور دامن پکڑ لیا۔ مگر یوسف نے ایسی بے اختیار سی سے جھٹک دیا کہ دامن پھٹ کے اس کے ہاتھ میں رہ گیا۔ اور یہ دروازہ کھول کے باہر نکل پڑے۔

باہر نکلتے ہی عزیز کا سامنا ہو گیا جس نے دونوں کو اس حالت میں دیکھا کہ آگے

آگے تو نہایت بدحواسی کے عالم میں یوسف ہیں۔ پیچھے اس کی جورو ہے۔ اور یوسف

کا چٹا ہوا دامن اس کے ہاتھ میں ہے۔ یہ دیکھ کے ادھر تو وہ بھوچکا رہ گیا۔ ادھر ان دونوں کا یہ عالم ہوا کہ وہ دو کا ٹوٹو نہ تھا بدن میں، مگر زلیخا کی پرفتن طبیعت اور



پرفتن فطرت نے اُسے سنبھالا۔ شوہر کی طرف دیکھ کے بے تحاشا چلائی دو تہناری بی بی کے ساتھ جو کوئی برا ارادہ کرے اُس کی سزا قید کے سوا بھلا اور بھی کچھ ہو سکتی ہے؟ یہ سن کر یوسف میں تاب نہ رہی۔ بولے ”دو خود ہی تو میرے پیچھے پڑی ہوئی ہیں۔ اور اس نے مجھی کو الزام دیتی ہیں۔ میں جان بچا کے بھاگا تو میرے پیچھے دوڑیں اور میرا دامن پھاڑ لیا“ اب عزیز مصر متروہ تھا کہ کیا فیصلہ کرے اور کس الزام دے کہ اُس کا چچا زاد بھائی جو اتفاقاً اُس کے ساتھ تھا بولا ”دکرتے ہی کے دیکھنے سے دونوں کا جھوٹ سچ کھل جائے گا۔ اگر یوسف کے کُرتے کا اگلا دامن پھٹا ہو تو جانے کہ زلیخا سچی ہیں اور یوسف جھوٹے ہیں۔ اور اگر کچھ پھلا دامن پھٹا ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ یوسف سچے ہیں۔ اور یہ جھوٹی ہیں“ اس تجویز کے مطابق کُرتے کا معائنہ کیا گیا تو نظر آیا کہ کچھلا دامن پھٹا ہوا ہے۔ اس ثبوت کے ہم ہونچے ہی زلیخا کا سزا موت سے جھک گیا۔ اور عزیز نے بی بی کی طرف دیکھ کے کہا ”یہ تمہارا ہی فریب ہے۔ سچ یہ ہے کہ تم لوگ بڑے ہی مکار بھوتے ہو“ بی بی کو سزا کیا دیتا؟ اور پھر عزیز کا سانا کارہ آدمی؟ جس کی نسبت مشہور تھا کہ عورتوں کے کام ہی کا نہیں ہے۔ اس واقعہ کو اتنے ہی پر ٹال دیا کہ زلیخا سے کہا ”دو بی بی سارا قصور تمہارا تھا۔ لے اب اپنے گناہ سے توبہ کرو۔ اور پہر ایسا نہ ہو“

یہ تو پہلا موقع تھا جبکہ زلیخا نے اپنے حسن و جمال کے اثر۔ اپنے ناز و انداز اور اپنے کمال دلبری سے ایک پمیر زادے کے دل پر فتح پانے کی کوشش کی تھی۔ مگر چونکہ پمیر خدی کے دامن عفت میں دعبہ لگانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ بالکل کامیاب نہ ہو سکی تھی۔ لیکن ایک دوسرے موقع پر جب اُس نے حسن کی کرشمہ سازی ان دکھانے کے ہنرمین کمال چابکدستی دکھانے کے اس بات کی کوشش کی کہ حسن یوسف کا اثر تمام پری و شون خاتونان مصر کے دلوں پر ڈال دے اور اپنے آپ کو معذرت ثابت کرے پوری طرح فتیاب ہوئی۔

یہ سین بھی نہایت ہی دلفریب تھا۔ اور سوا مصر کی سرزمین کے اور کہیں شاید نہ نظر آیا ہوگا۔

اس کی بنیاد تھی کہ زینخا کے دل ہاتھ سے دے بیٹھنے کا حال جب مراٹے مصر کے گھروں میں مشہور ہوا اور تمام معزز خاتونین انگلیوں کو دانتوں سے کاٹ کاٹ کے زینخا کو الزام دینے لگیں کہ دردی شوق پورا کرنے کے لئے ایک غلام ہی تھا۔ زینخا کو کوئی شریف زادہ نہ ملتا تھا؟ تو اپنے سر سے یہ الزام اٹھانے کے لئے زینخا نے ایک دن تمام خاتونان مصر کی دعوت کی۔ جس میں بڑا ہی تکلف کا سامان کیا۔ دو کمرے نہایت دولت مند ہی سے آراستہ کئے۔ جدھر نظر جاتی سونے کی جھالریں جھلک رہی تھیں زرد و نعل کا فرش چھپا باگیا تھا۔ ہر طرف دیبا و حریر کے پردے لٹکانے لگے تھے۔ اور انکی آراستگی میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا گیا تھا۔ پھر ایک کمرے میں اُس نے چابکدست مشاطون کو حکم دیا کہ یوسف کو بنا چنا کے دو لہا بنا دیں۔ آپ کے بالوں میں کنگھی کر کے موتی پر دوئے لگئے۔ حریر زرد کے کپڑے پہنائے گئے جس میں سنہرے روپے اور سرخ لعل بوٹوں پر سنہرے رنگ کی چھوٹی چھوٹی چڑیاں بٹھائی گئی تھیں۔ اطلس سرخ کا پاسبانہ اور تشر موتیوں اور جواہرات کا مرجع تلج پنہایا۔ اس تلج کے نیچے سے آپ کی خم و خم زلفیں نکلی ہوئی تھیں جو پیشانی پر مار پچان کی طرح بل کھانے کے بعد چہرے کے گرد اگر دھڑکھاتی ہوئی سینہ پر ٹکادی گئی تھیں۔ ادھر ادھر دونوں رخساروں پر دوزلفیں چھپون کے ڈنک کی طرح مناسب خم کے ساتھ نکال دی گئی تھیں اور باقی زلفیں پیٹھے پر بکھری ہوئی تھیں جن میں موتی گوندہ کے اور طلائی موباف ڈال کے عجب پر لطف جال شانوں اور پیٹھے پر پھیلا دیا گیا تھا۔ دونوں کانوں میں دو اعلیٰ درجہ کے موتیوں کے گوشوارے پڑے تھے۔ گلے میں طلائی مرجع طوق تھا۔ کمر میں سونے کا ٹپکا تھا جس میں یاقوت کی گھنڈیاں اور موتیوں کی جھالریں لگی تھیں۔

جب حضرت یوسف اس طرح بنائے چٹائے اور سنوارے جا چکے تو دوسرے  
 اُس سے زیادہ پتر تکلف کرے میں دسترخوان بچھایا گیا۔ جس پر تمام حسین و نازا فرمیں  
 ہمانوں نے بیچے کے ہر قسم کے اوان نعمت کا لطف اٹھایا۔ اس کے بعد جام شراب دور  
 چلا۔ اور شراب کے بعد جب میوہ خوری کا وقت آیا تو ہر خاتون مصر کے سامنے ایک  
 ترنج اور ایک چھری لاکے رکھ دی گئی۔ تاکہ انھیں کاٹ کے کھائیں۔ ابھی وہ پھلون  
 کو کاٹنے نہیں پائی تھیں کہ زلیخا نے ان سب خاتونوں کی طرف متوجہ ہو کے کہا: ”بی بیو  
 میں نے سنا ہے کہ ایک غلام کے متعلق تم سب مجھے الزام دیتی ہو۔ کیا یہ سچ ہے؟ سب نے  
 کہا ہاں سچ ہے۔ ہمارے خیال میں آپ کا سن و جمال اس مرتبہ کا ہے کہ اسپر بادشاہوں  
 اور شاہزادوں کی نظر میں پڑنی چاہئے تھیں نہ یہ کہ ایک غلام پر ذہنیہ ہو کے آپ اپنی  
 بے قدری کر دیں!“ زلیخا نے کہا ”مگر تم اس امر کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتی ہو“ پھر حکم دیا  
 کہ مغرب کی طرف کے زہر بفت کے پردے اٹھا کے حضرت یوسف لائے جائیں۔ شاہلاہین  
 اسی شان رعنائی سے یوسف کو اندر لائیں۔ صبح کا وقت تھا اور اس کا پہلے سے انتظام  
 رکھا گیا تھا کہ یوسف جیسے ہی اس کمرے میں داخل ہوں ان کے چہرے پر آفتاب کی  
 شعاعیں پڑیں۔ چنانچہ آپ لائے گئے۔ سورج کی نرم شعاعوں نے چہرے پر سنہرا پانی  
 پھیر کے آپ کے حسن کو اور چمکادیا۔ یہ معلوم ہوا کہ آسمان سے کوئی فرشتہ اتر آیا ہے یا  
 آسمانی حسن و نایاب جلوہ افروز ہو گیا۔ ساری خاتونیں بہوت اور بت بن کے رہ گئیں زلیخا  
 نے کہا ”کیون کیا ہوا؟ یہ تم باتیں کرتے کرتے رگ کیوں گئیں؟“ سب نے جواب دیا ”یہ  
 انسان نہیں فرشتہ ہے۔“ اس کے بعد سب نے ترنج کاٹنے کا قصد کیا تو بے اختیاری دبے  
 خودی میں ترنجوں کے عوض اپنی انگلیاں کاٹ میں۔ ان کی یہ حالت دیکھ کے زلیخا بولی،  
 ”یہی وہ غلام ہے جس کے بائے میں مجھے الزام دیا جاتا ہے۔ اور یہی ہے جس پر تم سب  
 مجھے لعنت لگاتے کرتی تھیں۔ مگر تمہیں انصاف کرو کہ ایسے جہان رعنا کو انسان چاہیے

نہ تو کیا کرے؟ اب سب نے زلیخا کی معذوری تسلیم کر لی۔ تو زلیخا نے اُنسے التجا کر کے کہا جب تمہارا یہ خیال ہے تو خدا کے لیے اسے سمجھا بھجھا کے راضی کر دو۔ اب سب عورتوں نے اٹھ اٹھ کے حضرت یوسف کو فریب دینا شروع کیا۔ اور بعض بجائے اس کے کہ وہ زلیخا کی وکالت کریں۔ آپکے خود اپنی طرف مائل کرنے لگیں۔ مگر بظاہر زلیخا ہی کی سفارش کر رہی تھیں۔

درحقیقت یہ بھی نہایت ہی موثر حسین تھا کہ حضرت یوسف سب سے بچائے دھوا بنے ہوئے خاموش کھڑے ہیں۔ اور مصر کی ساری حسین و پری جمال عورتیں لباس فاخرہ اور زیور پہنے اور ہر قسم کا بناوچہ دیکھے ہوئے آپ کو یا تو زلیخا کی طرف متوجہ کرتی ہیں اور یا اپنے دام میں پھانسا چاہتی ہیں۔ بے شک یہ زلیخا کا پہلے سے بھی بڑھا ہوا فریب تھا مگر ہمیرانہ عصمت اس پر بھی غالب آئی۔ اور کسی کا زور نہ چلا یہاں تک کہ زلیخا جب بالکل عاجز اور مایوس ہوئی اور کوئی زور نہ چلا تو آپ کو قید خانہ میں بھیج دیا۔

# ملقیس

## ملکہ سبا

ہر قوم کی تاریخ میں ایک ابتدائی عہد ایسا گزرا ہے جس کے حالات اس عہد کے قیاساً عقلی سے باہر اور عجیب و غریب واقعات سے لبریز ہیں۔ یونانیوں رومیوں ہندوؤں اور چینوں ہی میں یہ نہ تھا کہ اُن دنوں آسمان وزمین کے رہنے والے اور عالم بالا و عالم زیرین والے باہم ملنے جلتے تھے اور سرور و شہستان و آشیستان کی آمد و رفت کے راستہ کھلے ہوئے تھے بلکہ بنی اسرائیل و عرب میں بھی اپنی پرانی تاریخ کے متعلق ایسے ہی حالات مشہور تھے عرب کی ملکہ سبا ملقیس بابل کی ملکہ سمیرامیس اور یونان کی ہلین بھی اُسی قدیم عہد کی خاتونیں ہیں۔ جو قریب العہد تھیں۔ اور ولادت سرور کائنات سے دو ہزار سال پہلے تقریباً تین سو برس کے اندر ایک دوسرے کے بعد گزریں۔ ان سب کے حالات غلافِ فطرت واقعات سے لبریز نظر آتے ہیں مگر اسلام اور بت پرستی کا یہ فرق اُس زمانہ میں بھی نمایاں تھا کہ بابل کی سمیرامیس اور یونان کی ہلین تو دیویاں بن گئیں اور ملقیس صرف ایک حق پرست ملکہ اور پیغمبر کی بی بی بننے سے زیادہ تجاوز نہ کر سکی۔ سمیرامیس اور ہلین میں بے عصمتی آوارگی اور شہوت پرستی تھی۔ اور ملقیس دنیا کو فتح کرنے والے حسن و جمال کے ساتھ عصمت و عفت کے زیور سے آراستہ تھی۔

بلقیس کا واقعہ کتب آسمانی میں بھی مذکور ہے مگر بہت مختصر اور باقی حالات کا کملہ قومی روایتوں اور کہانیوں سے کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے اُس کے متعلق اختلاف بھی بہت ہیں۔ اور اُن کا اعتبار بھی نہیں کیا جاسکتا۔

بعض اہل روایت کہتے ہیں کہ اُس کا اصلی نام بلقمہ تھا۔ اور یشرع بن حارث بن قیس بن صیفی بن سبا بن شحب بن یعرب بن قحطان کی بیٹی تھی۔ بعض اُس کے باپ کا نام یشرع بن شُجّ ذی الاغارب بن شُجّ ذی المنارب بن ثُبّع رائش بتاتے ہیں۔ مگر یہ دراصل کوئی اختلاف نہیں۔ اس لیے کہ وہ قدیم شاہانِ مین کی نسل سے تھی جو تیج کہلاتے تھے اور ان بادشاہوں کے نام کے ساتھ ایک لقب بھی ہوا کرتا تھا۔ جس کے اول میں اکثر لفظ ”ذو“ رہا کرتا۔ لہذا پہلی روایت میں اُن کے اصلی نام بتائے گئے ہیں اور دوسری میں اُن کے شاہانہ القاب۔

ان ملوک تیج کا جو تبابعہ مین کہلاتے ہیں بڑا زمانہ گزر رہا ہے۔ اپنے دور میں وہ کسی سلطنت کو اپنے مقابل نہیں سمجھتے تھے اور ساری دنیا کا بادشاہ اپنے ہی آپ کو خیال کرتے تھے۔ قدیم فراعنہ مصر کا مذاق۔ اُن کا سامانِ عیش۔ اُن کا زیور۔ اُن کے ظروف۔ اور اُن کے قصر و ایوان تبابعہ مین سے اس قدر ملتے جلتے تھے کہ اہل بصیرت کو خیال ہو چلا ہے کہ مصر والے تہذیب و تمدن میں ان ملوک عرب ہی کے شاگرد تھے۔ اور اگر کبھی مین کے کھنڈرون کو کھود کے وہاں کی تاریخ کا پتہ لگایا جاسکا تو کیا عجیب یہ قیاس یقین کی صورت اختیار کرے۔ الغرض انھیں تبابعہ مین کی ایک وارث تاج و دیہم ملکہ بلقیس بھی تھی اُس کے متعلق جو غایب از عقل واقعات بیان کیے گئے ہیں اُن میں ایک یہ بھی ہے کہ اُس کی ماں بادشاہ جن کی شاہزادی تھی جس کا نام رواحہ باریحانہ تھا۔ اور اس غیر معمولی عقد شادی کے متعلق یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ بلقیس کا باپ یشرع اپنے خاندان کا چالیسواں فرماں روا تھا۔ ساری دنیا پر متصرف تھا۔ اور سارے جہان میں کسی شاہی

خاندان کو اپنا کُٹ اور ہم رتبہ نہ سمجھتا تھا کہ اُس کی لڑکی کو اپنی ملکہ بنائے اور آخر کار کتنے لگا کہ میں انسانوں میں شادی ہی نہ کروں گا۔

وہ جنگل میں جلسے شکار کیا کرتا۔ اور ہرنوں کی طرح شریر جنوں کا بھی شکار کرتا تھا بہت سے شریر جن اُس کے ہاتھ سے مائے گئے تو خود بادشاہ جن نے نمودار ہو کے اُسکا شکریہ ادا کیا۔ اور اُسنے اُسکے عوض اُسے اس کی بیٹی کا پیام دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یوں نہیں۔ بلکہ ایک دفعہ اُس نے دیکھا کہ ایک کالا اور ایک سفید سانپ باہم لڑ رہے ہیں۔ آخر لڑتے لڑتے کالا سانپ سفید سانپ پر غالب آیا۔ یہ بات اُسے پسند نہ آئی۔ ملازموں کو حکم دیا کہ اُس کا لے سانپ کو مار ڈالو۔ اور سفید جو نہایت مضحک و ناتواں ہوتا تھا اُسے بانی چھڑک چھڑک کے ہوش میں لایا۔ یہاں تک کہ وہ رینگ کے چلا گیا۔ رات کو بشرح اپنے خلوت خانہ میں تھا کہ ناگماں ایک خوشنود و جوان نمودار ہوا جن کی صورت دیکھ کے بشرح دڑا تو اُس نے کہا کہ آپ خوف نہ کھائیے میں وہی سفید سانپ ہوں جس کی دن کو آپ نے جان بچائی تھی۔ اس انسان کا جو معاذ منہ کیے کرتے کو تیار ہوں۔ کیئے تو روپیہ پیسہ لاکے نذر کروں۔ یا کہئے تو آپ کو فن طب بتا دوں۔ بشرح نے کہا روپیہ پیسہ خدا نے مجھے بہت کچھ دیا ہے۔ طب کی ضرورت بادشاہوں کو نہیں۔ حکمرانی کے ساتھ وہ طبابت بھی کرنے لگیں تو لوگ نام رکھیں گے۔ لیکن ہاں حیرتی یہ آرزو البتہ ہے کہ اگر آپ کی کوئی بیٹی ہو تو اُسے میرے عقد نکاح میں دیجیے۔ اُس جوان جن نے کہا ”ہاں میری ایک بیٹی ہے۔ اور اُس کے لیے آپ کا پیام قبول بھی کرتا ہوں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ جو چاہے کرے آپ اُس کے کاموں میں دخل نہ دیں۔ اگر ذرا بھی دخل دیا۔ تو وہ آپ کو چھوڑ کے چلی آئے گی“ بشرح نے یہ شرط منظور کی۔ اور شادی ہو گئی۔

شادی کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا جسے پیدا ہوتے ہی ماں نے دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا۔ باپ کے دل کو عدمہ تو بڑا ہوا مگر اپنے حمد کی پابند ہی میں خاموش

اور ہا۔ ہر ایک لڑکی پیدا ہوئی جسے مان نے ایک کُتیا کے سامنے ڈال دیا اور وہ اُسے  
 جھپٹ کے اٹھائے گئی۔ اب کی بھی دل شکستہ باپ نے کلیجہ پر صبر کی سل رکھ لی۔  
 اس کے بعد کسی باغی نے سر اٹھایا اور بادشاہ نے اُس کی سرکوبی کے لیے فوج کشی  
 کی۔ پُر اسرار بی بی بھی اُس سفر میں ساتھ تھی۔ ایک منزل پر پہونچ کے جہاں رسوا  
 پانی ملنے کی کوئی امید نہ تھی کیا دیکھتا ہے کہ سارے غلہ اور کھانے کی چیزیں مٹی میں  
 مل گئیں۔ مشکوں کے دہانے آپ ہی آپ کھل گئے اور سارا پانی بہ گیا۔ یہ دیکھتے ہی  
 بادشاہ کو اپنی اور اپنے لشکر کی ہلاکت کا یقین آ گیا۔ اور یہ بھی سمجھ گیا کہ یہ کارستانی  
 جنوں نے میری بی بی کے کہنے سے کی ہے۔ ابھی تک تو ضبط کیا تھا۔ مگر اب نہو کا  
 بی بی کے پاس جا کے بیٹا۔ اور بد عہدی کے الزام سے بچنے کے لیے زمین کی طرف  
 اشارہ کر کے کہا ”تو نے میرے بیٹے کو جلادیا میں نے دم نہ مارا۔ میری بیٹی کُتیا کو  
 دے دی اور میں نے آہ نہ کی۔ لیکن اب اس آفت سے تو ہم میں سے کوئی بھی  
 جان برب نہ ہوگا۔“ بی بی نے فوراً جواب دیا ”بہتر تھا کہ تم اب بھی صبر کرتے تمہارے کھانے  
 پانی میں دشمنوں نے زہر ملا دیا تھا۔ اگر وہ تلف نہ کر دیا جاتا تو ایک بھی زندہ  
 نہ بچتا۔“ یہ کہہ کے اُس نے ایک ایسے مقام پر پہونچا دیا جہاں کھانا پانی سب  
 چیزیں کثرت سے مل گئیں۔ اس کے بعد وہ بولی ”تمہیں اپنے بیٹے کا صدمہ ہر  
 اُسے میں نے ایک دانی کے سپرد کر دیا تھا مگر خدا کو زندگی نہیں منظور تھی مر گیا۔  
 رہی تمہاری بیٹی وہ جیتی جاگتی موجود ہے۔“ اور اُس کے یہ کہتے ہی ایک حسین و  
 خوب رو لڑکی زمین سے نکل کے باپ کے سینہ سے لپٹ گئی۔ یہی بلقیس تھی جس سے  
 مل کے باپ بچد خوش ہوا۔ خلاصہ یہ کہ بلقیس عرب کی شکندلا تھی جو انسان اور  
 پری کی آمیزش سے پیدا ہوئی۔

اسکے بعد بادشاہ نے اُس غنیم کو مغلوب کیا اور انتظام سلطنت اپنی زندگی ہی میں



بلقیس کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور جب مرا تو وہی وارث و تاج و تخت ہوئی۔ مگر اس میں بھی بعض اہل روایت کو اختلاف ہے۔ جو کہتے ہیں کہ بلقیس کا باپ بغیر کوئی وصیت کے مر گیا۔ اور اُس کے بعد رعایا میں جھگڑا پڑا۔ ایک گروہ نے بلقیس کی اطاعت قبول کی۔ اور ایک نے اُس کے چچا زاد بھائی کی۔ اُس کے اس ابن عم نے حکومت پاتے ہی طرح طرح کے ظلم کرنا شروع کر دیے۔ خصوصاً اُس کی شہوت پرستی اس درجہ کو پہنچ گئی کہ ملک بھر میں جس کی بیٹی کو حسین و خوب صورت بلوا کے بے آبرو کر ڈالنا۔ آخر لوگ عاجز آکے اس فکر میں ہوئے کہ اُسے تخت سے اتار دیں۔ یہ باتیں بلقیس کو ناگوار لگنے لگیں۔ یہی قصہ کہ اُس نے بلقیس کو بھی بے عزت کرنے کے لیے بلوایا۔ بلقیس نے کہلا بھیجا۔ میں نہیں بلکہ آپ خود مجھ سے ملنے کو یہاں آئیے۔ وہ فوراً چلا آیا اور یہاں دو شخص چھپا کے لگا دیے گئے تھے۔ ادھر اُس نے مکان کے اندر قدم رکھا۔ اور ادھر انہوں نے اپنی تلواروں سے کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد ہی بلقیس نے وزرا کو بلوا کے غیرت دلائی کہ تم میں سے ایک بھی نہ تھا جسے اپنی بیٹی کی بے آبروئی پر غیرت آتی؟ پھر اُس کی لاش دکھائی۔ اور کہا کہ میں کسی کو مناسب سمجھو اپنا بادشاہ بناؤ۔ سب نے کہا آپ سے بہتر حکم نہیں نہیں نصیب ہو سکتا۔ لہذا آپ ہی اپنے آبائی تخت کو اپنے جلوس سے زینت دیجئے۔

بلقیس کی تخت نشینی کے متعلق اور ایک روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ جب اُس کا ابن عم بادشاہ ہو لیا۔ تو بلقیس نے خود ہی اُس سے شادی کی درخواست کی۔ اُس نے کہا مجھے تو اُس کی پہلے ہی سے آرزو تھی مگر امید نہ تھی کہ تم قبول کرو گی۔ اور اسی وجہ سے پیام دینے کی جرأت نہ ہو سکی۔ بلقیس نے کہا مجھے انکار کی کیا وجہ تھی؟ نسب اور خاندان میں تم میرے ہم رتبہ ہو۔ اچھا تو اب تمام اعزاء و اقارب کو جمع کر کے نکاح پڑھوا لو۔ اس اقرار داد کے مطابق نکاح ہو گیا۔ رات کو جب وہ جملہ عروسی میں آیا تو بلقیس نے اتنی شراب اُسے پلائی کہ مدہوش ہو گیا۔ تب بلقیس نے

اس کا سر کاٹ لیا۔ اور اپنے گھر چلی آئی۔ اور اُس سر کو اپنے دروازے پر لٹکوا دیا  
لوگوں کو جب اس کی خبر ہوئی تو بلیقیں کے سامنے آکے آستان بوس ہوئے  
اور اُسے تخت پر بٹھایا۔

بلیقیں نے سر پر شہر باری پر قدم رکھتے ہی ایسی خوبی اور شان و شوکت سے  
حکومت کی کہ اُس کے کوکب اقبال کے سامنے تمام تباہی میں کا ستارہ گنا گیا اُن  
سب کے واقعات مشکوک و مشتبہ کہانیاں رہ گئے۔ اور بلیقیں کی تاریخ اور اُس  
کے کارناموں کی یہاں تک شہرت ہوئی کہ قرآن پاک کے مقدس اوراق میں بھی درج ہیں  
اس کی عظمت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہتے ہیں کہ اُس کے ۳۰۰ وزیر تھے

جو دربار میں موزن و دست بستہ کھڑے رہتے۔ بارہ سپہ سالار تھے جو اطراف  
و جوانب میں فوج کشی اور سرکشوں کی سرکوبی کرتے رہتے۔ اور چالیس ہزار لشکر  
ہمیشہ آستان سلطنت میں کمر بستہ رہتا کہ اشارہ ہوتے ہی شمشیر زنی کے لئے روانہ  
ہو جائے۔ اس کے علاوہ ۴۰۰ تاجدار اُس کے باج گزار اور مطیع فرمان بتائے جاتے ہیں۔

سب سے زیادہ شہرت اُس کے تخت کی ہے جسے اُس نے ایسے اہتمام اور  
سکلف سے آراستہ کیا تھا کہ آج تک دنیا میں کوئی تخت اُس کے تخت کا ہم پائہ نہیں خیال  
کیا جاتا۔ حتیٰ کہ قرآن مجید میں بھی وہ ایک حیرت انگیز چیز بتایا گیا ہے۔ اُس پر نہایت  
خوش سلیقگی سے سونے چاندی کے پتر چڑھائے گئے تھے اور اُن پر قیمتی جواہرات  
جرمے ہوئے تھے۔ ایوان شہر باری سات عالی شان قصروں سے آراستہ تھا جو ایک  
دوسرے کے اندر واقع تھے اور ساتویں قصر میں یہ تخت تھا۔ لہذا ہر طرف سے انسان  
سات قصروں اور دہلیزوں سے گزرنے کے بعد تخت تک پہنچ سکتا تھا۔ ان سب  
محمولوں کے در و دیوار اور چھت پر بھی چاندی سونے کا ملمع تھا اور جواہرات سے  
مرصع کر کے اُن میں نقش و نگار بنائے گئے تھے۔“

مشرق جانب ایک روشن دان تھا اور آفتاب کے طلوع ہوتے ہی اُس کی شاعیں آکے تخت کے پایوں پر پڑتی تھیں اور سمجھا جاتا کہ ہر صبح سب سے پہلے آفتاب آکے سجدہ کیا کرتا ہے۔ اس تخت کی آرائش وزینت میں بلقیس نے تین لاکھ اوقیہ سونا خرچ کیا تھا ایک اوقیہ ۲ تولہ ۹ ماشہ اور ۶ رتی کا ہوتا ہے۔

( یہ ولادت سرور کائنات صلعم سے ۱۶۱۲ سال پہلے کا زمانہ تھا جبکہ ارض یغودا و فلسطین میں حضرت سلیمان کی حکومت تھی۔ اور شیاطین واجتہ کے علاوہ وحوش و طیور تک آپسے مطیع و منقاد تھے۔ اتفاقاً اچلے لشکر کسی طرف سے گزرا جہاں پانی میسر نہ آتا تھا۔ ہڈ ہڈ کو بھیجا گیا کہ بانی کا پتہ لگائے وہ جو اس تلاش میں گیا تو ایوان بلقیس میں گزرا جہاں کی نزہت و شادابی دیکھ کے اُتر پڑا۔ ادریہاں کی دلچسپیوں کا ایسا گرویدہ ہوا کہ واپسی میں یہ ہو گئی۔ حضرت سلیمان برہم بیٹھے ہوئے تھے کہ ہڈ ہڈ آیا اور بلقیس کی حکومت اور اُس کے قصر ایوان کی خبر دی۔ اپنے اُسی کے ذریعہ سے بلقیس کو ایک خط بھیجا جس میں ملت خلیفہ یحییٰ کی طرف مدعو کیا تھا۔ یہ خط پڑھ کے بلقیس نے وزرا و امراء سے مشورہ کیا۔ لوگوں نے کہا ”ہماری سطوت و عظمت ایسی نہیں کہ کسی سے دب جائیں۔ ہم فوج کشی و جاں بازی کو تیار ہیں مگر حضور کو اختیار ہے جو مناسب سمجھیں حکم دیں“ بلقیس نے کہا ”میں اس بادشاہ کے پاس جو ہمیری کا دعویٰ کرتا ہے ایک ہدیہ بھیجتی اور اُسکے ذریعہ سے اُسے آزماتی ہوں۔ اگر سچا پیغمبر ثابت ہوا تو اُسکی اطاعت کروں گی ورنہ اُسے اس گستاخی کی سزا دوں گی“ اس قرار داد کے مطابق بلقیس کے دربار سے ہدیے بھیجے گئے جن میں ۵۰۰ خوبصورت غلام اور ۵۰۰ پری جمال لونڈیاں تھیں۔ لیکن غلام عورتوں کا زیور اور لباس بچہ کے آراستہ و زیبائے کیے گئے اور لونڈیاں مردانے کپڑے بچہ کے خوبصورت اور بانکے ترچھے جوان رعنا بنادی گئیں۔ دوسرے تحفہ یہ ہے ایک ہزار سونے چاندی کی اینٹیں ایک ترصع و مکمل تاج مشک اور عنبر اور ایک ڈبہ تھاجن میں ایک بیش بہا موتی اور ایک مہرہ تھا۔ مگر یہ سب

میں دونوں کے سوراخ ٹیڑھے کر دیے گئے تھے۔ ان ہڈیوں کو سسے کے دربار بقیس کے معزز و محترم شخص مندر بن عمر بن مریم اپنے چند معزز رفقاء کے روانہ ہوا۔ بقیس نے چلتے وقت مندر سے کہا اگر سلیمان نبی ہیں تو لونڈی غلاموں کو پہچان جائیں گے۔ موتی کا سوراخ سیدھا کر دیں گے اور مہرے کے سوراخ میں ڈورا ڈال دیں گے۔ اور یہ بھی خیال رکھنا کہ اگر ان ہڈیوں کو دیکھ کے سلیمان تمہاری طرف برہمی اور غصہ کی نظر سے نکھیرا تو سمجھ جانا کہ وہ معمولی بادشاہ ہیں۔ اور اگر ان کی خندہ جبینی و لبثاشت میں فرق نہ آکر تو جان لینا کہ پیغمبر ہیں۔ اللہ جل شانہ نے حضرت سلیمان کو ہذریعہ وحی ان تمام باتوں کی پہلے ہی سے اطلاع دی

آپ نے ان لوگوں کے دکھانے کے لیے ایسا سامان کیا جو انسان کی قوت و فہم سے بالکل باہر تھا۔ اجنہ کی مدد سے سات فرسخ تک زمین سونے اور چاندی کی بنادی گئی اور اُس کے گرد ایک سونے کی دیوار تعمیر کی گئی۔ اور اُس میدان میں دو طرفہ تمام عجیب و غریب جانور لاکے جمع کر دیے گئے۔ پھر آپ اپنے تخت پر جلوہ افروز ہوئے اور تخت کے دونوں جانب تمام اہل دربار جنہیں جن وانس شریک تھے اپنے اپنے مرتبہ سے کرسیوں پر بیٹھے۔ مین کے سفیر جب اس میدان میں داخل ہوئے تو یہاں کا منظر دیکھ کے اُن کے ہوش اڑ گئے۔ سونے کی یہ بے قدری دیکھی کہ اُسکی زمین پر چوپائے لید کر رہے ہیں۔ لہذا سونے چاندی کی جوائینٹیں لائے تھے مٹھیلز یہاں حقیر دیکھ کے راستہ میں ڈال دیا۔ اور لونڈی غلام اور اُس ڈبے کو لیے ہوئے دربار میں حاضر ہوئے۔ حضرت سلیمان اُن سے شلفۃ روئی سے ملے اور خود ہی کہا وہ ڈبہ جو تم لائے ہو کہاں ہے؟“ اور اُنھوں نے جیسے ہی پیش کیا آپ اکیں جھٹی کو اشارہ کیا جس نے سوراخ سیدھا کر دیا۔ پھر ایک سفید کپڑے کو اشارہ کیا اُس نے مہرے میں ڈورا ڈال دیا۔ اس کے بعد آپ نے لونڈی غلام کو حکم دیا کہ اپنے

ہاتھ منہ دھوئیں۔ اور اُن کے منہ دھونے کی وضع سے خود ہی کھل گیا کہ جو غلام نظر آ رہے ہیں اصل میں لوٹڈیاں ہیں۔ اور جو لوٹڈیاں دُھن بنی ہوئی کھڑی ہیں نوخیز نو عمر غلام ہیں۔ ان سب رموز کا انکشاف کرنے کے بعد حضرت سلیمان نے وہ ہدیے واپس کر دیے۔

ان سفیروں نے واپس آ کے جب ساری سرگذشت بلقیس سے بیان کی تو اُسے یقین آ گیا کہ حضرت سلیمان صرف بادشاہ نہیں پیغمبرِ آملی ہیں۔ فوراً خود جانے پر تیار ہو گئی اور بارہ ہزار ہاتھیں کا پُر جلال جلوں ساتھ لے کے چل کھڑی ہوئی۔ جب بیت المقدس کے قریب پہونچی تو حضرت سلیمان نے جنوں کے ذریعے سے اُس کا تخت اُٹھا منگایا اور محض اس غرض سے کہ بلقیس کو پہچاننے میں شبہ پڑے اس کے جواسرات جا بجا سے بدل دیے۔ بلقیس کی آمد آمد کی خبر سے جنوں میں کھل بلی پڑ گئی کہ اگر سلیمان نے بلقیس سے عقد کر لیا اور اُس سے اولاد ہوئی تو پھر ہم پر سے خاندان سلیمان کی حکومت کبھی نہ سٹے گی۔ کیونکہ بلقیس کی اولاد میں جنوں کے خصائص بھی موجود ہوں گے جو انسانوں میں نہیں ہوتے لہذا اُنھوں نے حضرت سلیمان کے سامنے بلقیس کے عیوب بیان کرنا شروع کیے اور کہا ”بلقیس ایک بد تمیز و بے عقل عورت ہے اور اُس کے پاؤں میں چو پاؤں کی طرح بال ہیں۔“ حضرت سلیمان نے اس کا پتہ لگانے کے لیے ایک عالیشان شیشہ کا محل بنوایا۔ جس کی زمین بھی شیشہ کی تھی۔ مگر شیشہ کے نیچے پانی دوڑایا گیا تھا اور اُس میں ہر قسم اور ہر درجہ کے دریائی جانور لاکے چھوڑ دیے گئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ پانی نہ تھا بلکہ شیشہ کا رنگ پانی کا سا تھا اور اُس کے نیچے دریائی جانوروں کی تصویریں بنادی گئی تھیں۔ الغرض جو کچھ ہوا و پر سے ہی معلوم ہوتا تھا کہ زمین نہیں بلکہ سمندر ہے اور اُس میں جانور چل پھر رہے ہیں۔ اسی محل میں حضرت سلیمان کا تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوئے۔ بلقیس جیسے ہی یہاں پہونچی سمجھی کہ یہاں زمین نہیں بلکہ سمندر ہے۔ اور اپنے لباس کے دامن یا پانچے ہاتھ سے پکڑ کے اُٹھائے

تاکہ بانی میں بھیگ نہ جائیں۔ اور ساتھ ہی حضرت سلیمان کو نظر آگیا کہ اُسکی  
پنڈلیوں پر بال ہیں۔ اس کے بعد آزمانے کے لیے اُس سے سوال کیا گیا کہ ”آپکا  
تخت ایسا ہی ہے؟“ جس کے جواب میں وہ سوہنج کے اور متا مل ہو کے بولی ”ہوہو  
وہی معلوم ہوتا ہے“ الغرض ملنے کے بعد حضرت سلیمان کو یقین آگیا کہ جنوں کے  
بیان کے خلاف بلقیس ایک نہایت ہی عاقل اور سمجھدار۔ ملکہ ہے۔ مگر ہاں اُس کے  
پاؤں میں بال البتہ ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ اسی عیب کے دُور کرنے کے لیے اُس  
زمانہ میں نورے کا نسخہ ایجاد کیا گیا۔

اب حضرت سلیمان نے بلقیس کو دین الہی کی طرف بلایا۔ اور وہ کلمہ توحید پڑھ کے  
مسلمان ہوئی۔ پھر حضرت سلیمان نے اُس سے نکاح کر لیا اور آپ کی محبوب ترین ملکہ  
وہی تھی۔ عقد کے بعد آپ نے اُسے ملک یمن ہی کی حکومت پر برقرار رکھا۔ اور  
معمول تھا کہ ہر مہینہ میں ایک بار جا کے آپ تین دن تک اُس کے وہاں رہا کرتے  
اُس کے بطن سے آپ کا ایک صاحبزادہ بھی پیدا ہوا۔ جس کا نام داؤد رکھا گیا تھا  
مگر وہ باپ کی زندگی ہی میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔

بعض لوگوں کا اس کے خلاف یہ بیان ہے کہ حضرت سلیمان نے بلقیس سے خود  
نکاح نہیں کیا بلکہ اُسے حکم دیا کہ اپنی قوم کے کسی مرد سے عقد کرے۔ مگر اس نے انکار  
کیا۔ حضرت سلیمان نے فرمایا اسلام میں یہ غیر ممکن ہے۔ اگر مسلمان ہوئی ہو تو  
تمہیں کسی سے نکاح بھی کرنا پڑے گا۔ یہ حکم سُن کے وہ بولی ”اگر اس سے مفر نہیں  
تو ہر بادشاہ ہمدان ذُو بُع کے ساتھ میرا نکاح کر دیجیے“ آپ نے اُس کی یہ  
خواہش پوری کر دی۔ اور یمن کے جنوں کو حکم دیا۔ کہ اُسکی اطاعت و فرمان برداری  
کریں۔ چنانچہ اس نے اور اُس کے شوہر نے جنوں کی مدد سے متعدد قصر و  
ایوان تعمیر کرائے۔ منجملہ انھیں قصر و یمن کے عالیشان ایوان صلیخین۔

مرواح - قلیون - ہتیدہ - نیوے - اور عثمان تھے۔  
 حضرت سلیمان کی وفات کے بعد جنوں نے دُوتبع کی اطاعت چھوڑ دی  
 اور آپ کے انتقال کے ساتھ ہی اُن کی سلطنت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔  
 مگر بعض اہل روایت یہ کہتے ہیں کہ بلقیس نے جناب سلیمان کی زندگی ہی  
 میں وفات پائی۔ اور آپ نے اُسے شہر تدمر یعنی ملکہ زنوبیہ کے شہر کی  
 خاک میں دفن کر کے قبر کا نشان مٹا دیا۔ تاکہ لوگوں کی نظر سے مخفی رہے۔

---

# اسیر

## ملکہ اسرائیلیہ

بُخت نصر شاہ بابل جب پوری قوم بنی اسرائیل کو گرفتار کر کے ارض بابل میں لے گیا اور فراعنہ مصر کے جو رستم سے نجات پانے کے بعد خدا کی اُس منتخب قوم کو دوبارہ اسیری و غلامی کی مصیبت میں مبتلا ہونا پڑا ہے تو وہاں انھیں انقلابات سلطنت اور مختلف تاجداروں کے اختلاف مذاق سے عجیب عجیب واقعات پیش آئے۔ اہل بابل کے مغلوب اور ایرانیوں کے ہاتھ سے تباہ ہونے کے بعد بھی اگرچہ ایک مدت تک یہ لوگوں کو آزادی نہیں نصیب ہوئی۔ مگر اُن دنوں اس اُسیری ہی میں کبھی کبھی اُن کا ستارہ اقبال چمک بھی جایا کرتا تھا۔

انھیں خوش اقبالی کے واقعات میں سے ایک حسین و پری و ش اسرائیلیہ لڑکی استیر کا واقعہ ہے جو یہ ہے کہ اپنے حُسن و جمال اور اپنی دل فریب پیاری صورت کی بدولت خود ہی اپنی قوم کا ستارہ اقبال بن گئی تھی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے دل فریب چہرے میں جیسی نزاکت و نازنینی تھی ویسی اُس کے دل میں نہ تھی۔ کیونکہ اُس نے اپنے حُسن کی کرشمہ سازیوں سے فقط اپنی قوم کے بچانے ہی پر کٹھن نہیں



بلکہ ہزار ہا خلقت کو قومی بغض کے جوش میں قتل کرادیا۔

اُس کی داستان جو کتاب مقدس تورۃ (عہد نامہ قدیم) میں درج ہے یہ ہے کہ جب شہنشاہ اشویرش (جو تاجدارانِ فارس میں سے تھا) سریرِ آراء سلطنت ہوا اور اُس کا حکم حدودِ ہند سے لے کے سواحلِ بحیرہ روم تک جاری ہو گیا تو ابنی تخت نشینی کے تیسرے سال اُس نے ایک بڑا بھاری جشن منایا اور تمام امرا و عزیزین کو دُور دُور سے بلانے کے خاص اپنے دار السلطنت شوشن میں ٹھہرایا۔ ہر ادنیٰ و اعلیٰ کی دعوت کی۔ اس جشن کے لیے بڑے بڑے سامان کیے گئے۔ جابجا باغوں اور چمنوں میں پُر تکلف فرش اور نقرہ و طلائی تخت بچھائے گئے حریر و اطلس کے پردے لٹکائے گئے۔ اور سونے چاندی کے برتنوں میں تمام شاہی مہمانوں کو کھانا کھلایا گیا۔ شراب پلائی گئی۔ شراب کی یہ کثرت تھی کہ گویاے ارغوانی کی سیلیں لگا دی گئیں باہر شہنشاہ نے مرد مہمانوں کی اور محل میں اُسکی مشہور ملکہ افاق و شستہ ملکہ نے عورتوں کی مہمان نوازی کی۔ اور انھیں انعام و اکرام سے سرفراز کیا۔

جشن شروع ہونے کے ساتویں دن اشویرش نے جبکہ نشہ شراب سے معمور تھا اور جوش سرور زوروں پر عطا خواجہ سراؤں کو بلانے کے حکم دیا کہ وشتی ملکہ سے کہو کہ پُر تکلف لباس پہن کے اور تاج شاہی سر پر رکھ کے یہاں مردانے دربار میں آئے اور میرے برابر جلوہ افروز ہو کے میری رعایا کو اپنا جمال جہاں آرا دکھائے۔ خواجہ سراؤں نے بادشاہ کا یہ حکم ملکہ کو پہنچایا تو اُس نے اس مجمع عام میں آنے سے انکار کیا جس پر شہنشاہ اشویرش نہایت برا فروختہ ہوا اور اپنے مشیروں اور ساتوں معزز وزیروں سے جو فارس کے رئیس تھے مشورہ طلب کیا کہ اس نافرمان ملکہ کے بارے میں کیا کیا جائے؟ وزیر اعظم موکان نے زمین بوس ہو کے عرض کیا کہ ”ملکہ نے فقط حضور کی نافرمانی نہیں کی بلکہ ایک بڑا بھاری قومی گناہ کیا ہے۔ اُس کی نافرمانی کی خبر گھر گھر مشہور ہوگی۔ اور تمام

عورتیں یہ دیکھ کے کہ بادشاہ کی ملکہ اُن کا کتنا نہیں مانتی اپنے شوہروں کی نافرمانی کرنے لگیں گی۔ اور سارے شوہر اپنی جوروں کی نظر میں حقیر ہو جائیں گے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ اس رتبہ سے کہ بادشاہ کی محبوبہ خاص ہیں محروم کر دی جائیں۔ اور یہ مرتبہ اعلیٰ کسی اور ایسی خاتون کو دیا جائے جو حضور کی فرمانبرداری کرے اور پہرے دیکھ کے ساری مملکت کی عورتیں اپنے شوہروں کی اطاعت گزار بنیں، یہ راسے بادشاہ نے پسند کی۔ اسی پر عمل ہوا۔ اور ویشٹے ملکہ بادشاہ کی محبوبہ خاص ہونے کے درجہ سے محروم کر دی گئی۔

اب بادشاہ کے لیے کسی نئی حسینہ کی تلاش شروع ہوئی۔ بادشاہی غلاموں کی تحریک پر ساری قلعرویں حکم جاری ہو گیا کہ ہر جگہ حسین اور کُنواری لڑکیاں جمع کی جائیں اور اُن میں سے جو جادو نگاہ عورتیں منتخب ہوں وہ لاکے ایواں شہر یاری میں شاہی خواجہ سراؤں کے زیر نگرانی رکھی جائیں تاکہ وہ اُنھیں بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کرنے کے قابل بنائے۔ بادشاہ کی خلوت میں پیش ہونے کے لیے ضرور تھا کہ ہر حسینہ ایک سال تک خواجہ سراؤں کے زیر اہتمام رہے جسے چہ مہینہ تک مُر اور لوہاں اور عود وغیرہ کی دھونی دی جاتی اور چہ مہینہ تک اُس کے پنڈے میں عود اور اگر اور دوسری خوشبودار چیزوں کے تیل بٹھنے اور عطر لے جاتے۔

انقرض سارے ملک سے آٹھ جادو نگاہ اور سر و قامت دلربا میں چُن کے بادشاہ کے لیے رکھی گئیں۔ اُنھیں میں ایک استیر بھی تھی۔ جس کی اصلیت یہ تھی کہ ارض مقدس سے جو یہودی گرفتار ہو کے بابل میں آئے تھے اُن میں ”مرد خائے“ نام ایک اسرائیلی تھا جو بنیامین کی نسل سے تھا استیر اُس کے چچا کی بیٹی تھی جو اپنے ماں باپ کے مرجانے سے مرد خائے کی تولیت میں تھی۔ اور مرد خائے نے بیٹی بٹاکو اُسے ناز و نعم سے پالا تھا۔ حسن و جمال میں دُور دُور تک اُس کا جواب نہ تھا۔

اور یہ حالت تھی کہ جس کی طرف نظر اٹھا کے دیکھ لیتی اُس کا شیدا اور گرویدہ ہو جاتا۔ مرد خائے نے خود ہی استیر کو خواجہ سراؤں کے پاس بھیج دیا۔ مگر تاکید کر دی کہ خبردار کسی کو یہ نہ بتانا کہ میں اسرائیلیہ ہوں۔ یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ منتخب کر کے رکھ نہ لی جاتی خواجہ سراؤں نے اُسے پسند کر کے رکھ لیا اور اُس کی تدخین و تدہین ہونے لگی۔

برس گزرنے کے بعد اُن آٹھوں لڑکیوں میں سے ہر ایک بادشاہ کی خلوت سرا میں بھیجی گئی۔ اوہ صبح کو ناپسند ہو کے نکل گئی استیر کی باری آئی تو بادشاہ اختویرش دیکھتے ہی فریفتہ ہو گیا۔ اور اُسی کو بادشاہ کی محبوبہ خاص اور ملکہ آفاق بننے کی عزت دی گئی۔ اس طریقہ سے اختویرش کی تخت نشینی کے ساتویں برس استیر اُس کی ملکہ بنی۔ ایسی پری جمال اور حور و ش نازین کے ملنے پر بادشاہ نے بڑی خوشیاں کیں۔ جشن منائے۔ لوگوں کو انعام و اکرام سے سرفراز کیا۔ استیر نے اب تک کسی کو اپنا اسرائیلیہ ہونا نہیں بتایا تھا۔ مگر ہر امر میں اپنے مربی مرد خائے کی مطیع و منقاد تھی اور مرد خائے کو بھی اُس سے اس قدر محبت تھی کہ اب اُس نے بھی بادشاہ کی ڈیوڑھی ہی پر رہنا شروع کر دیا۔

اتفاقاً مرد خائے کو شاہی ڈیوڑھی پر پڑے پڑے یہ حال معلوم ہوا کہ بادشاہ کے دو غلام اُس کی جان پر حملہ کرنے کی تاک میں ہیں اس کا حال اُس نے استیر کو بتا دیا۔ اور استیر نے جا کے بادشاہ سے عرض کر دیا۔ تحقیقات کی گئی تو ثابت ہو گیا کہ وہ دونوں غلام واقعی ایسی ننگ حرامی کی تجویز میں تھے۔ اس جرم کی سزا میں اُن دونوں کو سولی دی گئی۔ اور بادشاہ نے حکم دیا کہ یہ واقعہ پورا پورا اُس کے روزنامے میں درج کر دیا جائے۔

اس اثنا میں بادشاہ وزرائے اپنے ایک وزیر پر جس کا نام ہامان تھا بہت مہربان ہوا۔ اس کا تقرب روز بروز بڑھتا گیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ اُس کی عزت و وقعت

بھی بڑھائی گئی۔ یہاں تک کہ عام حکم دے دیا گیا کہ جب وہ قصر شاہی میں آیا کرے تو تمام غلامان شاہی سامنا ہوتے ہی اُس کے سامنے سجدے میں گر پڑا کریں۔ سب غلاموں نے اس حکم تعمیل کی مگر مرد خائے جو ہمیشہ آتے جاتے وقت ہامان کو بادشاہ کی ڈیوڑھی پر بیٹھا نظر آیا کرتا تھا کبھی سجدہ نہ کیا۔ بعض غلاموں نے کہا بھی کہ تم سجدہ کیوں نہیں کرتے؟ اُس نے جواب دیا کہ یہ مجھ سے نہ ہوگا کہ ایک مخلوق کے آگے سجدہ کروں۔ غلاموں کا جب مرد خائے پر کوئی زور نہ چلا تو ہامان سے جا کے لگا دی کہ یہ شخص آپ کے آگے سجدہ کرنے سے انکار کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بتا دیا کہ یہ یہودی ہے۔ ہامان یہ سن کے نہایت برا فروختہ ہوا اور ارادہ کیا کہ اُس سے انتقام لے۔ مگر دل میں کہا کہ اکیلے (۳۱) ایک متنفس سے بدلہ لیا بھی تو کیا میں اس کی ساری قوم سے بدلہ لوں گا۔ اوداس فکر میں لگا کہ اختویرش کی سلطنت میں جتنے اسرائیلی ہیں اُن سب کو قتل کر ڈالے۔

اختویرش کی تخت نشینی کے بارہویں سال ہامان نے پوری طرح پتہ لگالیا کہ ساری قلمرو میں کتنے یہودی اور کہاں کہاں آباد ہیں۔ پھر بادشاہ کی خدمت میں آ کے عرض کیا کہ حضور کے ملک میں ایک سرکش گروہ ہے جو لوگ متفرق و منتشر طور پر جا بجا آباد ہیں۔ اور سب کی یہ حالت ہے کہ احکام شاہی کی بجا آوری میں تامل کرتے ہیں۔ اُن کا کیش و آئین اُن کا طور طریق۔ اور اُن کے رسم و رواج سب جدا ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ زندہ نہ چھوڑے جائیں۔ اس لیے حضور کی مرضی ہو تو اُن سب لوگوں کے قتل و غارت کا حکم جاری کر دیا جائے تاکہ وہ مطلقاً فنا کر دیے جائیں۔ اور اس کے معاوضہ میں میں دس ہزار وزن (جو اس زمانہ میں مروج ہو) چاندی اُن لوگوں کے ہاتھوں سے جو قتل و غارت کی کارروائی کریں گے خزانہ شاہی میں داخل کرا دوں گا۔ بادشاہ نے وزیر کی یہ

درخواست قبول کرنی۔ انگوٹھی اتار کے اُس کے ہاتھ میں دی اور کہا ”یہ میری ٹہری ہے جو حکم تم کو مناسب معلوم ہو میری جانب سے جاری کر دو“

بادشاہ سے منظور ہو کر حاصل کر کے ہامان بے انتہا خوش ہوا اور اسی وقت تمام مالک محمودہ اور کل اضلاع و اقطاع میں عہدہ داروں۔ والیوں۔ امیروں۔ مرزبانوں۔ (تعلقداروں) کے نام فرمان جاری ہو گیا۔ کہ فلاں تاریخ ہر جگہ جتنے اسرائیلی ہوں بلا استثناء و امتیاز مع زن و فرزند قتل کر ڈالے جائیں۔ اور اُن کا گھر بار لوٹ لیا جائے۔ خبردار کوئی یہودی زندہ نہ بچنے پائے۔ اس حکم کے جاری ہوتے ہی ہر جگہ تہلکہ مچ گیا۔ یہو کے دشمن اپنی تلواریں تیز کرنے لگے۔ اور یہودیوں میں ایک عام ماتم مچا ہوا گیا۔ ہر جگہ ایک گھبراہٹ اور اضطراب کا عالم طاری تھا۔ ہاں ایک ہامان البتہ بادشاہ کی صحبت خاص میں بیٹھا شراب کے جام لٹھکارتا تھا۔

مرد خائے کو ان پاتوں کی خبر مونی تو اس نے مارے صدمہ کے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ سارے پنڈے میں خاک ملی۔ ایک کھال اُڑھ لی۔ اور وسط شہر میں کھڑے ہو کے چیخیں مار مار کے رویا۔ اور اسی وضع سے شاہی ڈیوڑھی پر آیا جہاں عام حکم تھا کہ جو شخص کھال اُڑھے ہوئے ہو چاہے کوئی ہو اندر نہ آنے پائے۔ مرد خائے کی اس حالت کی خبر خواجہ سراؤں نے استیر کو پہونچائی تو وہ نہایت ہی ملول ہوئی۔ اور کہے ”یہیجے کہ اُن کی کھال کی پوشاک بدلو۔ جس سے مرد خائے نے قطعاً انکار کیا۔ تب استیر نے اپنے رازدار خواجہ سراہنخ کو بھیجا کہ ”جوچھو“ آخر واقعہ کیا ہے؟“ ہنخ سے مرد خائے نے ساری کیفیت بیان کر دی۔ اور وہ رقم بتائی جس پر اسرائیلیوں کی جانیں سول لی گئی تھیں۔ اور شاہی فرمان کی ایک نقل بھی بھیج دی کہ استیر خود ہی پڑھ کے معلوم کرے کہ اسرائیلیوں کا کیا حشر ہونے والا ہے۔ اس کے ساتھ کھلا بھیجا کہ ”تم بادشاہ کے سامنے جا کے روؤ اور اپنی قوم کو اس عام ہلاکت سے بچاؤ“ یہ پیام سن کے استیر نے کھلا بھیجا ”بڑی خرابی تو یہ ہے“

کہ میں بالکل مجبور ہوں۔ میں ابھی مہینہ بھر تک بادشاہ کے یہاں بٹائی نہ جاؤنگی۔ اور وہاں عام قاعدہ یہ ہے کہ چاہے کوئی ہو مرد ہو یا عورت عزیز ہو یا دوست اگر بے بلائے بادشاہ کی غلط خاص میں چلا جائے تو بلا تامل قتل کر ڈالا جاتا ہے۔ سو اُس شخص کے جسے خود بادشاہ اپنے سونے کے عصاے شاہی سے اشارہ کر کے اس عام قاعدے سے مستثنیٰ کر دے۔ میں بے بلائے جاؤں گی تو جب تک وہ متوجہ ہوں ہوں قتل ہو جاؤنگی اس جواب پر مرد خاں بہت برہم و آشفقہ ہوا۔ اور کہلا بھیجا ”یہ نہ سمجھ کہ اپنی ساری قوم کے قتل ہو جانے کے بعد تو بادشاہ کے محل میں ہونے کے باعث چٹن سے بیٹھ سکے گی۔ اگر تو نے اس موقع پر قوم کی سفارش کوٹال، یا تو بنی اسرائیل تو اُس عالم میں پہنچ کے آرام پالیں گے اور سرور و نجات کا مرتبہ پائیں گے مگر تو اور تیرا گھرانہ ہلاکت میں پڑ جائیگا اور تیرے دل پر ہمیشہ ایک کوفت رہے گی۔ خدا کی مصلحتوں کو کون جان سکتا ہے؟ ممکن ہے کہ اسی دن اور اسی گھڑی کے لیے اُس نے تجھے بادشاہ کے محل میں پہنچایا ہو“ یہ سُنکے استیر کے دل میں قومی ہمدردی کا جوش پیدا ہوا۔ اور کہلا بھیجا ”اچھا میں قوم کے لیے جان دینے کو تیار ہوں۔ آپ شہر شوشن کے سارے اسرائیلیوں کو جمع کر کے حکم دیجیے کہ میری طرف سے سب روزہ رکھیں۔ میں اُن کی سفارش کے لیے بے بلائے بادشاہ کے پاس جاؤں گی۔ اگر مار ڈالی گئی تو مضائقہ نہیں۔ قوم کی خدمت گزاری میں مروں گی۔ اور جیتی بچی تو شاید خدا میری سُن لے“ یہ جواب پاکے مرد خاں کے واپس گیا۔ اور کل یہودیوں کو روزہ اور دعا و استغفار کی ہدایت کر دی۔

جب استیر اور اُس کے ساری قوم نے تین دن تک روزہ رکھ لیے تو تیسرے دن استیر نے شاہی لباس اور زیور سے آراستہ ہو کے اور اپنے آپ کو خوب بنا چنا کے بادشاہ کے اندرونی محل میں قدم رکھا۔ اور اُس کمرے کے سامنے جا کھڑی ہوئی جس میں بادشاہ اپنے تخت سلطنت پر جلوہ افروز تھا۔ اور جہاں سے بادشاہ کا سامنا ہوتا تھا۔ لوگ اُس کے

قتل کے لیے جھٹٹے ہی کو تھے کہ بادشاہ کی نظر نہ گئی۔ اور جوش محبت سے بیتاب ہو کے فوراً اپنی سونے کی چھڑی اُس کی طرف اُٹھادی استیر نے دوڑ کے اُس چھڑی کی نوک کو ادب سے چوم لیا۔ اور مودب کھڑی ہو گئی۔ بادشاہ نے نہایت ہی محبت کے لہجے میں کہا ”ملکہ استیر۔ کیا چاہتی ہو؟ بتاؤ۔ مانگو گی تو آدمی سلطنت تک دینے کو تیار ہوں۔“ استیر نے عرض کیا کہ ”اور نہیں بس اتنا چاہتی ہوں کہ بادشاہ اور وزیر ہا مان آج میری دعوت قبول فرمائیں۔“ بادشاہ نے فوراً دعوت قبول کی۔ اور اسی وقت ہا مان کو بلوا کے ملکہ کی دعویت میں چلا آیا۔ یہاں جب شراب کے دو ایک جام پیے۔ اور سرور ہوا تو جام شراب کو منہ سے لگا کے کہا ”ملکہ استیر۔ تمہارا کیا سوال ہے؟ بتاؤ کہ پورا کروں۔“ آدمی سلطنت تک مانگو گی تو دے دوں گا۔“ استیر نے عرض کیا ”میری تمنا بس یہ ہے کہ کل پہر یونہی حضور اور وزیر ہا مان میری دعوت میں شریک ہوں۔“ بادشاہ نے یہ درخواست بھی قبول کی۔ اور استیر دوسرے دن کی دعوت کے لیے بڑے بڑے سامان کرنے لگی۔

ہا مان خوش خوش یہاں سے نکل کے چلا تھا کہ دیوڑھی پر مرد خاسے کی صورت نظر آئی جس نے نہ اُسے سلام کیا نہ اُس کے سامنے سجدہ کیا۔ یہ دیکھ کے اُس کے دل میں ایک کانٹا سا لگا جو گھر تک کھٹکتا گیا۔ گھر پہنچے ہی اُس نے اپنی جوڑو زرش اور اپنے یاران صحبت سے کہا ”خدا نے مجھے بہت کچھ دولت و عزت دی ہے۔ اولاد کی طرف سے بھی خوش نصیب ہوں۔ قدر و منزلت کی یہ حالت ہے کہ بادشاہ نے مجھے ملک کے تمام اُمرا سے زیادہ معزز بنا دیا۔ یہاں تک کہ دیکھو عالی مرتبہ ملکہ استیر کی دعوت میں بادشاہ کے ساتھ شریک ہونے کی عزت ساری سلطنت میں میرے سوا اور کسی کو نہیں نصیب ہوئی اور کل پہر ملکہ نے کمال الطاف و کرم سے مجھے اور بادشاہ کو اپنے یہاں مدعو کیا ہے۔ مگر یہ سب باتیں اور ساری عزتیں خاک میں مل جاتی ہیں جب

دیکھتا ہوں کہ شاہی محل کی ڈیوڑھی پر مرد خانے یہودی غرور و نخوت سے بیٹھا ہوا ہے جو نہ میرے سامنے سجدہ کرتا ہے اور نہ مجھے سلام کرتا ہے۔" میان کی زبان سے یہ باتیں سن کے زرش بولی "تو تم ایک کام کرو۔ آج ہی ایک پچاس ہاتھ کی لمبی دھتی بنوا رکھو اور کل جلتے ہی بادشاہ کی خدمت میں عرض کرنا کہ یہ یہودی ایسا گستاخ اور بے ادب ہے اور حضور سے منطوری لے کے اُسے کل ہی اُس دھتی پر سولی دلوانا۔ اور جب اُسے سولی دے چکنا تب خوش خوش جا کے ملکہ افاق کی دعوت میں شریک ہونا۔" ہامان نے یہ تجویز پسند کی اور اُس دھتی کو تیار کر کے لوگوں کو ہدایت کر دی کہ میرے جانے کے تھوڑی دیر بعد تم اُسے لے کے ایوان شاہی میں آجانا۔

ادھر آج ہی رات کو بادشاہ اخشوریش کے وہاں یہ واقعہ پیش آیا کہ بادشاہ کی نیند اُچاٹ ہو گئی اور جب لمبی بات میں دل نہ لگا تو اپنے کاتب کو بلا کے حکم دیا کہ میرا روزنامہ جو تو پڑھ کے سناؤ۔ روزنامہ سننے سننے جب اس واقعہ پر پہنچا کہ "دونہک حراموں غلاموں نے بادشاہ کے قتل کی سازش کی تھی مگر مرد خانے کی حُسن کارگزاری سے اُن کا فریب گھل گیا" تو چونک کے بولا اُس شخص مرد خانے کے ساتھ اس کارگزاری کے صلہ میں کیا سلوک کیا گیا؟ لوگوں نے عرض کیا کچھ نہیں۔ یہ بات رات بھر بادشاہ کے خیال میں رہی اور صبح کو بھی اسی فکر میں تھا کہ سامنے سے ہامان نمودار ہوا۔ اُس کی صورت دیکھتے ہی اخشوریش بولا "ہاں تم خوب آئے۔ بتاؤ کہ جس شخص سے بادشاہ خوش ہوا اور اُسکے ساتھ احسان کرنا چاہتا ہوا اُس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ ہامان نے دل میں کہا کہ میرے سوا بادشاہ اور کس سے خوش ہیں اور دیر ہامان کے سوا اور کون ہو سکتا ہے جس پر وہ احسان کرنا چاہتے ہوں لہذا جوش مسرت سے اذ خود رفتہ ہو کے بولا "خداوند اُسے اپنا مابوس خاص پھائیں اپنا تاج اُس کے سر پر رکھیں اپنے خاص گھوڑے پر اُسے سوار کرائیں۔ پھر اُس شان سے اُسے شہر میں نکالیں۔ اور کسی اپنے مخصوص امیر کو



حکم دیں کہ اُس کے ہمراہ رکاب رہے اور یہ منادی کرتا جائے کہ جسے حضور بادشاہ سرفراز کرنا چاہیں یوں سرفراز کرتے ہیں۔ ہامان کی زبان سے یہ الفاظ سُن کے بادشاہ خشویش نے کہا ”بہتر۔ میرا لباس تلج اور گھوڑے کے ڈیوڑھی پر جاؤ۔ وہاں مرد خائے نام لیک یہودی بیٹھا ہے اُس کو لباس اور تاج پٹھا کے اور اُس گھوڑے پر سوار کر کے شہر میں بھاؤ اور تم خود اُس کے ہمراہ رکاب رہو کہ منادی کرو کہ جس کو بادشاہ سرفراز کرتا ہے یوں کرتا ہے۔“ یہ حکم سُننے ہی ہامان کے دل میں ایک آگ سی لگ گئی۔ مگر کیا کر سکتا تھا؟ حکم حاکم مرگ مفاعیات! فوراً شاہی حکم کی تعمیل کی۔

اس کارروائی کے بعد مرد خائے تو پھر جا کے بادشاہ کی ڈیوڑھی پر پٹھر گیا۔ مگر ہامان خون کے آنسو بہاتا اور اپنے حسد کی آگ میں جلتا بھٹتا اپنی بی بی زرعشی کے پاس پہونچا اور ساری کیفیت بیان کی۔ اُس نے میاں کو دل شکستہ دیکھ کے کہا ”تو تم کڑھتے کیوں ہو؟ ایسا ہی ہے تو اب قتل یہود کے دن تم بنی اسرائیل کی خوں ریزی کی ابتدا شہر شوشن میں اسی مرد خائے سے کرنا۔ اور اسی دھنی پر اُسے مصلوب کرنا۔“ میاں بی بیوں میں یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ شاہی ہرکاروں نے آکے کہا ”آپ کی یاد ہوئی ہے۔ ملکہ افاق حسین و مہ جین ملکہ استیر کی دعوت ہیں چلیے۔“

اس پیام سے ہامان کی گونہ اشک شونی ہوئی۔ فوراً درباری کپڑے پہن کے گیا۔ اور بادشاہ و وزیر دونوں استیر کی مجلس اور باغ میں جا کے کھانے پینے میں مصروف ہوئے بادشاہ آج بہت ہی خوش اور شادان تھا۔ اور ملکہ استیر کے حُسن نے اُس کو از خود فریتم بنا رکھا تھا۔ جام شراب کو منہ سے لگاتے ہی بولا ”نازنین و مہ جین ملکہ! بتا تیرا کیا سول ہے؟ کہ چکا کہ مانگے گی تو ادھی سلطنت تک دے ڈالوں گا۔“ استیر نے ایک ناز آفرینی کی ہوش رُ باد اسے زمین ادب چوم کے کہا ”اگر مجھ پر حضور کی نظر عنایت ہے تو بس اتنی التجا اور بھی تمنا و آرزو ہے کہ میری جان بخشی ہو اور میرے ساتھ میری قوم کی بھی

جان بخشی کی جائے۔ کیونکہ ہم سب قتل و غارت کے لیے بیچ ڈالے گئے ہیں۔ اور دو تین روز میں ہم سب قتل ہو جائیں گے۔ کاش اتنا ہی ہوتا کہ ہم لوگ بیچ کے لونڈی غلام بنائے جلتے تو میں صبر کرتی۔ مگر یہاں تو ہماری بدنصیبی سے لوگ ہماری جاں کے درپے ہیں، بادشاہ نے نہایت متحیر ہو کے پوچھا کہ کس نے مول لیا؟ اور وہ کون ہے جس کا ایسا ارادہ ہے؟ اب استیر میں غصہ ضبط کرنے کی تاب نہ تھی ہوئی یہی کج بخت ظالم ہامان جو پاس بیٹھا ہوا ہے۔ اور ہم سب کے خون کا پیا سا ہے، ملکہ کی زبان سے یہ الفاظ سن کے ہامان تو مارے خوف کے کانپنے لگا۔ اور بادشاہ اشتویرش شراب پیتے پیتے جام و صراحی کو ہاتھ سے رکھ کے مارے غصہ کے اٹھا اور سامنے باغ میں باکے ٹھٹھنے لگا۔ مگر پھر سے غیظ و غضب کے آثار نمایاں تھے۔

بادشاہ کے بھٹے ہی ہامان ملکہ استیر کے قدموں پر گر پڑا۔ اور عفو تقصیر کے لیے گود گرا رہا تھا کہ بادشاہ طیش کیساتھ واپس آیا۔ اور ہامان کی طرف جو ملکہ استیر کے تخت کے آگے سر بسجود پڑا ہوا تھا مخاطب ہو کے بولا ”اور ہاں جی میری ملکہ بھی میرے پہلو سے اٹھا کے اور پابز بخیر کر کے کھینچی جائے گی یا نہیں؟“ ادھر بادشاہ کی زبان سے یہ آتش باز الفاظ نکلے اور اُدھر شاہی غلاموں نے مجرموں کی طرح ہامان کا سر کپڑے میں لپیٹ دیا۔ یہ کارروائی ہو ہی رہی تھی کہ وہ شخص جسے ہامان حکم دے آیا تھا وہ پچاس ہاتھ کی لمبی دھتی لیے ہوئے شاہی محل میں پہونچا۔ اور لوگوں نے بڑھ کے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ ”ہامان نے یہ دھتی اس لیے تیار کرائی تھی کہ اس پر مرد خانے کو سولی دلواسے گا،“ بادشاہ غصہ میں بھرا ہوا تو تھا ہی حکم دیا کہ ”اسی دھتی پر ابھی لیجا کے اس ظالم ہامان کو سولی دو،“ جس کی فوراً تعمیل ہو گئی۔ ہامان کے قتل ہو چکنے کے بعد اشتویرش کا غصہ تھا۔ اور وہ پھر اپنی اسرا تلیہ ملکہ کے گھر میں عیش و عشرت میں مشغول ہوا۔

بادشاہ نے ہامان کا گھر اور اُس کی ساری جائیداد ملکہ استیر کو دے دی۔ استیر نے اب موقع پا کے اپنے اور مرد خائے کے تعلقات قرابت بادشاہ پر ظاہر کر دے جن کو معلوم کر کے بادشاہ خوش ہوا۔ اور اُسی وقت اُس کے حسب الطلب مرد خائے حاضر دربار ہو کے زمین بوس ہوا۔ بادشاہ نے اپنی انگوٹھی جو ہامان سے چھین لی گئی تھی اپنی انگلی سے اُتار کے مرد خائے کو عطا کی گویا اس کے ساتھ ہی اُسے خلعت و زار عطا ہوا اور ان سب واقعات کے بعد مرد خائے نے جا کے ہامان کے مکان اور جائیداد پر قبضہ کیا۔

لیکن ابھی تک استیر کو اطمینان نہیں ہوا تھا۔ موقع پا کے وہ پھر ایک بار بادشاہ کے قدموں پر گری اور رو کے عرض کیا کہ حضور مجھے اور میری قوم کو ہامان کے شر سے بچائیں۔ کیونکہ قتل و غارت یہود کا حکم ابھی تک منسوخ نہیں ہوا ہے۔ بادشاہ نے اپنی طلائی جریب اُس کی طرف اُٹھا دی۔ جو کہ امان دینے کا اشارہ تھا۔ اور استیر نے ہاتھ جوڑ کے اور موقب کھڑے ہو کے کہنا شروع کیا کہ اگر میں حضور کی نظر میں بھلی اور حضور کی مورد عنایت ہوں تو فرمان جاری ہو کہ ہامان کے جاری کیے ہوئے احکام منسوخ ہوں ورنہ سارے اسرائیلی قتل ہو جائیں گے اور میں اپنی قوم کے قتل عام کو کیونکر دیکھ سکتا ہوں؟ اختویرش نے اس کے جواب میں اُس کی اور مرد خائے کی طرف متوجہ ہو کے کہا میں نے ہامان کا گھر بار تم کو دیا۔ اُس کو مصلوب کرایا۔ اور اپنی انگوٹھی بھی تم کو دے دی۔ لہذا تم کو اختیار ہے کہ جس مضمون کا فرمان چاہو میری طرف سے اور میرے نام سے جاری کرو۔ مرد خائے نے اجازت پاتے ہی تمام والیوں مرزبانوں۔ رئیسوں۔ اور فوجی افسروں کے نام فرمان جاری کر دیا۔ جس کی نقلیں تمام علاقوں اور ممالک محروسہ میں ساندنی سواروں۔ ہرکاروں اور رسالہ کے سواروں کے ذریعہ سے بڑی محلت کے ساتھ روانہ کی گئیں۔ اس فرمان کی رُو سے پہلا قتل یہود کا حکم منسوخ کیا گیا تھا۔

اور یہود کو حکم تھا کہ اسی تاریخ جو ان کے قتل کے لیے مقرر کی گئی تھی ہر ہر شہر میں جمع ہوں۔ اور اپنے تمام دشمنوں اور ان سب لوگوں کو جو ان کے خلاف ہوں مع زن و فرزند قتل و ہلاک کر دیں۔ اور یہ کاروائی ہر جگہ اور ہر گاؤں میں ایک ہی دن اور ایک ہی وقت ہو۔ یہی حکم خاص دار السلطنت شوشن میں بھی جاری ہو گیا۔ جس کے بازاروں میں مرد خائے آسمانی رنگ کا لباس شاہی اور اس پر ریشمی عباے ارغوانی پہنے سونے کا مرصع تاج سر پر رکھے کرو فرسے برآمد ہوا۔ اور اس کی صورت دیکھ دیکھ کے یہودی ہر جانب سے نعرہ ہائے مسرت بلند کرتے تھے۔

آخر وہ قتل کی تاریخ آئی۔ اور یہود نے بلاتال اپنے دشمنوں اور اپنے ستانے والوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ اس یورش میں شہر شوشن کے اندر ہامان کے دس بیٹے بھی قتل ہوئے۔ لیکن یہود نے سوا قتل کرنے کے لوٹنے اور تاخت و تاراج کرنے سے بالکل ہاتھ روکا۔ شام کے وقت بادشاہ خشویرش کو اس واقعہ کی رپورٹ ہوئی۔ اور اس نے استیر سے مل کے کہا "ناز آفرین ملکہ۔ خاص دار السلطنت میں پانسو آدمی اسرائیلیوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ اور اضلاع میں جو کچھ ہوا ہو گا وہ اس کے علاوہ ہے۔ اس لیے اے میری بیاری ملکہ بتا کہ اب تیرا کیا سوال ہے؟ جو کچھ کی گونگا اور جو مانگے گی دوں گا۔" استیر بولی "میں چاہتی ہوں کہ ایسے ہی قتل عام کی اجازت شہر شوشن میں یہودیوں کو کل بھر دی جائے۔ اور ہامان کے لڑکوں کی لاشیں مصلوب کی جائیں۔ بادشاہ نے کہا "منظور۔ اجازت ہے کہ اسرائیلی پھر اپنے دشمنوں کو قتل کریں۔ چنانچہ دوسرے دن بھی قتل عام شروع ہوا اور شوشن میں اس دن یہود نے ۳۰۰ آدمی قتل کیے۔ مگر دیگر مقامات اور اضلاع میں فقط پہلے ہی دن خونریزی تھی جس میں ۷۵ ہزار آدمیوں کو یہودیوں نے قتل کیا۔

الغرض اضلاع میں دوسرے دن اسرائیلیوں نے اپنے دشمنوں کو قتل کر کے خوشیاں کیں

اور عید منائی۔ اور شہر شوشن میں دو دن قتل کر نیکی بعد تیسرے دن۔ اور اسی کی یادگار مرد خائے کے اشارہ سے یہودیوں میں رواج پا گیا کہ ہر سال ان دو دنوں میں بڑی بھاری عید منائی جاتی۔ ساری قوم کے زن و مرد اور بوٹھے بچے اچھے اور بُرے کپڑے پہنتے۔ فیاضیاں کرتے۔ باہم دعوتیں کرتے۔ اور اپنی اس قومی کامرانی کی یاد ہمیشہ تازہ رکھتے۔۔

یہ بھی ایک یہود حسینہ کے حُسن کی ہولناک کرشمہ سازی جو ظاہر کرتی ہے کہ مدتوں کی اسیری و مظلومی نے یہود کی ہوسیں اور آرزوئیں اور اُن کی خوشیاں کس درجہ ذلیل کر دی تھیں اور جوش انتقام نے اُنہیں کیسا ناخدا ترس بنا دیا تھا۔

## قلو بطیر

### کلو بطیر

زلیخا کے بعد مصر میں قلو بطیر کے حُسن کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ جس کا پایہ تاریخی حقیقت سے بہت بڑھا ہوا ہے۔ وہ اُس سرزمین کے کسی معزز گھرانے کی بیٹی نہیں بلکہ خود ملکہ تھی۔ اور چونکہ وہ اپنے حُسن کی گندہ کسی پیمبر زادے پر نہیں ڈالتی تھی۔ اس لیے اپنے اغراض میں کامیاب بھی خوب ہوئی۔ اور شہوت پرستی و حُسن فروشی کے نشیب و فراز میں بڑے آخر خود اپنی ہی کرشمہ سازیموں اور ناز آفرینیوں پر قربان ہو گئی۔

سکندر کے ہاتھ سے جب مصر کا بڑا ناخاندان فرعون پامال ہوا۔ اور وطنی سلطنت کا خاتمہ ہو چکا تو اس کے بعد بطلیموس لاغوس کے فرماں روئے مصر ہونے سے وہاں بطلیموسوں کا ایک نیا یونانی خاندان شاہی شروع ہوا۔ جس کے تاجدار بڑے بڑے حامیان علم و فن گذرے ہیں۔ اور انھیں میں وہ بڑا نامی گرامی ریاضی دان بطلیموس یا بطلیموس گزرا ہے جسے اکثر لوگ بجائے بادشاہ کے ایک عالی مرتبہ حکیم و مہندس جانتے ہیں اور جو پُرانے نظام فلکی کا پہلا بانی تصور کیا جاتا ہے۔

اسی خاندان کے پچھلے تاجدار بطلیموس اولی طیس کی دو اولادیں تھیں۔ ایک لڑکا بطلیموس اور ایک اُس سے چھوٹی لڑکی قلو بطرہ۔ قلو بطرہ کے حسن و جمال اور اُس کی ذہانت و قابلیت کے باعث باپ کو اُس سے ایسی محبت تھی کہ مرتے وقت وصیت کر گیا کہ میرے بعد قلو بطرہ اور بطلیموس دونوں مل کے سلطنت کریں۔ مگر افسوس دولت و سلطنت وہ چیز ہے جو محبت و قربت کے تمام رشتوں کو قطع کر دیا کرتی ہے۔ نو عمر بطلیموس سریرہ شہر باری پر قدم رکھتے ہی بہن کے حق میں ایک نامہربان بھائی بن گیا اور اُسے اُس کے حقوق وراثت سے محروم کر کے گھر سے نکال دیا۔ مگر قلو بطرہ بھی کوئی دبنے والی شہزادی نہ تھی۔ مقابلہ کو اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور اپنے جھنڈے کے نیچے ایک بڑا لشکر جارج جمع کر لیا۔

یہ سلسلہ قبل محمد یعنی ولادت مسیح سے اڑتالیس سال پیشتر کا زمانہ تھا۔ دولت روم اپنے شباب پر تھی۔ اور وہ دور شروع ہو گیا تھا جب کہ جمہوریت کا زور توڑ کے یولیوس قیصر (جولیس سیزر) سلطنت روم کے سیاہ و سفید کا مالک ہو گیا تھا۔ یولیوس اپنے حریف فامضی (پامپی) کے تعاقب میں وارد مصر ہوا۔ اور ساحل اسکندریہ پر قدم رکھتے ہی فامضی کا سر اُس کے سامنے لاکے پیش کر دیا گیا۔ اب وہ واپس چلا جاتا مگر دولت روم کا چونکہ یہ اصول تھا کہ قرب و جوار بلکہ ممالک و مہمراز

میں بھی جہاں تک بنے سلطنتوں کے معاملات میں دخل دہی کر کے اپنی قوت بڑھائی جائے۔ لہذا یولیوس قیصر مصر کے خاندان شاہی کا جھگڑا چکانے کے لیے اسکندریہ میں ٹھہر گیا۔ اُس کی آمد کی خبر سنتے ہی قلوبطرہ بھی اسکندریہ پہنچی۔ اور کوشش کرنے لگی کہ کسی صورت سے قیصر کے دربار میں پہنچے۔ اُسے اپنے حسن و جمال پر ناز اور دعویٰ تھا۔ اور سمجھتی تھی کہ ممکن نہیں کوئی شخص میری دلچسپ صورت دیکھے اور میرا طرفدار نہ بن جائے۔ اس لیے وہ تو اس فکر میں تھی کہ کسی طرح قیصر سے چارٹکھین ہو جائیں۔ اور قیصر کی یہ حالت تھی کہ اُس کی صحبت میں بار بار پانا قریب قریب غیر ممکن تھا۔ اور غالباً یہ بھی قلوبطرہ کے بھائی بطلمیوس کی سازش کا نتیجہ تھا جو قلوبطرہ کی کسی صورت سے قیصر تک رسائی نہیں ہو سکتی تھی۔

آخر قلوبطرہ نے قیمتی کپڑوں کے ایک گٹھر میں اپنے آپ کو بندھوا دیا۔ اور وہ گٹھا تاجرانہ حیثیت سے قیصر کے سامنے پہنچا یا گیا۔ جب اُس کی نگاہ کے روبرو وہ گٹھر کھلا تو اُس میں قلوبطرہ نکلی۔ جس کی صورت دیکھتے ہی یولیوس دنگ رہ گیا۔ اب مصر کی حسین شاہزادی نے اپنی مظلومی اور اپنی حالت و کیفیت ایسے ناز و انداز سے بیان کی۔ اور اُس کے عالم آشوب حسن۔ اُس کی سُرخ ریلی آواز۔ اور اُس کے دل فریب لہجے نے یولیوس پر ایسا جادو کر دیا کہ وہ نظر ہی و دماغ طاقت تھی۔ اُس کا دم بھرنے لگا۔ اور جو جھگڑا پیش نظر تھا اُس میں بھی مشغور فیصلہ کر دیا کہ ”حق لیلیٰ بود“

اب قیصر بیان تمام دنیا و مافیہا کو بھول گیا۔ نہ روم کی سلطنت یاد تھی اور نہ چند وہ باقی ماندہ حریف جو ادھر ادھر مارے مارے پھرتے تھے۔ دو سال تک اسکندریہ ہی میں پڑا رہا۔ دن عید تھا اور رات شب برات۔ قلوبطرہ ہر وقت پہلو میں تھی اور اُس کے تمام ارادوں اور جوصلوں پر حکومت کر رہی تھی۔ غریب بطلمیوس کی قسمت کا

یہ فیصلہ ہوا کہ وہ بیچارہ دریائے نیل میں ڈبو کے مار ڈالا گیا۔ اور حشمت فرعونہ کی مالک اکیلی قلوبطرہ تھی جو شب و روز یولیوس قیصر سے ہم آغوش رہا کرتی۔

دو سال کی عیش پرستی کے بعد قیصر کو اپنے مقاصد سلطنت یاد آئے۔ ایشیا اور

افریقہ کے دیگر صوبجات کی راہ لی۔ اور قلوبطرہ امن و امان اور آزادی و خود مختاری

سے مصر میں حکومت کرنے لگی۔ یولیوس بڑے فتوحات حاصل کر کے نہایت ہی

دعوم و دھام سے رومۃ الکبریٰ میں داخل ہوا۔ اور اس کے بعد چند ہی روز

وہاں ٹھہرا تھا کہ طرفداران جمہوریت کے ایک سازشی گروہ نے اُسے سر

دربار قتل کر ڈالا۔ اور اُس کے بعد روم میں سخت جھگڑے اٹھ کھڑے ہوئے۔

تقریباً (سرو) چھ سو ریت کے طرفداروں کے ساتھ الگ خوشیاں منا رہا تھا۔

یولیوس کی بہن کا پوتا اقطاعیانوس جس نے یولیوس کے گھر اور اُسی کے

آغوش میں نشوونما پایا تھا۔ جو چند روز بعد اغسطس کا لقب اختیار کر کے دوسرا

شہنشاہ روم بنا۔ اور جس کے ہاتھوں وہاں کی جمہوریت ہمیشہ کے لیے پامال

ہو گئی۔ اس نے ایک حق دار وراثت کی حیثیت سے سلطنت کا دعویٰ کیا۔ اور

تیسری طرف یولیوس کے نامی گرامی افسرانطونی نے عوام الناس کے ایک

بڑے بھاری گروہ کو جمع کر کے یولیوس کے خون کا انتقام لینا چاہا۔ چند روز

میں اقطاعیانوس اور انطونی باہم مل گئے۔ اور اتفاق کی برکت سے اپنے

سب حریفوں اور یولیوس کے دشمنوں اور قاتلوں پر کامیاب ہوئے۔

اس کامیابی کے بعد اقطاعیانوس تورومۃ الکبریٰ میں چلا گیا۔ اور انطونی

نے ممالک مشرق کی راہ لی۔ کہ وہاں کی سلطنت کو سنبھالے۔ چونکہ ملکہ مصر پر یہ الزام

عائد کیا گیا تھا کہ اُس نے روم کے غالب گروہ کی کوئی مدد نہیں کی۔ لہذا ایشیائے کوچک

میں پہنچے تھے ہی انطونی نے نہایت درشتی کے الفاظ میں قلوبطرہ کو لکھا کہ فوراً شہر



طرطوس میں حاضر ہو کے جواب دہی کرے۔ جن سخت الفاظ میں یہ فرمان بھیجا گیا تھا اُس سے دولت مقرر کی بے شک تو ہیں ہوتی تھی۔ مگر قلوبطرہ عورت تھی۔ اور بت ہی رُکی تھی ہوشیار اور پُرفتن عورت۔ اُس نے دل میں کہا مگر اُس سے جو مرے تو زہر کیوں دو؟ جانتی تھی کہ میں کس خوبی اور کیسے دعوے کے ساتھ انطونی کو شیشہ میں اتار سکتی ہوں۔ ان الفاظ کا ذرا بھی بُرا نہ مانا۔ اور فوراً جواب دہی کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

اسکندریہ سے تو اپنے معمولی جہازوں پر بیٹھ کے گئے۔ مگر طرطوس میں داخل ہونے کی شان ایسی عجیب و غریب تھی کہ ہر طرف ہل چل پڑ گئی۔ اور جس کسی نے دیکھا مہوش و بدحواس رہ گیا کہ یہ کوئی شاہزادی ہے۔ یا آسمان کی پریاں اور دیویاں زمین پر اتر آئی ہیں۔ شہر طرطوس سمندر سے تھوڑے فاصلہ پر تھے۔ اور اُس کے نیچے سے دریائے قد موس بہا ہے۔ قد موس کے دہانے سے وہ اس طرح چلی کہ اُس کی کشتی نہایت ہی پُر تکلف خوبصورت خوشنما اور زربنگار تھی۔ کیونکہ اُس پر جا بجا سونے چاندی کا پانی بھرا ہوا تھا اور نظر فریب نقش و نگار اور گل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ پتوار اور کھینے کی بلیاں چاندی کی تھیں۔ اور ایک ارغوانی رنگ کا نہایت ہی خوش رنگ پال چڑھا ہوا تھا جو ہوا کے بھرنے سے عجب بہار دکھاتا تھا۔ کشتی کے اوپر ایک زربفت کا شامیانہ بڑی نفاست سے لکھنچا ہوا تھا۔ جس کی مقیش کی جھار شعاع آفتاب پر چشمک زنی کرتی تھی۔ اُس کے نیچے وہ خود سونے کا مرصع تاج سر پر رکھے۔ سر سے پاؤں تک مرصع زیور اور مغزق کپڑے پہنے اور جواہرات سے لدی ہوئی دیویونکی شان سے بیٹھی تھی۔

اُن دنوں چونکہ ساریے ملک کا مذہب یونانی اور رومی بت پرستی تھی۔ اور اہل روم و یونان کے عقیدے میں حُسن و جمال کی دیوی دینس (زہرہ) تھی۔

تم کیا کر سکتے ہو؟“ اور یہ کہہ کے اپنے کان کی ایک انتی سے ایک بڑا بھاری موتی جس کی قیمت لاکھوں کی تھی سر کے کے جام میں ڈال دیا۔ اور جب وہ گھل گیا تو اٹھا کر پی گئی دوسری انتی کے ویسے ہی اور اُسی قیمت کے موتی کے اُس نے دو ٹکڑے کیے اور اُنھیں وینس دیہی کے سنگار میں صرف کر دیا۔ اُس کی یہ بے جگری دیکھ کے انطونی عیش عیش کر گیا کہ میری محبت میں جو کچھ قلوبطرہ کر سکتی ہے میں نہیں کر سکتا۔

چندر وز بعد انطونی کو روم میں جانا پڑا۔ کیونکہ اس کی بی بی فلویا بیمار تھی۔ فلویا اُس کے پہونچنے کے بعد دینا سے رخصت ہوئی تو اُس نے قیصر کی بہن اُقطاویہ سے شادی کر لی۔

یہ شاہزادی حسین و صاحب جمال ہونے کے ساتھ بڑی باعصمت خاتون تھی اور سچ یہ ہے کہ انطونی اس قابل نہ تھا کہ ایک ایسی پاکدامن شاہزادی کی قسمت اُس کے ہاتھ میں دے کے پھوڑی جائے۔ انطونی کے دل و دماغ میں قلوبطرہ اس قدر بسی ہوئی تھی کہ اُسے اُقطاویہ سے کسی طرح اُنس نہ ہوا۔ اور شادی کی رسوم سے فارغ ہوتے ہی اُس نے ارض مشرق کی راہ لی تاکہ قلوبطرہ کے آغوش شوق کے مزے لوٹے۔

دوبارہ مصر میں آ کے انطونی پھر عیش و عشرت میں پڑ گیا۔ اور قلوبطرہ کی صحبت میں روز بروز اندھا ہوتا جاتا تھا۔ نہ اپنے فرائض سے تعلق تھا اور نہ اپنے انجام کی پروا تھی۔ قلوبطرہ کی محبت کے جوش میں نا عاقبت اندیشی کی دلیری اس حد تک بڑھی کہ شاہزادی اُقطاویہ کے پاس طلاق نامہ لکھ کے بھیج دیا۔ اور کہلا بھیجا کہ ”تم سے پہلے میری شادی ملکہ مصر کے ساتھ ہو چکی تھی“ اس واقعہ سے شاہزادی کے بھائی قیصر اُقطاویا نوس کی نہایت ہی دلشکنی ہوئی۔

اُقطاویا نوس کو پہلے ہی سے اس بات کا خیال تھا کہ کسی طرح انطونی کو گرا کے

دولت روم کے کل سیاہ و سفید کا مالک ہو جائے۔ اور اپنے چچا یولیوس قیصر کا سچا اور پورا جانشین بنے۔ یہاں ہی ڈھونڈ رہا تھا۔ بہن کی دل آزاری کی تاب نہ لایا۔ ساری رومیوں کو اس بات پر برہم کر دیا کہ ظالم دغا باز اور لوگوں کو بھانسنے اور بھانے والی ملکہ مشرق کے مقابلہ میں اقطاعیہ کی ایسی باعصمت اور پاکدامن شاہزادی کی توہیں کی گئی۔ رومیوں کے دلوں میں جوش و انتقام پیدا کر کے قیصر نے حملہ کیلے جہازوں کا ایک زبردست بیڑا تیار کیا۔ اُدھر سے اپنے جہازوں کا بیڑا لے کے انطونی اور قلوبطرہ آئے اور علاقہ اپائرس کی ایک راس کے پاس دونوں بیڑوں کا مقابلہ ہوا۔

زور شور سے لڑائی ہو رہی تھی۔ اور فتح و شکست کے آثار کسی طرف نمودار نہیں ہونے پائے تھے کہ ناگہاں قلوبطرہ لڑائی سے مرعوب اور دہشت زدہ ہو کے بھاگی اور اُسکے ساتھ ہی سارے مصری جہازوں نے بھی لڑائی سے فرار ہو کر مصر کی راہ لی۔ انطونی اگرچہ بڑی بہادری سے لڑ رہا تھا مگر اپنی معشوقہ کو واپس جانے دیکھ کے اُس نے بھی لڑائی کو ناتمام چھوڑا۔ اور اُس کے پیچھے چلا۔ دونوں بھاگ کے اسکندریہ پہنچے اور عیش و طرب کے جشنوں میں اس خیال کو بھی بھلا دیا کہ دشمن قیصر تعاقب کرتا ہوا چلا آتا ہے اور عنقریب یہاں پہنچا جاتا ہے۔

اقطاعیہ یولیوس قیصر بھی نہایت ہی چالاک تھا۔ اُس نے بھی دل میں ٹھان لی کہ قلوبطرہ کو اُسی کمند میں پھانسا جائے جس میں کہ وہ اوروں کو پھانسا کرتی ہے۔ اسکندریہ کی بندرگاہ کے قریب پہنچتے ہی اُس نے مراسلت کر کے قلوبطرہ پر اپنا اشتیاق اور عشق ظاہر کیا۔ قلوبطرہ نے دل میں کہا وہ یہ جاتا کہاں ہے؟ جس طرح میں نے انطونی کو اپنی زلف گرہ گیر میں پھانسا ہے اسے بھی پھانسوں گی۔ اور ایسا گرفتار کروں گی کہ تمہیں نہ دوں گی۔ یہ تو وہ سمجھ ہی گئی تھی کہ اب انطونی میں دم نہیں رہا ہے۔ اسلئے اپنے تمام فوجی افسروں اور جہازوں کے جنگی کپتانوں کو حکم دے دیا کہ کسی قسم کی

مزامت نہ کی جائے۔ قیصر آتا ہے تو اُسے بے تکلف آتے دو۔ مگر جب قیصر نے اسکندریہ پر قابض ہو کے اُس کی گرفتاری کا حکم دیا تو ہاتھوں کے تو تے اڑ گئے۔ آخر جب اُس کا کچھ زور نہ چل سکا تو اپنی دو وفادار سییلیوں کو ساتھ لیا۔ اور ایک بُرج میں جسے سلاطین مصر کے عام طریقہ کے موافق تعمیر کرا کے اپنا مدفن قرار دیا تھا جا کے چھپ رہی۔ اور شہر میں مشہور ہو گیا کہ قلوبطرہ مر گئی۔ اس کے مرنے کی خبر سننے ہی انطونی ایسا بیقرار ہوا کہ فراق معشوقہ کی تاب نہ لا سکنے کے باعث خود کشی پر آمادہ ہو گیا۔ اور اپنی ہی تلوار سے اپنے آپ کو ایسا زخمی کر لیا کہ زندگی کی کوئی اُمید نہیں باقی رہی۔ وہ بستر مرگ پر ترپ رہا تھا کہ خبر آئی "قلوبطرہ مری نہیں زندہ ہے اور آپ کو اپنے بُرج میں بلاتی ہے" اُس میں چلنے کی طاقت نہ تھی۔ لوگ پلنگ کو کندھوں پر اٹھا کے اُس بُرج کے پاس لے گئے۔ قلوبطرہ کو دشمنوں کے خوف سے بُرج کا دروازہ کھولنے کی توجہات نہ ہوئی مگر پلنگ کو رسیوں میں باندھ کے ایک کھڑکی طرف سے اوپر کھینچ لیا۔ اوپر پہنچتے ہی انطونی قلوبطرہ کے سینے سے لپٹ گیا اور اُسی طرح پلٹے ہی پلٹے دم توڑ دیا۔

مگر اب بھی قلوبطرہ اپنی کوششوں سے باز نہیں آئی۔ اور قیصر کے بھانسنے اور اُسکے مسخر کرنے میں اس نے کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ لیکن اُقتاویانوس بھی اس بلا کا مضبوط آدمی تھا کہ اُس سے کسی طرح پیش نہ گئی۔ وہ برابر اسی کوشش میں لگا رہا کہ قلوبطرہ کو زندہ گرفتار کرے اور اُس سے اپنی بہن کا انتقام لے۔ نہ اُس نے قلوبطرہ کی کسی شرط کو منظور کیا اور نہ اُسے کسی عمد و پیمان پر امان دی۔ آخر قلوبطرہ کو مایوسی ہوئی۔ اور ساتھ ہی اُس کی آنکھوں کے سامنے اُس وقت کی تصویر پھر گئی جب وہ گرفتار کر کے رومنہ الکبریٰ میں لے جانی جائے گی۔ اور وہاں قیصر کے جلوس میں اس شان سے نکالی جائے گی کہ ہاتھ پاؤں میں سونے کی زنجیریں ہونگی۔ اور اپنی سواری کی مٹلا و مرصع رتھ کے آگے آگے

پا پیادہ جاری تھی ہوگی۔ اس بے عزتی و ذلت پر اُس نے موت کو ترجیح دی۔  
 دوسری طرف اقطاعیادیا نوس کو بے حد شوق تھا کہ اس حسین اور شرہ آفاق ملکہ کو  
 اہل روم کے سامنے اپنے قیدی کی حیثیت سے پیش کرے۔ لہذا اُس نے اس بات کا پورا  
 بندوبست کیا کہ قلوبطرہ خود کشی نہ کرنے پائے۔ جس بُرج میں قلوبطرہ تھی اُس کا چاروں  
 طرف سے محاصرہ کر لیا۔ اور قطعی ممانعت کر دی کہ کوئی شخص کسی قسم کا ہتھیار نہ کوئی دوا۔  
 یا کوئی چیز اندر نہ لے جانے پائے تاہم محاصرہ کرنے والوں نے ایک دن انجیروں کا  
 ٹوکرا اندر پہونچا دیا۔ جس میں اُن کے نزدیک کسی بات کا اندیشہ نہ تھا۔

اس ٹوکرا کے اندر پہونچنے کے تھوڑی ہی دیر بعد قیصر کو قلوبطرہ کا ایک خط ملا  
 جس میں لکھا تھا کہ ”میرے بچوں کو امان دی جائے۔ اور اس کی اجازت دی جائے  
 کہ میں اور انطونی دونوں اسی مقبرہ میں دفن ہوں جس میں ہم دونوں ہیں“ قیصر یہ تحریر  
 پاتے ہی لپک کے اُس بُرج کے پاس پہونچا تو دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر جا کے قلوبطرہ  
 کے کمرے کو دیکھا تو ہر طرف خاموشی تھی۔ ملکہ اپنے شاہی لباس اور زیور سے آراستہ اپنی  
 شاہی مسہری پر آرام کر رہی تھی۔ دونوں سیلیوں میں سے ایک اُس کے پاؤں کے  
 پاس پڑی ہوئی تھی اور دوسری سرھانے کھڑی اپنے دونوں ہاتھوں سے اُس کے  
 سر پر تاج کو سنبھالے ہوئے تھی کہ گرنے نہ پائے۔

قیصر کو یہاں کے سنائے میں موت کا ستانا نظر آیا۔ پوچھائیہ کا زبانی پوری طرح  
 ہو گئی؟ ”خادمہ بولی جی ہاں ہو گئی۔ اور یہی بات ایسی عالی مرتبہ ملکہ کے شایان تھی“  
 اتنا جواب دیتے ہی وہ بھی اپنی جگہ پر گر کے مر گئی۔

اب اس کی جستجو شروع ہوئی کہ قلوبطرہ نے کیونکر جان دی۔ غور کرنے سے ایک  
 چھوٹا نہایت ہی زہر ملا سانپ جس کے کاٹتے ہی انسان مر جائے قلوبطرہ کے بازو میں  
 پٹھا ہوا ملا۔ جس سے اپنے آپ کو کٹوا کے ہلکا اور اسکی دونوں خادماؤں نے جان دی تھی۔

قیصر کو افسوس ہوا کہ قلوبطرہ میرے ہاتھ سے اپنی جان کو بچائے گئی۔ مگر کبر و نخوت کے جوش میں اُسے اب بھی ترس نہ آیا۔ کیونکہ جب رومۃ الکبریٰ میں گیا، تو اس کے داخلہ کے با شان و شوکت جلوس میں ملکہ قلوبطرہ کی ایک مورت اُس کی اُسی شاہی مہری پر سوتی ہوئی نکالی گئی جس کے پیچھے پیچھے قلوبطرہ کی دونوں اولادیں (یعنی اُس کا بیٹا اسکندر اور اُس کی بیٹی قلوبطرہ) تھیں۔ یہ دونوں بچے تھے جن کو قلوبطرہ نے اپنے غرور و عیش پرستی کے مذاق سے ”اپالو“ (دیوتا) اور ”ڈیانا“ (دیوی) کے خطاب دیے تھے۔

اب ملک مصر دولت روم کا ایک صوبہ تھا۔ اور ان دونوں بچوں کا کوئی والی وارث نہ تھا۔ قیصر کو تو اپنے جلوس میں اُن کی تشہیر کرانیکے بعد اپنے تختی کی داد مل گئی۔ مگر اُس کی بہن ”اُفطاویا“ کو جو واقعی بڑی شریف شاہزادی تھی یہ خیال کر کے اُن بچوں پر ترس آگیا کہ میرے مرحوم شوہر انطونی کی یادگار ہیں۔ اُنھیں بے کے اپنی ہی اولاد کی طرح پالا۔ تربیت کی۔ اور جب چھوٹی قلوبطرہ بڑی ہوئی تو اُسکی شادی مراکو کے ایک فرماں روا سے کر دی۔

مصر میں قلوبطرہ کی لاش وہاں کے دستور کے مطابق ممی بنائے اور ایک سنہرے تابوت میں بند کر کے اُسی مقبرہ میں رکھی گئی جو اُس نے اپنے لیے بنوایا تھا اور اب دو ہزار برس بعد قبر سے نکل کے لندن کے برٹش میوزیم میں پہنچی جہاں آج ہر شخص جا کے اُس کے پُر تکلف تابوت اور اُس کے ابدی خوابانہ کی کیفیت دیکھ سکتا ہے۔

# ملک زبارة

(عرب میں)

سکندر اعظم نے جب دارائے ایران کو تاج و تخت سے محروم کر کے قدیم سلطنت کو ٹوٹا دیا تو اُس نے اس کیانی دارالسلطنت ہی کو تباہ و بامال نہیں کیا بلکہ مشرق کے پہلے ہاتے ہوئے پہن یعنی ساری سرزمین ایران کو اجاڑ کے ویران کر دیا تھا۔ ایک پرانی منظم سلطنت اور امن و امان کی دنیا کو اُس نے اپنے پرجوش و بہقانی صفت سپاہیوں سے برباد و توہری آسانی سے کرادیا۔ مگر یہ وسیع اور عظیم الشان سلطنت اُس کے سنبھالنے نہ سنبھل سکی۔ کیونکہ بگاڑنا آسان تھا۔ اور بنانا مشکل۔ اس غیر منظم مملکت کو نہایت ہی بد نظمی کی حالت میں چھوٹے وہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اور اُس کے بعد یہاں ایک نیا دور شروع ہوا جو عموماً طوائف الملوکی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یعنی سارے ملک میں کوئی ایک سلطنت نہیں قائم تھی۔ بلکہ ہر صوبہ کے جدا جدا بادشاہ تھے جو ملوک طوائف کھلاتے۔ یہ ہمیشہ باہم لڑتے جھگڑتے رہتے۔ اور اُس سارے ملک میں جو پہلے دولت و بھم کے قبضہ میں تھا ان خود سرفرمان رواؤں کی بدولت جب دیکھے قتل و خون کا بازار گرم رہتا۔

انہیں ملوک طوائف میں عرب کے علاقہ قدیم میں سے ایک زبردست بادشاہ تھا عمرو بن ظرب بن حسان بن اذینہ علیقی۔ اس کی قلمرو خود و شام سے لے کے دریائے فرات کے کنارے تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور شہر تدمر اُس کا بارونی شہر تھا۔ اور وارث سلطنت اُس کی اکلوتی حسین و نازنین بیٹی نائلہ تھی جو تاسیخ میں زبارة کے لقب سے شہرت رکھتی تھی۔ انہیں و نون ارض حیرہ یعنی عراق و عرب کے سرحدی صوبہ کی حکومت ایک دوسرے

بادشاہ کے ہاتھ میں تھی جو جذیمہ ابرش کے لقب سے شہرت رکھتا تھا۔ جذیمہ کا شمار بھی ملوک ملوک میں تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے دوسرے معاصر فرمان رواؤں سے زیادہ

~~ملوک ملوک میں تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے دوسرے معاصر فرمان رواؤں سے زیادہ~~

ذلیل بہادر اور بڑا نرم دانا تھا۔ اور اکثر حریفوں اور دشمنوں کے مقابلہ میں فقیاب ہوتا رہا تھا۔ چنانچہ جب اُسے عمرو بن ظرب کی غفلت کا حال معلوم ہوا تو اُس کے ملک پر چڑھائی کر دی۔ عمرو بھی ایک لشکر جوارے کے مقابلہ کو آیا۔ مگر میدان جنگ میں قسمت نے جذیمہ ابرش کی یاری کی اور عمرو بن ظرب کو شکست ہی نہیں ہوئی۔ بلکہ حریف کے

ہاتھ سے عرصہ نبردیں مارا گیا۔ لاٹلی اور یتیم بیڑا کو باپ کے مارے جانے کا بڑا صدمہ ہوا۔ اور چونکہ کئی دوسرا وارث سریر سلطنت نہ تھا۔ لہذا وہی تخت نشین ہوئی۔ بیٹھنے کو تو وہ تخت پر بیٹھ گئی مگر دل میں عہد کر لیا کہ جب تک باپ کا بدلہ نہ لے لوں گی چھین نہ لوں گی۔

جذیمہ ابرش نے اس واقعہ سے بہت پہلے ایک لمبی نژاد حسین و خوب روٹکے کے حسن و جمال اور اُس کی تمیز داری و سلیقہ شعاری کی تعریف سنی تھی جو قبیلہ بنی ایاد میں تھا۔

اور عدی بن نصر بن ربیعہ اُس کا نام تھا۔ محض اُس لڑکے کے حاصل کرنے کے لیے

جذیمہ نے بنی ایاد پر یورش کی تھی۔ اور برکت حاصل کرنے کے لیے اپنے دو بتوں کو

جو تھنیر تان کہلاتے تھے ساتھ لیتا گیا تھا۔ بنی ایاد میں مقابلہ کی تو طاقت نہ تھی مگر

انھوں نے ایک رات کسی عیار شخص کو بیچ کے جذیمہ کے کیمپ میں سے وہ دونوں بت

چروا لیے۔ اور صبح کو کہلا بھیجا کہ ”تمہارے دونوں بت ہمارے پاس چلے آئے۔ معلوم

ہوتا ہے کہ تمہارے دیوتاؤں نے ناراض ہو کے تمھیں چھوڑ دیا اور ہمارے پاس رہنا

پسند کرتے ہیں۔ اگر بے لڑے بھڑے واپس چلے جانے کا وعدہ کرو تو ان دونوں کو

ہم تمہارے پاس پہنچا دیں۔“

جذیمہ کو اُس لڑکے عدی کا اس قدر شوق تھا کہ جواب دیا وہ ان دیوتاؤں کے



ساتھ اگر تم عدی بن نصر لہجی کے بھیجنے کا بھی وعدہ کرو تو بے شک میں واپس چلا جاؤں گا۔  
بنی ایا دے یہ شرط منظور کی۔ عدی کے ساتھ اُن دونوں نورتوں کو جزمیہ کے پاس  
بھیج دیا۔ جزمیہ نے اپنی ساتی گری کی خدمت عدی کے سپرد کی اور اُس کے ہاتھ سے  
شراب گلفام کے جام پیتا ہوا اپنے دار السلطنت میں واپس آیا۔

جزمیہ کی ایک کنواری جوان اور حسین بہن تھی رقاش۔ اُس نے جو عدی کی صورت  
دیکھی تو ایک جان چھوڑ سو جان سے اُس پر عاشق ہو گئی۔ اور اندر ہی اندر کہلا بھیجا  
”تم میرے لیے جزمیہ کو اپنی طرف سے پیام کیوں نہیں دیتے؟“ عدی نے کہلا بھیجا  
”بھلا مجھ سے ایسی جرات ہو سکتی ہے؟“ رقاش نے کہا ”آج رات کو تم جزمیہ کو  
تو خالص شراب آتش لباس کے جام بلاؤ اور دوسرے ندیمان صحبت کو پانی ملا ملا کے  
بلاؤ۔ تاکہ اپنے ہوش میں رہیں۔ جب دیکھنا کہ جزمیہ کو خوب نشہ ہو گیا ہو۔ اور شراب کی  
پیاس زوروں پر ہے اُس وقت میرے لیے پیام دینا“ عدی نے ایسا ہی کیا۔ جزمیہ  
نشہ میں اس قدر مدہوش ہو رہا تھا کہ ساتی ہوش رُبا کی درخواست سنتے ہی منظور  
کر لی۔ اور اُسی وقت سب کے سامنے عقد نکاح کی تکمیل کر کے رقاش کا ہاتھ عدی کے ہاتھ میں  
دے دیا۔

صبح کو جب اُسے ہوش آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ عدی غیر معمولی طور پر بنا چنا ہوا ہے  
اور پنڈے سے خوشبو کی لپٹیں آرہی ہیں۔ پوچھا ”یہ کیوں؟“ عدی نے ڈرتے ڈرتے  
عرض کیا ”میری شادی ہوئی ہے نہ؟“ متحیر ہو کے کہا ”تمہاری شادی! کس سے؟ کہا  
”حضور کی ہمیشہ رقاش سے“ منغض ہو کے پوچھا ”کس نے شادی کی؟“ عرض کیا خود  
حضور نے ”جزمیہ نے متعجب ہو کے پوچھا ”میں نے؟“ عرض کیا ”جی ہاں خاص حضور نے  
چاہیں حضور اہل دربار اور ندیمان صحبت سے دریافت فرمائیں“ جزمیہ نے شب کے  
حریفان صحبت شراب سے پوچھا تو سب نے شہادت دی۔ آخر قائل ہو کے جزمیہ نے

ندامت سے سر جھکا لیا۔ مگر اُسے برہم دیکھ کے عدی اُسی وقت بھاگ کھڑا ہوا۔ اور قبیلہ بنی ایاد میں جا کے چند ہی روز رہا تھا کہ ایک دن شکار میں کسی کے تیر کا نشانہ بن گیا۔ مگر قاش اُس کے آنے کے بعد حاملہ تھی۔ صاحب تلج و سریر بھائی نے اُسے اس حال میں دیکھ کے کہا ”تو نے کس سے زنا کیا ہے؟“ وہ بولی ”زنا نہیں بلکہ خود اپنے ایک معزز شریف جو بن عربی کے ساتھ میرا عقد کیا تھا“ چند روز بعد قاش کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا تو اُس نے اس کا نام عمرو بن عدی بن نصر رکھا۔ ماں عمرو کو ابتداءً تو چھپائے رہی مگر جب ذرا بڑا ہوا تو اُسے اچھے کپڑے پھانکے خوشبو لگا کے اور بنا چٹنا کے بھائی کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس کی صورت اور باتیں جزمیہ کو ایسی بھلی لگیں کہ اُسے اپنے لڑکوں کے شر رکھ لیا۔ اور انھیں کے ہمراہ اُس کو تعلیم دینے لگا۔ عمرو بن عدی ماموں کا ایسا ادب کرتا تھا اور بات بات میں اُس کی نفع رسانی کا ایسا خیال رکھتا تھا کہ جزمیہ کو اُس سے بڑی محبت ہو گئی اور اُسے اپنے بیٹوں پر ترجیح دینے لگا۔ چنانچہ جن دنوں جزمیہ نے عمرو بن ظرب کو شکست دیکے قتل کیا ہے اُس کا سب سے بڑا معتمد علیہ ہی عمرو بن عدی تھا۔ جو اُس کا بھانجا اور نہایت حسین و خوب رو اور ایک جوان رعنا تھا۔

زبائرنے تخت پر بیٹھنے کے بعد چند ہی روز میں اپنی سلطنت کا انتظام کر لیا۔ ہر جگہ امن و امان قائم کیا۔ قلعہ کو زیادہ محکم و استوار کیا فوج خوب آراستہ کی۔ اور اب تیاریاں کر رہی تھی کہ فوج کشی کو کے جزمیہ ابرش سے اپنے باپ کے خوں کا بدلہ لے کہ اُسے ان تیاریوں میں مصروف دیکھ کے اس کی ایک بہن جو اُس کے باپ کی ربیبہ تھی بولی۔ ”آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟ کیا جزمیہ سے لڑے گا؟ کون جانتا ہے کہ لڑائی کا کیا انجام ہو گا۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ ہی کو شکست ہو جائے؟“ زبائرنے کہا ”تو کیا تم جاہتی ہو کہ میرا باپ کا خون ہے انتقام لیے یونہیں پڑا رہ جائے؟ یہ نہ ہو گا“ وہ عورت بولی ”تو میں کب کہتی ہوں کہ آپ انتقام نہ لیں؟ منور لیں۔ مگر ایسی طرح کہ اپنے لیے کوئی اندیشہ نہ ہو۔“ کہا ”وہ صورت یہ ہے

کہ بجائے چڑھائی کر کے جانے کے خود اسے اپنی کند میں پھانس کے یہاں کھینچ بلائیے۔ اور  
نیزے اور تلوار اور تیرو، حجرے عوض اُسے اپنے حُسنِ عالم آشوب کے اسلحہ سے مار پئے۔“

یہ باتیں اُس کیادحورت نے زبّار کو اس طرح سمجھائیں کہ اُس کے دل میں بیٹھ گئیں۔  
اور آمادہ ہو گئی کہ اُسی طریقہ سے جذیمہ کو زک دے۔ چنانچہ دوسرے ہی دن جذیمہ کو ایک  
خط لکھ بھیجا کہ ”بیا بیا کہ دیگر طاقت جدائی نیست“ اس خط میں یہی اشتیاق ظاہر کرنے  
لکھا تھا کہ ”عورت کی سلطنت کو میں جہاں تک دیکھتی ہوں مضبوط نہیں ہوتی۔ وہ کبلی  
بغیر مرد کی مدد کے کچھ نہیں کر سکتی۔ علاوہ بریں میں نے دُنیا پر نظر ڈالی تو حکمرانی خوش حالی  
ذہانت و طباعی۔ شوکت و حُشمت اور تمام باتوں میں میرا مماثل و مقابل آپ کے سوا  
کوئی نہیں ہے۔ لہذا آئیے کہ ہم آپ ایک ہو جائیں۔ میں آپ کے ملک کی ملکہ بنوں  
اور آپ میرے ملک کے بادشاہ۔“

یہ خط دیکھتے ہی جذیمہ کے دل میں عشق کی آگ بھڑک اُٹھی۔ دل میں کہا وہ بھلا  
ایسی پری جمال و صاحب اقبال و طعن دُنیا میں کسے نصیب ہو سکتی ہے؟ پھر اُس خط کو  
اہل دربار اور مشیروں کے سامنے پیش کر کے مشورہ طلب کیا۔ سب لوگ بادشاہ کی رائے  
کے موافق تھے۔ مگر قصّیر نام ایک شخص نے جو دولت کے جاں نثاروں اور اُس کے  
عہد کے بڑے زبردست عقلا میں تھا سب سے اختلاف کر کے کہا ”اُس خط سے بُرے مکر  
آتی ہے۔ آپ زبّار کے باپ کے قاتل ہیں۔ اس کے فریب میں ہرگز نہ آئیے۔ بلکہ لکھ بھیجیے  
کہ سچی ہو تو یہاں میرے پاس چلی آؤ“ بادشاہ کو قصّیر کی رائے پسند نہ آئی۔ مزید اطمینان کے  
لیے عمرو بن عدی کو بلا کے اُس سے رائے لی۔ اور جب اُس نے بھی قصّیر کے خلاف دیگر مشیروں کی  
رائے سے اتفاق کر لیا تو جذیمہ نے بلا تامل سفر کی تیاریاں کر دیں۔

جاتے وقت اُس نے عمرو بن عدی کو اپنا قائم مقام بنانے کے دار السلطنت میں چھوڑا۔  
اور اُس کی مدد کے لیے عمرو بن عبد الجن نام ایک بہادر شخص کو بھی سپہ سالار فوج بنانے

وہاں رکھا اور خود قصیر اور چند اور لوگوں کو اپنے ہمراہ رکاب بے چل کھڑا ہوا۔  
 فرضہ نام ایک مقام تک پہنچا تھا کہ زبار کے پیچھے ہوئے لوگ اُس کے استقبال کو  
 آ پہنچے۔ ان لوگوں کی حالت دیکھ کے قصیر کی بدگمانی اور بُرھی مگر کیا کرتا۔ بادشاہ زبار کا  
 جادو پورا چل چکا تھا۔ اُس نے کسی بات کا بھی خیال نہ کیا اور زبار کے قلعہ میں اُغل ہو گیا۔  
 قصیر نہایت ہی ہوشیار اور سیانا شخص تھا۔ وہ آخر تک جذیمہ کے ساتھ رہا۔ مگر  
 الگ ہی الگ۔ ہر حالت کو دیکھتا تھا اور دل ہی دل میں جذیمہ کی بے وقوفی پر افسوس  
 کرتا تھا۔ آخر اُس نے دیکھا کہ جب بادشاہ قلعہ کے اندر داخل ہوا تو اس کی حالت  
 بالکل اسیروں کی سی تھی۔ زبار کے سرداروں میں گھرا ہوا تھا اور کوئی بھی اُس سے  
 نہ تھا جو اُس کی کچھ مدد کر سکے۔ زبار قلعہ کے اندر اُس سے ملی۔ صورت دیکھتے ہی جذیمہ  
 زبار کے چشم و ابرو سے سمجھ گیا کہ مجھے فریب دیا گیا۔ اور میں اُس کے دام میں پھنس  
 گیا۔ مگر اب کیا زور چل سکتا؟ اتنے میں زبار نے تختہ کے لیے میں پوچھا وہ دُھن کے  
 آداب و اطوار دیکھئے گا؟ پھر آپ ہی بولی ”سنی ہوں بادشاہوں کا خون اُن  
 لوگوں کے لئے حکمی دوا ہے جنہیں گتے نے کاٹ کھایا ہو۔ ملاؤ بھی نطع روہ چمڑہ جس پر  
 بٹھا کے لوگوں کو قتل کرتے ہیں“ فوراً نطع بچھا دیا گیا۔ زبار بولی ”اور ہاں سوئے  
 کا طشت بھی تولا کے رکھ دو“ طشت بھی رکھا گیا۔ پھر اپنے ہاتھ سے جام بھر کر جذیمہ  
 کو خوب شراب پلائی یہاں تک کہ وہ نشہ سے مدہوش ہو گیا۔ ان دنوں معمول تھا کہ  
 زبانی کے سہا جس میں کوئی امر اختیار ہی نہیں ہوتا اور کسی حالت میں کسی بادشاہ کی  
 جان لینا ہوتی تو اُس کی حرمت کے خیال سے گردن نہ مارتے۔ بلکہ کسی اور طریقہ  
 سے جان لیتے۔ اس پر طرہ یہ کہ کسی کا ہن نے زبار سے کہہ دیا تھا کہ جذیمہ کے خون کا  
 ایک قطرہ بھی طشت کے باہر گرے گا تو وہ اُس کا انتقام ضرور لے گا۔  
 بہر تقدیر زبار نے نہایت ہی سنگدلی بے دردی سے جذیمہ کے دونوں ہاتھوں کی

فصدیں کھلوادیں۔ جذبیہ استقلال و ثبات سے سیدھا بیٹھا رہا۔ اور خون برابر بہکے طشت میں گرتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ضعف اور کمزوری سے اُس کے ہاتھ نیچے لنگ گئے۔ جس کے باعث کچھ خون طشت کے باہر گرا تو زبار فوراً گجر کے بولی ”دیکھو یہ بادشاہوں کا خون ہے صنایع نہ ہونے پائے“ اب اس وقت نیم جان جذبیہ کی زبان سے یہ کلمہ ”یا س نکلا کہ“ اس خون کی فکر نہ کر و جیسے خود اس کے لوگوں نے صنایع کر دیا ہے“ اس کے بعد جذبیہ نے اُسی نطع پر گر کے دم توڑ دیا۔ اور زبار کو اطمینان ہوا کہ میں نے اپنے باپ کا بدلہ لے لیا۔

قصیر اس حال سے واقف ہو کے بھاگتا ہوا حیرہ میں آیا۔ اور عمرو بن عدی کو اس واقعہ کی خبر کی۔ یہاں عمرو بن عدی اور عمرو بن عبد الجمن میں عداوت ہو گئی تھی قصیر نے بیچ میں پڑ کے دونوں کو صاف کیا۔ ملوایا۔ اور کہا ”اب سب مل کے اپنے بادشاہ کے خون کا انتقام لینے کی کوشش کرو“ عمرو بن عدی نے کہا ”زبار پر کسی کا کیا زور چل سکتا ہے؟ اُس کے سرِ بفلک قلعہ کی یہ حالت ہے کہ اُس پر پرندہ تک پر نہیں مار سکتا ہے۔ بھلا میں کیا کروں گا؟“ قصیر نے کہا ”اس کی تدبیر یہ ہے کہ آپ میری ناک کاٹ لیجئے گا۔ میری پیٹھ پر کوڑے لگوائیے اور اپنے یہاں سے نکال دیجئے“ عمرو بن عدی نے کہا یہ تو مجھ سے نہ ہوگا“ قصیر بولا ”آپ کو اس میں کیا دخل؟ میں جو کتا ہوں وہ کیجیے تو سہی“ عمرو نے کہا ”ان باتوں کا شوق ہے تو خود اپنے ہاتھ سے اپنی ناک کاٹ لو۔ اور جوجی میں آئے کرو“

قصیر کے دل میں اپنے بادشاہ مظلوم کے بیکسی سے مارے جانے کا اس قدر صدمہ تھا کہ خود ہی اپنی ناک کاٹی پیٹھ زخمی کی۔ اور بھاگتا ہوا ملکہ زبار کے شہر میں پہنچا۔ چونکہ یہ دربار حیرہ کا نامی شخص اور زمانہ کے مشہور عقلا میں تھا لہذا اُس کی خبر زبار کو پہنچی۔ اُس نے اُسے اپنے پاس بلایا۔ اور کیفیت پوچھی۔ اُس نے کہا ”جب بادشاہ جذبیہ یہاں آئی ہیں

میں اُن کے ہمراہ رکاب تھا۔ واپس گیا تو عمرو بن عدی نے مجھ کو یہ ہمت لگائی کہ میں ہی نے انھیں قریب دسے کے آپ کے پاس پہنچا دیا۔ اور اُس کی سرزمین میری یہ گت بنائی گئی ہے۔“ زبار نے اُس کی بڑی قدر و منزلت کی۔ اور کہا تم اس کا غم نہ کرو۔ تمھاری قدی دانی کے لیے میں موجود ہوں۔ یہ کہہ کے اُس نے اُسے اپنا ندیم خاص بنالیا۔ اب قصیر ملکہ زبار کے ہمراہ رہتا تھا۔ اور تمام حالات و رموز سے واقف ہوتا جاتا تھا۔

ایک دن زبار نے کاہنوں سے اپنے انجام اور اپنی آئینہ حالت کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے کہا تمہیں ایسا معنوم ہوتا ہے کہ عمرو بن عدی کی وجہ سے آپ کی جان جائے گی۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی نظر آتا ہے کہ آپ اپنی جان خود اپنے ہاتھ سے لیں گی، بخومی کے اس جواب کے سننے کے بعد اُس کے دل میں عمرو بن عدی کی جانب سے ایک ہول سی سما گئی تھی۔ چنانچہ اسی اندیشہ سے اُس نے شہر سے قلعہ کے اندر تک ایک سُرنگ کھدوائی۔ اور اُس کا دروازہ بالکل پوشیدہ رکھا تاکہ اگر کوئی ناگہانی افتاد پڑ جائے اور وہ شہر میں تو فوراً اُس سُرنگ کی راہ سے اپنے قلعہ میں چلی جائے۔ اس کے علاوہ مصوڑوں کو بلا کے حکم دیا کہ تم لوگ جا کے عمرو بن عدی کی مختلف وضعوں کی تصویریں لیٹے۔ بیٹھے۔ کھڑے۔ سب حالتوں میں کھینچ لاؤ۔ اُس وقت کی بھی جب وہ سمیٹ کر پھرتے ہوئے۔ اور اُس وقت کی بھی جب وہ ہتھیار لگائے ہوئے کھینچ کر لے آئے۔ لیکن تمھاری ان کارروائیوں کی اُسے مطلق خبر نہ ہونے پائے۔ اُس کو وہم و گمان بھی نہ ہو سکی تصویریں میری پاس ہیں۔ ان تصویروں سے اُس کی صرف اتنی غرض تھی کہ عمرو بن عدی کو خوب اچھی طرح پہچان لے۔

قصیر ان سب رموز سے واقف ہو چکا تو ایک دن ملکہ زبار سے کہا ”میرے مکان میں میرا بہت سا مال اسباب پڑا ہوا ہے۔ اگر اجازت ہو تو جا کے لے آؤں۔ اور اُس کے علاوہ اور بھی بہت سا مال تجارت لاؤں گا۔ جسے آپ نہایت پسند فرمائیں گی۔“ زبار نے اُسے اجازت

دی اور وہ اُس سے رخصت ہو کے سیدھا حیر میں آیا۔ عمرو بن عدی سے ملا۔ اور اُسکی مدد سے ایک بڑا بھاری تاجرانہ قافلہ مرتب کر کے واپس گیا جس کے نہایت قیمتی نایاب اور پُر تکلف چیزیں تھیں یہ قافلہ جب بآر کے شہر میں داخل ہوا تو ملکہ نے خود استقبال کیا۔ قصیر سے بڑے تپاک سے ملی۔ اور اُس کا مال تجارت دیکھ کے بے انتہا خوش ہوئی۔ چند روز بعد قصیر نے دوبارہ مال تجارت لانے کا شوق ظاہر کیا اور اب کی ملکہ نے پہلے سے زیادہ روپیہ دے کے رخصت کیا۔ وہ پھر آ کے حیرہ سے پشتیر سے زیادہ بھاری اور قیمتی سامان تجارت لے گیا جو خاص بادشاہوں کے قابل تھا۔ اب کی بھی اُس کے قافلہ کو زبآرنے ذوق و شوق سے لیا۔ سبیل خرید لیا۔ اور قصیر کی زیر بار احسان ہوئی۔ اب تیسری بار پھر قصیر نے اجازت سفر مانگی۔ اور ملکہ کے دربار سے اُسے بڑی سیر حشی کے ساتھ اجازت اور مدد دی گئی۔ لیکن اب کی مرتبہ وہ جو قافلہ لے کے پہونچا وہ نہایت ہی پُر تکلف اور شاندار تھا۔ ہزاروں اونٹ تھے۔ جس پر بڑے بڑے کجاوے لٹھے ہوئے تھے۔ اس قافلہ کی شان کو زبآرنے اپنے شہر کے محل سے دیکھا اور قصیر سے کہا اب کی تم نہایت ہی شاندار اونٹ اور بڑی دہوم دھام کا قافلہ لائے ہو۔ اس نے عرض کیا اب کی مال بھی لا جواب ہے جو خاص حضور کے لیے لایا ہوں، قافلہ نرک و ملتھام سے شہر کے اندر داخل ہو کے خاص اُس مقام پر پہونچا جہاں قلعہ کی سڑنگ کا دروازہ تھا۔ وہاں پونچتے ہی تمام شہر سوار اونٹوں کو دودکے اور ہزاروں بہادر نیر و آذماں صندوقوں سے جو اونٹوں پر لدے ہوئے تھے نکل نکل کر شہر پر حملہ آور ہوئے اور ایک آٹا فانائیں شہر کی سڑکوں پر تلوار چلنے لگی۔ لوگ بدحواس بھاگے اور ملکہ گھبر کے چلی کہ سڑنگ میں گھس کے قلعہ کے اندر ہو رہے۔ مگر سڑنگ کے دروازہ پر پہونچی تو ایک خوش رو اور بہادر نوجوان کو دیکھا۔ جس کی صورت دیکھتے ہی ہاتھوں کے توتے اڑ گئی بدحواسی کے عالم میں اُس کی زبان سے نکلا ”عمرو بن عدی!“ اور ساتھ ہی انگوٹھی سے ہیرے کا نگینہ دانتوں سے چھڑا کے اور کچل کے کھا گئی۔ اور بڑے استقلال سے بولی۔ ”بیدی لا بد عمرو“ عمرو کے ہاتھ سے نہیں بلکہ خود اپنے ہاتھ سے ہیرا کھاتے ہی ادھر اُس نے موت کے چھوٹے لینا

شروع کیے اور اُدھر عمرو بن عدی نے بڑھ کے اُسے اپنی تلوار سے مار ڈالا۔  
 یہ ایک عربیہ ملکہ تھی جس نے کیا دی سے اپنے دشمن کی جان لی۔ اپنے مرحوم باپ کا  
 بدلہ لیا۔ اور جس میدان میں اُس نے اپنے دشمن کو ہال کیا تھا۔ اُسی میں خود بھی ماری گئی  
 مگر اول سے آخر تک اُس کے خوبصورت چہرہ میں بے خصمتی کا وہم بہت نہین لگا اور  
 آخر میں اُس نے جان بھی دی تو نہایت ہی شریفانہ اور بہادرانہ وضع سے۔ زبا کے  
 بعد اُسکی سلطنت کا مالک عمرو بن عدی ہوا جس کے قبضہ میں ایک بڑی بھاری قلمرو  
 آگئی۔ اور آخر میں وہ عرب کا بڑا نامور اور بہادر فرماں روا ثابت ہوا کہتے ہیں کہ وہ  
 ایک سو بیس برس کی عمر کا ہو کے مرا۔ جس میں سے ۹۵ برس ملوک طوائف کے  
 عہد میں اور باقی ایام بانی دولت ساسانیہ یعنی ساسان اول اردشیر بایجان اور  
 اُس کے بیٹے شاپور بن اردشیر کے عہد میں گزرے۔

## ملکہ ذنوبیہ

اگرچہ موجودہ زمانہ میں یورپ کو اپنی عورتوں کی لیاقت و دانائی پر بہت کچھ فخر اور  
 ناز کرنے کا موقع حاصل ہے لیکن قدیم زمانہ میں جس طرح ایشیا اور عموماً مالک مشرق کو  
 تمام حیثیتوں سے یورپ پر ترجیح حاصل تھی اسی طرح ایشیا کی عورتیں بھی انسانی کمالات کے  
 اعتبار سے یکتاے زمانہ تھیں۔ اور یورپ کی عورتوں پر بدرجہا زیادہ فوقیت رکھتی تھیں  
 ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ ہم بعض گزشتہ خاتونان ایشیا کے دلچسپ کارنامے اپنی ملکی  
 خاتون کے گوش گزار کریں۔ تاکہ انھیں معلوم ہو کہ جو لیاقت اور شائستگی ہم ان میں



پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ اُن کے لیے نئی چیز نہیں بلکہ اُن کا قدیمی ورثہ ہے جس کے حاصل کرنے کی وہ یورپین لیڈیوں سے زیادہ مستحق ہیں۔

اس موقع پر ہم ملکہ زونوبیہ کے حیرت خیز حالات پیش کرتے ہیں جنکو دیکھ کے شاید حضرات چونک اٹھیں گے جنہوں نے عورتوں کو لازمی طور پر بے عقل خیال کر رکھا ہے۔ ملکہ زونوبیہ ہجرت نبوی سے ساڑھے تین سو برس پہلے شام کے شہر تدمر کی ایک نامور ملکہ گزری ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اُس کے رگ و پے میں عربیت کی شان سمائی ہوئی تھی۔ اس لیے کہ اول تو عرب اور شام ایک ہی قوم سے آباد ہے اور ثانیاً اس کا وطن شہر تدمر اُس مشہور رگزار کے درمیان میں واقع ہے جو گویا سرزمین شام میں عرب کا ایک خطہ ہے۔ تدمر جناب سلیمان علیہ السلام کی جانب منسوب ہے مگر مورخین کے بیان کے مطابق شاید بدبہ نبوت سے اس شہر کو وہ دنیاوی وقعت اور شان نہیں حاصل ہوئی ہوگی جو اس نامور اور لائق ملکہ کے عہد میں حاصل ہو گئی۔ تدمر کا دوسرا نام ”بامیرا“ ہے جو یونانیوں اور رومیوں کی زبان پر زیادہ چڑھا ہوا ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ زونوبیہ کو بامیرا کی ملکہ کہتے ہیں۔

عرب کے پیٹر رگزاروں میں جا بجا چند مزرعہ اور شاداب مقامات ہیں جو بالو کے ناپید کنار سمندروں میں خوش سواد جزیرہ کی طرح نمایاں ہیں۔ انھیں مقامات سے ایک مذکورہ شہر بامیرا بھی ہے۔ ”پام“ لاطینی میں کجور کے درخت کو کہتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رومیوں نے اس شہر کو یہ نام بھی اسی لیے دیا کہ کجوروں کے جُھنڈ اس شہر کو اپنے جُھر مٹ میں لیے ہوئے ہیں۔ یہاں کی ہوا صاف ہے اور زمین کچھ شیشی اور پاکیزہ چشمے سیراب کر رہے ہیں۔ جن کی وجہ سے میوہ جات اور غلہ کی بھی دہاں پیداوار ہوتی ہے ایک ایسا مقام جس کو قدرت نے اس ریگستان میں ایسے بے نظیر موقع دے رکھے تھے اور اس پر لطف یہ کہ بحیرہ فارس اور بحیرہ روم

دونوں سمندروں سے برابر فاصلہ پر اور درمیان میں واقع تھا کیونکہ غیر آباد پڑا ہوا تھا۔ اُن لدے پھندے قافلوں کو جو ہندوستان کا قیمتی مال یورپ کی دور دراز قوموں میں پہنچا کرتے تھے قدیم ہی زمانہ میں اس کا پتہ لگ گیا۔ جن کی آمد و رفت تدمر یعنی وہی شہر پامیر ازخوہ بخود بے ارادہ ترقی کرنے لگا۔ اور آخر کار بڑھتے بڑھتے پامیر ایک دولت مند اور آباد شہر ہو گیا۔ پامیر کو اپنی آزادی قائم رکھنے کے لیے یہ سب سے عمدہ موقع ملا کہ پار تھیا کی اور روم کی دونوں عظیم الشان سلطنتوں کی سرحد پر تھا۔ جس کا یہ نتیجہ تھا کہ دونوں مملکتوں کے تمدنی معاملات اور تعلقات تجارت سے فائدہ اٹھاتا تھا۔ اور اس کے ساتھ اپنی خود مختاری کے پھر بڑے بھی اڑائے جاتا تھا۔ مشہور جنگ ٹیجمن کے بعد یہ شہر دولت روم کی قلمرو میں داخل ہو گیا۔ اور ڈیڑھ سو برس تک اُس باہمیت سلطنت کی ماتحتی میں ایک نو آبادی کی معزز حیثیت سے سر جھکائے رہا۔ جو چند آثار اور کتابے فی الحال یہاں نظر آ رہے ہیں جو غالباً اسی عہد کی یادگار ہیں۔ یہ یونانی طرز۔ کہ بنے ہوئے معبدوں۔ محلوں۔ دیواروں کے باقی ماندہ آثار جن کے کھنڈر کئی میل تک پھیلے ہوئے ہیں آج بھی اتنی قدرو عزت کے مستحق ہیں کہ ہمارے سیلج جگہ کے ان پر ایک عبرت کی نگاہ ڈالیں۔ اُدی ناطوس اور زنبوہ کی ترقیوں نے اس ملک اور خاصہ پامیر کو اور زیادہ رونق دی اور ایسا بنادیا کہ وہ خود شہر و ماکا حریف مقابل بن گیا۔

زنبوہ اگرچہ شام و عرب کی ملکہ تھی مگر اپنے آپ کو مقدونی الاصل شاہان مصر کی نسل سے بتاتی تھی۔ حُسن و جمال میں مصر کی قدیم نامور ملکہ کلوپٹیر کی حریف مقابل اور عفت و شجاعت میں اُس سے بدرجہا زیادہ تھی۔ زنبوہ کی خوبصورتی کا شہرہ تھا۔ اس کی رنگت گندم گوں تھی۔ آنکھیں بڑی بڑی اور سیاہ تھیں اور غیر معمولی بجلیاں گراتی تھیں۔ دانت موتیوں کے سے خوشنما اور آبدار تھے

اس کی آواز اور لہجہ میں معشوقانہ نغمہ خیزی تھی۔ ساتھ مردانہ بلندی۔ متانت اور بہادری بائی جاتی تھی۔ ان دیگر کمالات کے ساتھ اُس کے حرکات و سکنات میں ایک ایسی دلفریبی اور شیرینی تھی کہ وہ بہت جلد ہر شخص کو اپنے قابو میں لاسکتی تھی۔ صرف یہی باتیں نہیں بلکہ اُس میں مردانہ بہادری اور شجاعت کے جوہر بھی موجود تھے۔ اور ایسی فہم و ادراک کی عورت تھی کہ مشکل سے مشکل اور دشوار سے دشوار مسائل کو نہایت آسانی سے حل کر لیتی تھی۔ ان باتوں کو تعلیم و تربیت نے اور جلد سے دی تھی۔ یونانی۔ شامی۔ اور مصری زبانوں میں اُسے ایسا کمال حاصل تھا کہ ان زبانوں میں اعلیٰ سے اعلیٰ قسم کی عبارت لکھ سکتی تھی۔ اور بہت شائستگی سے گفتگو کر لیتی تھی۔ اس کے علاوہ لاطینی زبان بھی وہ نا آشنا نہ تھی۔ لائق و فائق حکیم لائنجی نوس کی زیر تعلیم و تربیت رہے اس نے یہ لیاقت پیدا کر لی تھی کہ اخلاطون کے کلام کی خوبیوں کو آسانی سمجھ جاتی تھی۔ اور یونان کے مشہور شاعر ہومر کی نازک خیالیوں پر بے تکلفی کے ساتھ داد دے سکتی تھی۔ علم و فضل نے اُس میں بیان تک کمالات پیدا کر دے تھے کہ اُسے تاریخ میں پورا ملکہ حاصل تھا۔ اور اصل اپنے استعمال اور اپنا دستور العمل بنانے کے لیے اُس نے خود ہی مشرقی تاریخوں کا ایک اقتباس کر لیا تھا۔ جس کے واقعات کو ہمیشہ پیش نظر رکھتی تھی۔

ان کمالات علمی کے حاصل ہو جانے کے بعد اُس کی شادی ناطوس نام ایک شخص سے ہوئی جو خود اپنی ذات سے اُس زمانہ کا ایک خود رو ہیرو تھا۔ یہ نامور شخص گمانی کے پرکے سے نکل کے ایک مشرقی بادشاہ بن گیا تھا۔ اس شخص نے غلیا نوس قیصر روم کے عہد میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں دکھا کے بلاد مشرق کی بادشاہی حاصل کر لی تھی۔ علی الخصوص جب اُس نے شاہ پور شہنشاہ ایران کو شکست دیدی تو دولت روم نے اُس کی اور زیادہ قدر و منزلت کی۔ اور اپنی مشرقی سرحد پر اطمینان حاصل کرنے کے لیے قیصر نے اُسے بالکل اپنا سا بادشاہ تصور کر کے غلطی کا خطاب دیدیا۔ لیکن اُدی ناطوس کو یہی شاہی حقوق

دربار قیصر سے صرف اُس کی ذات کے لیے دیے گئے تھے۔ اور نسلاً بعد نسل فرمانرواے مشرق نہیں مانا گیا تھا۔ غرض کہ اسی خوش نصیب بہادر اُدی ناطوس کی بیوی بن کے زنبیہ کو اپنی ذات میں ایک بہادر سپاہی کی سی شجاعت اور نبرد آزمائی کے جوہر دکھانے کا موقع ملا۔ اب وہ ایک حکیم اور عالم کی خاموش زندگی چھوڑ کے ایک شیر افکن اور تیغ زن سپہ سالار بنی۔ اُدی ناطوس کا قاعدہ تھا کہ جب میدان جنگ سے فرصت ملتی تو فوراً شکار میں مشغول ہو جاتا۔ اور نہایت ہی شجاعت اور بہادری سے وحشی درندوں پر حملہ کیا کرتا۔ وہ جنگل میں جا کے شیروں سے لڑتا تھا۔ اور ریچھوں سے مقابلہ کرتا تھا۔ ایسے شکار کے موقعوں پر زنبیہ اُس کے ساتھ رہتی۔ اور چند ہی روز میں اُس نے دکھا دیا کہ اُن خطرناک مشغلوں میں اُس کا ذوق اُدی ناطوس کے ذوق سے ذرا بھی کم نہ تھا۔

جب زنبیہ میں اس طریقہ سے نبرد آزمائی کا ذوق پیدا ہو گیا تو اُس نے ورزش اور جسم کے تھکانے کی عادت ڈالی۔ بند گاڑی اور محل میں بیٹھنے کو نفرت سے چھوڑ دیا اور فوجی لباس اور جنگی ڈریس سے آراستہ ہو کے گھوڑے پر سوار ہونے لگی۔ اس زمانہ میں وہ فوجوں کی افسری کرتی تھی۔ اور بارہا ایک جنگی سردار کی حیثیت سے فوجوں کو کئی میل تک کوچ کر لے گئی۔ مورخین کا بیان ہے کہ اُدی ناطوس کو جنگ کے میدانوں میں جو کامیابیاں حاصل ہوئیں زیادہ تر اسی زنبیہ کی بے مثل شجاعت اور اُس کی دانائی و ہوشیاری کی وجہ سے تھیں۔ ان دونوں میاں بیویوں نے دو دفعہ ایک عظیم الشان بادشاہ کا شہر ٹسی فون تک تعاقب کر کے جو کامیابی اور فتوحات حاصل کیں اُن سے دونوں کو بڑی شہرت اور ناموری حاصل ہو گئی اور ان کی متحد و زبردست سلطنت کی ہر طرف دھاک بیٹھ گئی۔

زنبیہ کے شوہر کا آخری کارنامہ یہ ہے کہ قوم قوطیعے کا تھک لیٹروں پر جو سرزمین ایشیا میں اُن دنوں تاخت و تارچ کر رہے تھے اُس نے اپنی بی بی کو ساتھ

لے کے ایک سخت حملہ کیا اور بڑی شکست دی۔ اور نہایت فتحمدی اور کامیابی کے  
 ساتھ واپس آئے شہر حمص میں فروکش ہوا۔ اودی ناطوس کسی لڑائی میں مغلوب  
 نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر یہاں حمص میں ایک خفیف باہمی رنجش نے اُس کی زندگی کا  
 چراغ گل کر دیا۔ اُس واقعہ کی بنیاد تھی کہ کسی شکار کے موقع پر اُس کے ہتھیار میونوس نے  
 ارادہ کیا تھا کہ شکار پر چچا سے پہلے خود اپنا برہما مارے۔ اگرچہ یہ گستاخی ایک مرتبہ  
 صرف تنبیہ پر ٹالی گئی مگر جب میونوس نے دوبارہ ایسی ہی حرکت کی تو بادشاہ اودی  
 ناطوس نے ناہوم ہو کے اپنا گہوارا شکار گاہ سے ہٹا لیا تھا اور بھتیجے کی گستاخی کو ذریعہ حیثیت  
 بادشاہ اور نیز بحیثیت ایک اعلیٰ شکاری ہونے کے اپنی توہین خیال کیا تھا اور اس  
 گستاخی کی سزا میں سرکش نوجوان کو چند روز کے لیے قید کا حکم دیدیا گیا تھا۔ یہ زمانہ  
 گزر گیا بھتیجے کو اپنا قصور تو یاد نہیں رہا۔ مگر یہ سزا یاد رہی۔ اور انتقام کا درپے ہوا  
 چنانچہ اب جو اودی ناطوس حمص میں آئے اقامت گزین ہوا تو میونوس نے ایک  
 دعوت میں بلا کے اپنے چند دوستوں کی مدد سے اودی ناطوس کو کاٹ کے ٹکڑے  
 ٹکڑے کر ڈالا۔ اودی ناطوس کا بیٹا ہیروڈ جو زنبوہ کے بطن سے پیدا ہوا تھا اگرچہ ایک نازک لڑکچہ  
 اور نازک بدن لڑکا تھا مگر اس کی زندگی کا بھی خاتمہ کر دیا گیا۔ اس قتل سے اتنا متاثر  
 ضرور ہوا کہ میونوس کو انتقام لینے میں کامیابی ہو گئی۔ اور اپنی مذکورہ بالا سزا بابت  
 کا بدلہ مل گیا۔ مگر شاہی نہ نصیب ہوئی۔ جس کی درحقیقت اُسے آرزو تھی۔ اور جس کے  
 شوق میں غریب ہیروڈ بھی باپ کی لاش کے پاس ہی کاٹ کے ڈال دیا گیا تھا۔ میونوس  
 نے اغسطوس یعنی آگسٹس کا لقب اختیار کرنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ زنبوہ نے اپنے  
 شوہر کے مارے جانے کا حال سُن کے ایک تیز چنگال شاہین کی طرح آہونچی۔ اور  
 ایک ہی حملہ میں اُس نے میونوس کو اپنے شوہر کی یادگار پر قربانی چڑھا دیا۔  
 یوں میونوس کو قتل کر کے زنبوہ نے اپنے دیانت دار اور وفاکیش مشیر وکی

یہ اسے اور احاطت سے تخت شاہی پر قدم رکھا۔ تاج شاہی سر پر رکھ کے ملکہ مشرق بنی اور  
مردانہ جُوات و شجاعت اور نہایت ہی صائب الرائی کے ساتھ پامیر اشام اور تمام قلمرو  
پر حکمرانی کرنے لگی۔ اُوی ناطوس کے مرتے ہی وہ روم کا عطیہ کیا ہوا حق شاہی تمام ہو گیا  
مگر زنبیہ نے اس کی کچھ پروا بھی نہ کی۔ بلکہ ایک رومی سپہ سالار کو جو اُس کے مقابلے  
کے لیے روانہ کیا گیا تھا۔ سخت شکست دی۔ اور اُس کی ناموری میں یہ دھبہ لگا کے  
کہ ایک عورت سے پسپا ہو گیا خجالت اور ندامت کے ساتھ روم کی طرف واپس روانہ کیا  
اب زنبیہ کی حکومت کو اور استقلال حاصل ہو گیا۔ اور اُس نے ایسی عقلمندی اور  
داناتی سے حکومت کی کہ رعایا میں اور خصوص اُس عہد کی جنگ جو قوموں میں بجائے  
اس کے کہ زنبیہ کے عورت ذات ہونے کی وجہ سے کسی قسم کی بدگمانی پیدا ہو عام طور پر  
اور زیادہ وفاداری اور اطاعت کیشی کا جوش پیدا ہو گیا۔ زنبیہ نے اس زمانہ میں اپنے  
آپ کو ایک بڑی مقننہ بھی ثابت کیا۔ اور ایسے عمدہ قوانین بنائے کہ اُس کی حکومت روز  
بروز با منابطہ اور مضبوط ہوتی گئی۔ زنبیہ کی اخلاقی بہادری یا نفسانی جہاد کا نہایت ہی  
حیرت ناک ثبوت مورخین کے اُن بیانات سے ملتا ہے جو اُس کے مزاج کے متعلق کیے  
گئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ اگر معافی کی ضرورت ہوتی تو وہ اپنے جذبات نفسانی کو دبا دیتی  
اور جب رحم کی ضرورت ہوتی تو محض اس خیال سے کہ کس زبان سے کوئی رحم کا کلمہ نہ نکل جائے  
وہ اپنے مُنہ پر خاموشی کی مہر لگا لیتی تھی۔ زنبیہ کو بعض لوگ اِزام دیتے ہیں کہ وہ بغیل تھی  
اور نہایت ہوشیاری سے کفایت شعاری کرتی تھی۔ مگر یہ کیونکر تسلیم کیا جائے اس لیے کہ  
خاص اور ضروری موقعوں پر وہ نہایت ہی عالی ہمت اور فیاض ثابت ہوئی ہے عرب  
ارمن اور فارس کی سلطنتیں جو اُس کی حدود پر واقع تھیں اُس کی بہادری سے ایسی  
خائف تھیں کہ ہمیشہ اُس سے صلح قائم رکھنے کی آرزو مند رہتی تھیں۔

یہ زمانہ اور یلین قیصر روم کا تھا جسے عربی مورخین اور یانوس کہتے ہیں۔ اور یلین

کو چونکہ جرمن کی جنگ جو اور وحشی قوموں کی حملہ آوریوں کی طرف زیادہ مصروف رہنا  
 پڑا۔ اور دوسری طرف گاتھک وحشیوں نے اُسے چھیڑنا شروع کیا۔ اس وجہ سے  
 اُس نے اپنے مشرقی مقبوضات کی طرف سے بالکل توجہ اٹھائی۔ اور مصر والوں میں یہ  
 خیالات پیدا ہوئے کہ قیصر روم کی اطاعت کا جو اگر دن سے اُنارکے پھینک دیں۔ اور  
 اور وہی آزادی بہر حاصل کر لیں جو قدیم فرعونہ کے سمہ میں اُن کو حاصل تھی۔ زونوبہ کو یہ  
 بہت اچھا موقع ملا۔ اُس نے مصر والوں کو روپیہ پیسہ کا لالچ دلا کے اس امر کی کوشش شروع  
 کی کہ مصر بھی اُسکی سلطنت میں شامل ہو جائے۔ اور جب اس طرح کی رشوتوں سے کوئی  
 کام نہ نکلا تو اُس نے جھٹ اپنی فوج لے کے مصر پر حملہ کر دیا اور چند ہی لڑائیوں میں اُس  
 مصر کی رومی فوجوں کو ایسی متواتر شکستیں دیں کہ اسکندریہ کا تخت شاہی اُس کے قبضہ  
 میں آ گیا۔ اور مصر بھی اُس بلند حوصلہ ملکہ کی قلمرو میں داخل ہو گیا۔ مگر اس فتح کے چند  
 روز بعد مصر میں کچھ بغاوتیں ہوئیں جنکی وجہ سے سام اور پامیر میں جا کے زونوبہ نے بہر فوج جمع  
 اور ایک ہر دست لشکر لے کے مصر پر دوبارہ حملہ کیا۔ اور نہایت کامیابی سے فرعونہ کی سرزمین پر حکومت کی  
 زونوبہ کی یہ کارروایاں دربار روم میں نہایت مشتبہ خیال کی گئیں۔ اور نظر آنے لگا کہ وہ  
 دراصل اپنی حوصلہ مندی اور بلند پروازی سے شاہنشاہی روم کی بھی کچھ پروا نہیں کرتی ہو  
 اور اس میں شک نہیں کہ زونوبہ کے ارادوں پر بہت کچھ اشتباہ کیا جاسکتا تھا۔ یہ اسے یہ بھی  
 کہ وہ ایک آزاد اور دولت روم کے مقابلہ میں رقیبانہ سلطنت قائم کرنا چاہتی ہے۔ اُس نے  
 اپنے دربار میں رومی فرماں رواؤں کی تمام شان و شوکت اور قیصرہ کی کل وضعیں اختیار  
 کر لی تھیں اور پہر اس پر یہ ترقی کی تھی کہ ان مغربی علامات شاہی کے ساتھ اُس نے  
 اپنے وہاں ایشیائی اور خاصہ ایرانی دربار کی وہوم و حمام بھی پیدا کر لی تھی۔ اپنی رعایا  
 زونوبہ اسی عزت و ادب کی خواستگار ہوتی تھی جیسی عزت کہ دربار ایران میں وارثان  
 تاج کی محسوس کی جاتی تھی۔ اپنے تین بیٹوں کو اُس نے زبان لاطینی میں تعلیم دلوائی۔

اور بارہا فوج کے سامنے اُنکو دربارِ روم کے ارغوانی لباس میں نمودار کیا۔ مگر تاج شاہی اپنے ہی خوبصورت سر کے لیے مخصوص رکھا تھا۔ اور اس کے ساتھ سب سے زیادہ قابلِ لحاظ یہ امر تھا کہ زونوبیہ نے اپنا لقب قیصرہ مشرق اختیار کر لیا تھا۔

الغرض ان تمام اُمور پر لحاظ کرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ اوریلین قیصر اپنی فوج کے ساتھ شہرِ روم سے مشرق کی طرف روانہ ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان دنوں دولتِ قیصرہ کا رعب داب مغربی ممالک ایشیا پر اتنا نہ تھا کہ زونوبیہ اُسے اپنی چند روز کی حکومت میں مٹا سکتی اور اپنے اس فدا کرتی عیب کو کیا کرتی کہ عورت ذات تھی۔ جس کی اطاعت کرنا ہمیشہ مردوں کے خیال میں باعثِ ذلت سمجھا گیا ہے شاہنشاہ اوریلین نے ایشیا کی سرزمین میں قدم ہی رکھا تھا کہ لوگ زونوبیہ کا ساتھ چھوڑ چھوڑ کے قیصر کے دامن میں چھپنے لگے۔ صوبہ ثمنیہ جسے زونوبیہ کے آبدار اسلحہ اور اس کی اعلیٰ حکمتِ عملیوں اور

اندرونی ریت سیہ و دانیوں نے بالکل زیرِ و زبر کر دیا تھا قیصر کے پہنچتے ہی فوراً زونوبیہ کو چھوڑ کے تختِ روم کا مطیع ہو گیا۔ اوریلین نے اپنے نبرد آزما اور جنگِ بوسپاہیوں کے ساتھ آگے بڑھ کے انقرہ والوں کی درخواستِ اطاعت قبول کی (غالباً یہ موجودہ انگورہ سے مراد ہے جس کے تاریخی میدان میں تیمور اور بایزیدِ بیدرم کے ایسے نامور شاہنشاہوں میں عرصہ دار و گیر گرم ہوا تھا) یہاں سے آگے بڑھ کے ایک بہادر باشندہ تیا مانے زونوبیہ کے حقوق کا لحاظ کر کے جمع کر کے مقابلہ کیا لیکن قیصر کی فہمند فوج نے ایک خفیف مقابلہ ہی کے بعد تیا مانہ پر قبضہ کر لیا۔ جب اور آگے کوچ کر کے اوریلین قیصر اِنطاکیہ کے قریب پہنچا تو وہاں کے باشندے رومی سپاہیوں کے خوف سے شہر چھوڑ چھوڑ کے بھاگ گئے۔ لیکن قیصر نے یہ بڑی حکمتِ عملی کی کہ ایک نہایت ہی عمدی کا فرمان جاری کر دیا۔ کہ جو لوگ جمبوڑا یا ضرورتِ زمانہ سے زونوبیہ کے مطیع ہو گئے تھے اُنکا قصور معاف کیا گیا۔ اور اُن کو جان و مال کی امان دی جاتی ہے۔ قیصر کی اس عمدی کا چرچا ہوتے ہی سب لوگوں کو



اطمینان ہو گیا۔ اس نرم اور دلجو پالیسی کا اثر انطاکیہ میں تو اتنا ہی ہوا کہ جو لوگ  
 بھاگ گئے تھے پھر آ کے آباد ہو گئے مگر دیگر مقامات اور تمام بلاد شام میں اس کا نہایت اچھا اثر  
 کل اہل شام قیصر کی طرف مائل ہو گئے۔ اور سارے ملک نے یکبارگی زنوبیہ کا ساتھ چھوڑ دیا۔  
 تاہم زنوبیہ کی جرأت و بہادری میں فرق نہیں آیا۔ وہ دیکھتی تھی کہ دنیا اسکو چھوڑ کر  
 قیصر کے ساتھ ہوئی جاتی ہے مگر دل نہیں ہارتی تھی۔ ہم بھی اُسے کا ہی وشستی کا بلکہ  
 نامردی اور بزدلی کا الزام دیتے اگر قیصر کو اُس کے دار السلطنت تک پہنچنے میں سو ہی  
 میل کا فاصلہ رہ جاتا اور اُس کی طرف سے کوئی مزاحمت نہ ہوتی۔ نہیں اُس نے  
 اپنے عمدہ تدبیروں سے ایسا نہیں ہونے دیا۔ اور گو بڑے بڑے اور پُرانے دوست  
 چھوٹے دیتے تھے مگر اس نے دار السلطنت کے باہر ہی دو میدانوں میں اور یلین سے  
 بڑی بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ ایک لڑائی تو انطاکیہ کے قریب ہوئی اور دوسری  
 شہر حص کے جوار میں۔ ان دونوں میدانوں میں خود ملکہ زنوبیہ اپنی فوجوں کو لڑاتی تھی  
 اور نبرد آزما سپاہیوں کے حوصلے بڑھاتی تھی۔ اس کی مشہور فوج زندہ نے جس نے  
 مصر کے فتوحات میں خاص ناموری حاصل کی تھی۔ اس موقع پر بھی بڑے بڑے کارہائے  
 نمایاں کیے۔ اس فوج کو زنوبیہ خود ہی میدان جنگ میں لڑنے اور حملہ کرنے کے متعلق  
 احکام دیتی تھی۔ مگر افسوس کہ زنوبیہ کی قسمت برسر زوال تھی۔ جس طرح دونوں میدانوں  
 میں لڑائی کا ایک ہی رنگ رہا اسی طرح نتیجہ بھی ایک ہی ہوا۔

زنوبیہ کی فوج میں زیادہ تر دو گروہ تھے۔ ایک گروہ تو تیر اندازوں کا تھا اور  
 دوسرا ایک بڑا بھاری لشکر سواروں کا تھا۔ یہ دونوں فوجیں سر سے پاؤں تک وہ ہے  
 میں غرق تھیں۔ اس کے مقابل اور یلین کی فوج میں حبشی اور الیریا کے سوار تھے۔  
 قیصر نے ان لوگوں کو اس کے مقابل اور یلین کی تمام فوج پر ترجیح دی تھی۔ یہ سوار  
 معمولاً بلندی دریلے ڈینوب پر خمیہ زانی رہا کرتے تھے اور البانیہ (یعنی جرمن) کے میدان

نبرد میں ان کی شجاعت و سپہ گری کا امتحان ہو چکا تھا۔ تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ زنوبیہ کے سواروں کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکتے تھے اور اسی وجہ سے دونوں میدانوں میں انہوں نے سپہ گری اور بہادری سے کام نہیں لیا بلکہ فریب اور چالاکی سے زنوبیہ کی زبدہ کو زک دی۔ یہ لوگ خواہ حقیقتاً یا بناوٹ سے تھوڑی ہی دیر کے مقابلے کے بعد شکست کھا کے بھاگے۔ اور پامیر ان کے بہادر جب ایک محبت آمیز تعاقب سے واپس آکے ٹوٹ مار میں مشغول ہوئے اور سب کے سب منتشر ہو گئے تو انہوں نے دوبارہ نہایت تیزی کے ساتھ حملہ کر کے حریفوں کو بالکل بے پا کر دیا۔ انہوں نے اس طرح کی دوپہر فریب لڑائیوں نے زنوبیہ اور پامیر کی قسمت پلٹ دی۔ کیا اب بھی یہ دعوے کیا جاسکتا ہے کہ عورتیں مردوں سے زیادہ مکار اور پرفتن ہیں؟

حمص کی شکست کے بعد ملک شام اس قدر مخالف ہو چکا تھا کہ زنوبیہ سے مقابلہ کے لیے کوئی تیسری فوج نہیں فراہم ہو سکی۔ اب نامی اُدی ناطوس کی جانباً نہ بیوہ کے لیے خود شہر پامیر یعنی تدمر بھی ایک پناہ کی جگہ تھا۔ حمص سے بھاگ کے وہ پامیر میں ہو رہی۔ اور وہاں پہنچنے کے اُس نے ہم وطنوں کو لڑائی پر اس قدر ابھارا کہ سب لڑنے اور جان دینے پر آمادہ ہو گئے۔ اور یلیں کو اگرچہ ریگستانی منزلیں قطع کر کے تدمر پہنچنا دشوار تھا۔ مگر یہ بھی یقین تھا کہ اگر زنوبیہ کو میں وہاں اطمینان سے چٹو کے چلا گیا تو میرے جاتے ہی وہ پرتام مشرقی ممالک پر قبضہ کرے گی۔ آخر اُس سے سو اس کے کہ خود بھی اپنی فوج کو پامیر کی طرف بڑھائے اور کوئی تدبیر نہ بن پڑی مگر چونکہ ایسے خطرناک راستوں میں زیادہ فوجوں کا لے جانا دشوار تھا۔ لہذا اس نے اپنی فوج کے دو حصے کر دیے۔ ایک حصہ کو بسرداری پر دنوس جو اُس کی فوج کا سب سے زیادہ بہادر اور نامور افسر تھا مصر کی طرف روانہ کیا تاکہ اُسے زنوبیہ کے قبضے سے نکال کے نہرولتہ روم کی طرف واپس شامل کرے۔ اور دوسرے حصے کو اپنے ہمراہ لے کے پامیر کی طرف روانہ ہوا

زنوبیہ کو جب اس کی خبر ہوئی تو اُس نے لڑنے اور محصور ہو کے مقابلہ کرنے کے لیے خوب اچھی طرح سامان شروع کر دیا۔ اُس نے مزاحمت کی پوری تیاریاں کیں جیسا کہ ایک بہادر اور جانناز بادشاہ کا شیوہ ہونا چاہیے۔ اُس نے دل میں ٹھان لی بلکہ اپنی فوج پر بھی ظاہر کر دیا کہ ”جس گھڑی میری سلطنت کا خاتمہ ہوگا۔ اُسی گھڑی میری زندگی کا بھی خاتمہ ہوگا“ محض اور پامیر کے درمیان میں جو ناپید انکار ریگزار واقع ہے اس میں اور یلین قیصر نے جیسے ہی قدم رکھا عربی بدوؤں کے گرد ہوں نے چاروں طرف سے اُسے ستانا اور چھڑنا شروع کر دیا اور بار بار لوٹ مار کرنے لگے۔ ان بدوؤں کے زرخے میں اُس سے اپنی کمسر بیٹھ اور فوج کی بالکل نگہداشت نہ ہو سکی پاور ساعت بساعت وہ زیادہ پریشان ہونے لگا۔ یہ ریگستانی جری اور چالاک ٹیڑھے جو وحشی درندوں کی طرح چاروں طرف مارے مارے پھرتے تھے اور نمندر کی موجودگی طرح دشت میں ادھر ادھر سے آگے پھیلے دیتے تھے۔ کسی طرح اُسکی فوج کے سُست رو اور باضابطہ سپاہیوں کے ہاتھ نہ آتے تھے۔ جب چاہتے تھے ٹوٹ مار کے چل دیتے تھے۔ اور اُن پر کوئی قابو نہیں چلتا تھا۔ ہمیشہ یہ بدوی اور یلین اور اُس کے سپاہیوں کی غفلت کا موقع دہونڈتے۔ اور جب تعاقب کیا جاتا تو فوراً بالو کے ٹیلوں میں غائب ہو جاتے مگر اور یلین کچھ ایسا دہن کا پکا تھا کہ اُن میں سے کوئی چیز اُسکی مزاحمت نہ ہوئی۔ آخر تمام لشکروں کو آسان کرنا اور مصیبتوں کو جھیلنا ہوا پامیر کی دیواروں کے نیچے جا پہنچا۔

پامیر کا محاصرہ ایک نہایت ہی دشوار اور اہم معاملہ تھا۔ قیصر نے اگرچہ اولو العری کے ساتھ ہر امر میں پوری مستعدی دکھائی مگر زنوبیہ کی شجاعت اور ہوشیاری سے اُسے ایک مدت تک عرب کے ریگزاروں میں پڑا رہنا پڑا۔ شاہنشاہ نے خود اپنی فوجوں کو لے کے بارہا حملے کیے اور بڑی بہادری اور نہایت ہی جوش و خروش سے

اپنے سپاہیوں کو شہر کی طرف بڑھایا۔ لیکن کامیابی نہیں حاصل ہوئی۔ زنوبیہ نے السیا بند و بست نہیں کیا تھا کہ اس کے موجود ہوتے ہوئے رومی شہر کے کسی پھاٹک کے قریب بھی پہنچ سکتے۔ ان لڑائیوں میں ایک بار زنوبیہ کے سپاہیوں کا ایک نیزہ خود شہنشاہ اوریلیس پر پڑ گیا اور قیصر کو چند روز تک اُس زخم کی تکلیف برداشت کرنی پڑی۔ ان تکلیفوں اور مصیبتوں نے اس قدر پریشان کیا تھا کہ خود قیصر اپنے ایک خط میں لکھتا ہے: ”جو لڑائی ایک عورت ذات کے مقابلے میں مجھے درپیش ہے اس کو اہل روم ایک حقارت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اُن کو اس کی خبر نہیں کہ زنوبیہ کیسی عورت ہے۔ اور اُس کی قوت کس درجہ کی ہے۔ پتھر۔ تیر اور پھٹنے قسم کے حربوں سے دور سے حملہ کیا جاسکتا ہے اور اسی طرح اور تمام جنگی سامان زنوبیہ نے اس کثرت سے فراہم کر لیا ہے کہ اُس کا اندازہ کرنا خیر ممکن ہے شہر نپاہ پر ہر طرف جا بجائرج بنے ہوئے ہیں اور زنوبیہ کی منجلیقوں اور گلوں سے برابر آگ برسائی جاتی ہے۔ چونکہ اب اس ملکہ کو اپنی جان کا اندیشہ ہو گیا ہے لہذا اس خوف سے اب وہ اور زیادہ جرمی و بہادر ہو گئی ہے۔ اور ہر وقت جان بازی پر تیار رہتی ہے۔ تاہم روم کے محافظ دیوتا جنھوں نے ہر موقع پر میری مدد کی مجھے امید ہے کہ اس مرتبہ بھی میری مدد کریں گے“

لیکن اوریلیس نے یہ جھوٹ کہا اس لیے کہ اُسے دیوتاؤں کی اعانت میں شک پڑ گیا تھا اور زنوبیہ کی مسلسل بہرہ آزمائیوں نے اس قدر مایوس کر دیا تھا کہ اُس نے بلا درخواست اپنی طرف سے اطاعت کے ایسے شرائط پیش کر دیے جو چندال دشوار نہ تھے۔ اور اگر زنوبیہ اپنی جان کو عزت پر قدر بھی ترجیح دیتی ہوتی تو کوئی شک نہیں کہ اُن شرائط کو فوراً تسلیم کر لیتی۔ اس سے درخواست کی گئی تھی کہ جس قدر مال دولت چاہیے لے سکے جلی جائے اور شہر کو خالی کر کے دیونیکے سپرد کر دے

اس کے ساتھ یہ بھی وعدہ کیا گیا تھا کہ اہل شہر کو جملہ حقوق دیدیے جائیں جو پہلے سے حاصل ہیں مگر زونوبیہ نے ان شرائط سے نفرت کے ساتھ انکار کیا صرف انکار ہی نہیں کیا بلکہ جواب میں لٹے قیصر کی توہین کی۔ اور اپنی طرف سے لڑائی پر پوری مستعدی دکھائی۔

زونوبیہ کا یہ استقلال صرف اس خیال سے تھا کہ اسے بہت جلد ملک میں قوط پڑ جانے کی اُمید تھی۔ اور سمجھتی تھی کہ اُس قوط کی وجہ سے رومی فوجوں کو خود ہی بے سرو سامانی کے ساتھ بھاگنا پڑے گا۔ علاوہ بریں اسے یہ بھی اُمید تھی کہ ممالک مشرق کے فرمانروا ضرور اُس کی کمک پر آمادہ ہو جائیں گے۔ خاصہً زیادہ تر اُس کا خیال فارس کی طرف جاتا تھا۔ اس لیے کہ ملکی وضع اور تعلقات حدود کے لحاظ سے اور نیز رومیوں کے حملوں کے کمزور کرنے کے لیے ہاسانی شاہنشاہوں کا فرض تھا کہ زونوبیہ کی مدد کریں۔ لیکن ملکہ بامیرا کی بد قسمتی سے انھیں فنون تاجدار ایران یعنی شاپور کا انتقال ہو گیا تھا۔ اور اس کی لاش و خمد کے سپرد کی گئی تھی ورنہ اسے ایران اس شاہی موت سے اس قدر پریشان ہو رہے تھے کہ اپنے ہی غم میں ہٹلارہے اور اُن کو غریب زونوبیہ کی حالت کی طرف توجہ کرنے کا بھی موقع نہیں ملا۔ دوسرے فرمانرواؤں نے زونوبیہ کی کمک کے لیے کچھ فوجیں روانہ بھی کیں تو ان میں سے بعض کمزور اور یلین نے اپنی فوجوں کی قوت سے رُوکا اور بعض کو کچھ رشوت دیکے اور مال و دولت صرف کر کے واپس کر دیا۔ خلاصہ یہ کہ آخر تک زونوبیہ کو تنہا ہی مقابلہ کرنا پڑا۔

قوط جس کی اُمید پر زونوبیہ بامیرا کی حفاظت کر رہی تھی اس کے اثر سے شاہنشاہ روم نے اپنے آپ کو یوں بچایا کہ رسد لانے کا نہایت عمدہ سامان کر لیا۔ تمام اطراف شام سے نہایت باضابطگی کے ساتھ رومی لشکر گاہ میں برابر سامان رسد پہنچتا رہتا تھا اور ایک دن کے لیے بھی رومی فوجوں کو کھانے کی تکلیف نہیں برداشت کرنی پڑی۔ یہاں تک بھی غنیمت تھا سب سے زیادہ غضب یہ ہوا

کہ نامی گرامی پروٹوس مصر پر قبضہ کر کے فتح و نصرت کے پیرے اُٹاتا ہوا شام میں گیا۔ اور چند ہی روز میں اپنی آزمودہ کار فوجوں کے ساتھ آکے قیصر سے مل گیا۔ اور پامیر کے گرد اُتر پڑا۔

اب زونبہ کو کامیابی کی طرف سے بالکل مایوسی ہو گئی۔ اور سوائے اس کے اور کوئی تدبیر نہیں بن پڑی کہ پائیر کو اس کی قسمت کے حوالے کر کے۔ کسی طرف نکل جائے۔ وہ اپنی سب سے زیادہ تیز رفتار سائنڈنی پر سوار ہو کے اس ہوشیار بی کے ساتھ شہر سے نکلے کہ رومیوں کو خبر بھی نہ ہوئی اور وہ تقریباً ساٹھ میل کی مسافت طے کر کے دریائے فرات کے کنارے پر جا پہنچی۔ مگر اس کے جانے کے تھوڑی ہی دیر کے بعد اوریلین کو خبر ہو گئی۔ اور اُس کے تعاقب میں لوگ دوڑنے لگے۔ جنہوں نے بہت کچھ مسافت طے کر کے بد نصیب ملکہ کو گرفتار کیا۔ اور فوراً قیصر کے سامنے لاکے کھڑا کر دیا۔

دار السلطنت پامیر فوراً مطیع ہو گیا۔ مگر اہل پامیر کے ساتھ نہایت رحم دلی کا برتاؤ کیا گیا۔ شوٹا چاندی۔ ریشمی کپڑے اور بیش قیمت جواہرات کا ایک بہت بڑا خزانہ شاہنشاہ کے ہاتھ لگا۔ اور اس مال و دولت اور خزانے کے ساتھ بہت سے اسلحہ۔ گھوڑے۔ اور اُونٹ بھی رومیوں کو ملے۔ اوریلین نے صرف چہ سو تیر انداز خفا کے لیے پامیر میں چھوڑ دیے اور فوراً کوچ کر کے شہر حمص کی راہ لی۔ حمص میں پہنچ کے قیصر روم نے پامیر کے قیدیوں کو اپنے سامنے بلوایا۔ اور ان کی نسبت آخری فیصلہ کرنے لگا۔ جس وقت بد نصیب شامی ملکہ سامنے حاضر کی گئی تو قیصر نے نہایت ہی کڑوے تیوروں سے اور ڈپٹ کے پوچھا تجھ کو شاہنشاہان روم کے سامنے ہتھیار اٹھانے کی کیونکر جرأت ہوئی؟“ اس کے جواب میں زونبہ نے نہایت ہی متانت اور دانائی کے ساتھ ایک ایسا جملہ کہا جس سے اُس نے اپنی عزت کو بھی قائم رکھا۔ اور اپنے استقلال کا بھی ثبوت دیا اور قیصر کی بھی بے انتہا تعریف کر دی۔ اُس نے کھادو اس لیے کہ میں شاہنشاہان روم کو

اور یولوس اور گالی نوس کے مثل سمجھے ہوئے تھے۔ صرف آپ ہی کو اپنا فاتح اور شہنشاہ تسلیم کرتی ہوں۔ لیکن اس کے خلاف جب تمام رومی سپاہیوں نے غل جاپا اور ہر شخص خواستگار ہوا کہ ادوی ناطوس کی بیوی کو قتل ہونا چاہئے۔ تب زونوبہ سر سے پاؤں تک کانپ اٹھی۔ اور اُس کے پاس استقلال کو لغزش ہو گئی۔ اس خوف کے عالم میں اُس نے صاف صاف قبول دیا کہ میں نے فلان فلاں لوگوں کی راہ سے مقابلہ کی جرات کی اور لڑائی کے تمام معاملوں میں بھی لوگ میرے مشیر تھے۔ یہ امر زونوبہ کے دلی ضعف پر محمول کیا گیا۔ خصوصاً اس لیے کہ مشیروں میں اُس نے اپنے لائق و فائق استاد اور نامی حکیم لالنجی نوس کا بھی نام بتا دیا تھا جس نے قیصر کے حکم سے اپنی نامہربان ملکہ کو حسرت کنی نگاہوں سے دیکھ کے نہایت ہی تحمل کے ساتھ جان دی۔ قیصر نے اُنھیں لوگوں کے قتل پر کفایت کی اور زونوبہ کو زندہ ہی گرفتار رکھا۔

اگرچہ عام مورخین نے اس واقعہ کو زونوبہ کی پست ہمتی پر محمول کیا ہے مگر ہم صرف اس ایک واقعہ سے اُس کے تمام زندگی کے کارناموں کو مٹا نہیں سکتے۔ زونوبہ کا طرز اول سے آخر تک بتا رہا ہے کہ اُس میں سازش۔ چال بازی اور انٹرگ کا مادہ تھا وہ ہمیشہ علم و ادب کی دنیا میں ایک عالمہ اور لڑائی کے میدانوں میں ایک جری اور جانناز سپاہی تھی۔ یہ دونوں وصف اُسے جھوٹ بولنے سے روکتے تھے اور نہ کسی موقع پر اُسے جھوٹ بولنا ثابت ہوتا ہے۔ اسکی کوئی وجہ نہ تھی کہ اُس سے دھمکا کے اس کے مشیروں کے نام پوچھے جاتے۔ اور وہ سچ سچ نہ بتا دیتی اُس کی طبیعت کو ایسے موقعوں پر جھوٹ بول دینے کا سبق کبھی نہیں دیا گیا تھا۔ قطع نظر اس کے وہ اور یلین کو ایک نہایت ہی جھڑل

۱۷ اور یولوس اور گالی نوس اور یلین سے پہلے دو قیصر گزر چکے تھے جو نہ چنداں لائق تھے اور نہ ان میں اوالو العزمی تھی زونوبہ کا مطلب یہ تھا کہ میں قیصرہ روم کو آپ کا سالائق نہیں جانتی تھی بلکہ انکو گزشتہ قیصروں کا سپاہست ہمت اور نالائق تصور کرتی تھی۔

بادشاہ سمجھے ہوئے تھی۔ اس لیے کہ اس صبح میں اول سے آخر تک اُس نے ہر موقع پر دم دلی کے ثبوت دیے تھے۔ ابتداً اُس نے اُن اہل شام کی خطا معاف کر دی تھی جو اُس کی اطاعت چھوڑ کے ملکہ پامیر کے مطیع ہو گئے تھے۔ پھر جب خود پامیر کو فتح کیا تو وہاں کی رعایا کو بھی اُن کے پورے حقوق عطا کیے اور سب کو معاف کر دیا۔ اور اب اس وقت بھی گو فوج اصرار کر رہی تھی مگر خود قیصر کے الفاظ یہی بتا رہے تھے کہ وہ زونوبیہ کو قتل کرنا نہیں چاہتا۔ ان تمام باتوں سے زونوبیہ بآسانی قیاس کر سکتی تھی کہ قیصر اُس کے مشیروں اور لائنجی نوں کی بھی جان بخشی کرے گا۔ اُسے اس کی کیا خبر تھی کہ اُس کے مشیروں اور لائنجی نوں کی قسمت ہی برسرِ خلاف تھی۔ اور وہی محمدؐ فرمانروا جو ہر موقع پر مجرموں کے جرموں سے درگزر کرتا رہا ہے۔ ان کے حق میں ایک سخت ظالم ہو جائیگا۔ بہر حال ہمیں اس امر میں زونوبیہ کی کوئی ایسی خطا نہیں نظر آتی کہ ہم اُس کی تمام خوبیوں کو بھلا دیں۔

اور یلین ابھی حمص میں تھا کہ پامیر والوں نے پھر بغاوت کر دی۔ اور اُن چھ ستوں تیر اندازوں کو جو تخت روم کی طرف سے مامور تھے پکڑ کے قتل کر ڈالا۔ قیصر اس خبر کے سننے ہی نہایت ہی غیض و غضب کے ساتھ پھر پامیر پر حملہ آور ہوا اور ایسی عام خونریزی کی کہ بوڑھے۔ بچے۔ مرد عورت اور کاشتکار تک قتل کر ڈالے۔ وہاں کی تمام عمارات بھی کھدوا ڈالیں۔ اس طرح پامیر کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کے بعد قیصر نے آفتاب کا مندر دوبارہ تعمیر کرایا۔ اور چند اہل پامیر کو وہاں پر مکان بنانے اور آباد ہونے کی اجازت دی مگر افسوس تباہ کرنا بہت آسان ہے اور آباد کرنا نہایت دشوار ہے۔ وہ شہر جو تجارت۔ صنعت اور فنون کا مرکز اور زونوبیہ کی لیاقتوں اور بہادیوں کی ایک یادگار تھا۔ رفتہ رفتہ چند ہی روز میں ایک گمنام شہر اور ایک فضول اور بیکار قلعہ رہ گیا اور پھر جو دیکھا تو ایک تباہی زدہ گاؤں تھا۔ موجودہ پامیر یا تدریجاً صرف تین چالیس خانہ دانوں کی آبادی ہے



عبارت ہے جو قدیم عالیشان مندر کے صحن میں مٹی کے چھوٹے بنا کے رہتے ہیں۔

ارض مشرق کے رحم و غضب کے یہ مختلف اور متضاد منوے دکھائے اور یلین

قیصر اپنے دار السلطنت شہر روم کو واپس گیا تو اُس کے آنے پر بڑی خوشی کی گئی۔ اور

نہایت ہی دھوم دھام سے اُس کی کارگزار یوں پر خوش مسرت دکھایا گیا۔ ابتدائی

آبادی روم سے اس وقت تک نہ تو رومیوں میں کوئی جنرل اور سپہ سالار ایسی شان

شوکت کا مستحق خیال کیا گیا تھا اور نہ کبھی اس سے پہلے کوئی ایسا دھوم دھام کا جلسہ

وہاں دیکھا گیا تھا۔ جو جلوس اور یلین کی شان دکھانے کے لیے دار السلطنت روم

یعنی قدیم رومہ الکبریٰ میں نکالا گیا۔ وہ اس ترتیب سے تھا کہ سب کے آگے تیس ہفتی

چار شاہی چلتے اور دوسو سے زیادہ عجیب مخلقت جانور تھے جو اطراف عالم سے لاکے

جمع کئے گئے تھے۔ ان جانوروں کے پیچھے سولہ سو تیغ زن تھے جو وہاں کے ایفی قیصر

میں ظالمانہ دلچسپیان اور وحشیانہ مسرتیں دکھاتے تھے۔ اس جلوس کے بعد ایشیا

کی دولت بہت سے مفتوح ممالک کے اسلحہ اور شامی ملکہ زونوبہ کے زرہ بکتر تھے جو

روم کا اقبال اور اُسکی سلطنت دکھانے کی غرض سے عام مجمع کے سامنے پیش کیے گئے

تھے۔ اس کے بعد اور یلین کی فتوحات کا ثبوت معزز خاتونوں کے ایک بڑے غول سے

دیا گیا تھا۔ جو گاتہ۔ ونڈال۔ سرکاطی۔ المانی (جرمنی) فرینک رفریخ (گال)۔ شام۔ اور

مصر کے معزز لوگوں کی بی بیان یا لڑکیاں تھیں اور ان اقوام و ممالک کے مغلوب ہونے پر

گرفتار کر کے یہاں لائی گئی تھیں اور اس جلوس میں امیرزادیوں کی وضع سے نکالی گئی تھیں

ان عورتوں میں ہر ہر قوم و ملک کا غول الگ تھا۔ اور ہر غول کے ساتھ ایک جھنڈا تھا

جن پر اُس غول کے وطن اور قوم کا حال لکھا تھا قوم کا تھ کی دس بہادر اور نبرد آزما خاتون

آمینا بنا کے نکالی گئی تھیں۔ اس لیے کہ رومیوں سے میدان جنگ میں بڑی مردانگی سے

لڑتی تھیں۔ لیکن سب کی آنکھیں شامی ملکہ کی صورت کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ جس کی

بہادر ی کوروم کے بچے بچے نے حیرت سے سُنا تھا اور ہر شخص اُس کی صورت دیکھنے کا  
 مُشتاق تھا۔ اس تمام جلوں کے آخر میں زنبو بیہ کی حسرت ناک تصویر تھی۔ یہ خوبصورت  
 اور دلربا تصویر اس وضع میں تھی کہ پاؤں میں سونے کی بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور  
 گلے میں سونے کی زنجیر تھی جسے ایک غلام ہاتھ میں سے کھینچتا ہوا آگے آگے جاتا تھا  
 اُس کے جسم پر اس قدر کثرت سے زیور اور جواہرات لدے ہوئے تھے کہ اُن کے  
 بوجھ سے وہ گری پڑتی تھی۔ اور تھکن کی وجہ سے بہت آہستہ آہستہ قدم اٹھا اٹھا کے  
 چلتی تھی۔ اُس کا آراستہ اوزدباشان و شوکت رتھ جس میں بیٹھ کے وہ کبھی شہر روم  
 میں فتحندی کے ساتھ داخل ہونے کا دم داعیہ رکھتی تھی اُس کے پیچھے تھا۔ اور  
 اُس کے آگے آگے وہ پاپیادہ چلی جاتی تھی۔ یہ سب سامان عام پبلک کے سامنے  
 پیش کیے گئے۔ اور حبشہ۔ عرب۔ فارس۔ باختر۔ ہندوستان۔ چین۔ اور  
 ممالک دور و دراز کے سفیروں نے روم کی اقبال مندی کا یہ تماشہ سببت اور  
 حسد کی نگاہوں سے دیکھا۔ الغرض یہ طفلانہ حرکتیں تھیں جو اورلین قیصر کی واپسی پر  
 رومۃ الکبریٰ میں کی گئیں۔ مگر لطف یہ ہے کہ باوجود ان حرکتوں کے دیکھنے کے یورپ  
 آج بھی برابر ایران اور عموماً مشرقی درباروں کو فضول خودغمانی اور غرورانہ دہوم و جام کا لازم تیار  
 قیصر نے روم میں پہونچ کے زنبو بیہ کی قسمت کا یہ فیصلہ کیا کہ اُسکی جان بخشی  
 ہوئی اور ٹیبویا ٹیودلی کے قریب اُسے ایک خوش قطعہ مکان رہنے کو دیا گیا جہاں کی  
 آب و ہوا نہایت صاف اور لطیف تھی۔ اور جو روم سے ۲۰ میل کے فاصلہ پر تھا۔  
 زنبو بیہ جو اس سے پہلے شام کی ایک پُر سطوت ملکہ تھی یہاں رہتے رہتے  
 چند روز میں روم کی ایک معزز خاتون بن گئی۔ وہاں کے معزز خاندانوں ہی میں  
 اُس کی لڑکیوں کا عقد ہوا۔ اور اُس کی نسل کو ایسا قیام ہوا کہ پندرہویں  
 صدی عیسوی تک ایتالیا میں اُس کے خاندان کا پتہ موجود تھا۔

## ہلینا (قسطنطین اعظم کی مان)

اُس کی ابتدائی زندگی بالکل تاریکی میں ہے۔ کسی کو کچھ بھی نہیں معلوم کہ اُس کے مان باپ کون تھے اور کس درجہ کے لوگ تھے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ نہایت ہی حسین و نازنین پری جمال و مہر طلعت تھی۔ اور ایسی حسینہ تھی کہ جس کی نظر پڑ جاتی فریقہ ہو جاتا۔ ایشیائے کوچک کے شہر بٹینہ میں جسے اہل عرب شہر ”ہما“ کہتے ہیں شہر کے قریب پیدا ہوئی۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ قیصر روم عیسائیوں پر ظلم کرتے کرتے تھک گئے تھے اور نظر آتا تھا کہ اس نے دین کی جس قدر روک لی جاتی ہے اسی قدر بڑھتا جاتا ہے۔ اکثر غر با حضرت مسیح پر ایمان لاتے جاتے تھے۔ اور اندر ہی اندر اُن کی تعداد بڑھتی جاتی تھی۔ اس کے ساتھ مسیحیوں میں جوش بھی بچا تھا اور بلا کا تھا۔ جن کے مقابل تمام پرانے بت پرستان روم کا جوش پھیکا پڑ گیا تھا۔ وہی روم مسیحیوں کی تعداد بڑھا رہی تھی اُس نے اس حسین لڑکی کو بھی مسیحیت کا شہنا بنا دیا۔ اور بٹینہ کے ہتھکے پاس جاکے اُس کے ہاتھ پر ایمان لائی۔ اور نہ ہی کتابوں کی تعلیم پانے کے ایک تعلیم یافتہ لڑکی بن گئی۔

قسطنطین کلوروس جو قیصر قسطنطینوس کا معتد علیہ افسر تھا حملہ آور سی کے سلسلہ میں ادھر آیا۔ اتفاقاً اُس کی نظر ہلینا پر پڑ گئی۔ اور دیکھتے ہی سو جان سے عاشق ہو گیا۔ فلج کو ایک منقوح شہر کی لڑکی پر وہ چاہے کیسی ہی حسینہ ہو دسترس پانا کون مشکل تھا اسے ساتھ لے کے یزنٹائن (موجودہ قسطنطنیہ) میں گیا۔ اور اپنی ناز آفرین محبوبہ کے رکھنے لگا۔ ہلینا مسیحیہ ہو چکی تھی مگر اُس کے رومی نژاد شوہر کا مذہب وہی پڑنا شہر کا

نذہب بت پرستی تھا۔ وہاں اُس کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوا جسکی ولادت کے ساتھ  
 نجومیون نے قسطنطینوس قیصر سے کہا کہ دریہ لڑکا عنقریب سارے روم کا مالک ہو جائیگا  
 اور اہل روم کے مذہب کو بھی بدل دیگا۔ یہ سنتے ہی قسطنطینوس اُس کے خون کا پیاسا  
 ہو گیا۔ باپ سے سوال اس کے اور کچھ نہ بن پڑا کہ بی بی کو مع بچہ کے اُس کے میکے میں بھیج دیا  
 ہلینا اگرچہ اپنے مذہب پر متہل تھی مگر اس کی جرات اسے مشکل سے ہو سکتی تھی کہ بیٹے  
 کو بھی اپنے مذہب کی تعلیم دے۔ مگر بچہ کو باپ سے جدا اور مان کے وطن میں رہنے  
 سے اور کچھ نہیں تو اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ اُس کے دل میں اگر مسیحیت نہیں تو مسیحیوں  
 کی ایک گونہ محبت ضرور پیدا ہو گئی۔ چند روز بعد جب قسطنطینوس قیصر مر گیا تو اقبالند  
 ہیا باپ کے پاس جا کے رہا۔

قسطنطین کلو رس نے ہیلانہ کو یا تو اُس کی مسیحیت کی وجہ سے یا اور کسی بنا پر طلاق  
 دیدی اور تقسیمیا نوں ہرقل کی بیٹی سے عقد کر لیا۔ جس سے ہیلانہ مصیبت اور  
 تنہائی میں پڑ گئی۔ مگر اپنے بچہ کی امید پر مصیبت کے آیام صبر و سکون سے کاٹی رہی  
 اب یہ لڑکا رومی رولج کے مطابق اپنے باپ کے نام قسطنطین کا وارث ہوا۔ اور اپنے  
 کارناموں اور اپنی بے نظیر کامیابیوں اور اقبالندیوں کی بدولت قسطنطین اعظم کے لقب  
 سے مشہور ہوا۔ اُس کا باپ آخر زمانہ میں مغربی قلمرو روم کا حاکم تھا۔ اور اُس کے مرنے  
 پر وہی اُس کی حکومت کا جانشین ہوا۔

ان دنوں روم میں ایک ہی زمانہ میں دو شہنشاہ رہا کرتے تھے۔ چنانچہ مغربی قلمرو  
 روم کا حاکم قسطنطین تھا۔ جو حلاقہ گالیا (فرانس و جرمنی) میں رہتا۔ اور دوسرا فرمانروا  
 مقسطیوس تھا جو خاص رومہ الکبریٰ میں تھا۔ دونوں میں رقابت و عداوت بڑھتی گئی  
 اور قسطنطین اپنے لشکر کو روز بروز زیادہ زبردست اور مضبوط بناتا رہا۔ لیکن جس طرح  
 خلافت عباسیہ میں امین اور اماموں کے جھگڑوں میں عرب اور بنی عباس امین کے طرفدار

تھے اور عجیبی مامون کو چاہتے تھے اور اسے اپنا بھانجا کہتے تھے کیونکہ اس کی ماں مرچل  
عجیبہ تھی اسی طرح روم میں رومی بت پرست مقنطیس کے طرفدار تھے اور مسیحی لوگوں  
کو قسطنطین سے زیادہ محبت تھی جسے وہ اپنا بھانجا بتاتے کیونکہ مسیحیہ عورت کا لڑکا  
تھا۔ قسطنطین نے دیکھا کہ جیسا سچا جوش اور جیسی مستعدی و جانبازی آج کل عیسائیوں  
میں ہے بت پرستوں میں نہیں مسیحیوں کی امتثال شرمع کی۔ اور آسمان پر ایک نئی  
صلیب دیکھ کے صلیبی جھنڈا بنایا جس کے آگے مسیحی دوڑ دوڑ کے سر جھکا دیتے تھے  
اس سے پیشتر مسیحیوں نے صلیب کو اپنا دینی شعار نہیں قرار دیا تھا۔ مگر قسطنطین کی  
روحانی آنکھوں نے رومیوں ہی کے مذاق کا ایک بت آسمان پر دیکھ کے عیسائیوں کو  
دکھایا انھیں دیکھتے ہی حضرت مسیح کی شہادت و مصلوبی یاد آگئی اور دوڑ دوڑ کے  
اس کے آگے جوش و خروش سے سر جھکانے لگے۔ یہ سلسلہ کا واقعہ ہے۔

آخر قسطنطین صلیبی علم اور جانباز مسیحیوں کا زبردست لشکر بٹھائے ہوئے رومۃ الکبریٰ  
پر چڑھ آیا۔ حریف کو شکست دے کے قتل کیا۔ اور لڑے بھڑکے رومۃ الکبریٰ میں داخل ہوا  
مگر یہاں کے لوگوں نے جو اپنے قدیم مذہب کے دلدادہ تھے اس کا استقبال نہایت  
سرمزاجی سے کیا۔ اور ان سے وہ گرجاؤں میں ظاہر ہوئی جس کو قسطنطین چاہتا  
تھا۔ یہ دیکھ کے اسے رومۃ الکبریٰ سے نفرت ہو گئی۔ اور مشرق کا سفر کر کے پرلے  
شہر نیرنٹیم آیا۔ اور اسے خوب آباد کرنا شروع کیا۔ جس کا نام اس کی یادگار میں  
قسطنطینیہ قرار پایا۔

اب قسطنطین ساری مملکت روم کا شہنشاہ تھا اور کسی کی مجال نہ تھی کہ اسکی  
برابری کا دعویٰ کر سکے۔ اس کی ماں جو باپ کے زمانہ سے نکالی ہوئی تھی قصر شہنشاہ  
میں آ کے والدہ سلطانہ بنی۔ جس کا قسطنطین نہایت ہی ادب و لحاظ کرتا تھا۔ اور  
قسطنطینیہ میں جو آج تک جو یہ طریقہ جاری ہے کہ شہنشاہ کی ماں اصلی مالک سلطنت

اور ملک بھر میں سر پہ زیادہ واجب التعظیم تسلیم کجاتی ہے غالباً یہ ہلینا ہی کے زمانہ کی سنت ہے اس میں شک نہیں کہ دین اسلام کے رو سے بھی مان کی ویسی ہی تعظیم ہونی چاہیئے جیسی کہ قسطنطنیہ میں کی جاتی ہے لیکن کسی اور اسلامی سلطنت و مملکت میں بادشاہ کی ماؤں کو ویسا امتیاز نہیں حاصل ہوتا جیسا کہ وہاں دیکھا جاتا ہے۔

اب تخت و تاج حاصل کرنے کے بعد قسطنطنین کو اپنا سب سے بڑا فرض یہ نظر آتا تھا کہ عیسائیوں کے احسان کا معاوضہ کرے جن کی جان بازی سے اُسے سلطنت ملی تھی اس بارے میں اُسکی مشیر اُس کی مان ہلینا ہی تھی جو کھلی مسیحیہ تھی۔

قسطنطنین اعظم کی نسبت بعض لوگوں نے لکھ دیا ہے کہ وہ عیسائی ہو گیا تھا۔ مگر اسکا کوئی ثبوت نہیں موجود ہے۔ بے شک اُس نے عیسائیوں کی سجدہ طہاری کی بہت تقلید میں جگہ جگہ اُن کے لیے کینیہ اور عبادت خانہ تعمیر کرائے۔ سلطنت روم کے قوانین میں عیسائیوں کے متعلق جو سختیاں تھیں دُور کر دیں۔ اس سے بھی بڑھ کے یہ کیا کہ عیسائیوں کی حالت اس وقت تک بالکل غیر متعظم تھی۔ ان کے عقائد و مسائل میں باہم سخت اختلاف پڑ گئے تھے۔ قسطنطنین نے متقیہ میں عیسائیوں کی سب سے پہلی دینی کونسل منعقد کی۔

جس میں تمام ملکوں کے اسقف اور پوپ شریک ہوئے اور قرار دیا گیا کہ ایک ہی مسیحی کے کیا عقائد ہونے چاہئیں اور تثلیث کا مسئلہ بھی کونسل نے طے کیا۔ اور جو اسقف توحد تھے اور تثلیث کے مخالف تھے محدودے دین تہراد دیئے گئے۔ اس کونسل میں قسطنطنین خود بھی شریک ہوا مگر اُسی طرح جیسے محمد بن ایجوکیشنل کانفرنس میں کبھی لفٹنٹ گورنر بہادر آجاتے ہیں۔ باوجود عیسائیوں کی ایسی طہرداری کے اُس نے رومیوں سے اپنی تعلقات منقطع نہیں کیئے تھے۔ سینیٹ صوفیا جو آجکل مسجد ہے اور اس سے پہلے کینتھی اسی

قسطنطنین کی بنائی ہوئی ہے جسے اُس نے مسیحیوں کے لئے نہیں بلکہ علم کی دیوی کے مندر کی حیثیت سے تعمیر کرایا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں نے تو قسطنطنین کا نام اپنے

سینٹون دویلیون کی فہرست میں درج کر لیا۔ اور بت برستون نے اسی خوشی سے اپنا ایک دیوتا تسلیم کر لیا۔

بیت المقدس اور ارض فلسطین میں مسیحیوں کے خوش کرنے کے لیے اُس نے جو کچھ کیا اپنی مان ہلینا کے ذریعہ سے کیا۔ وہ ایک عقیدت کیش زائرہ کی وضع سے اور بڑے عظیم کے ساتھ یہاں آئی۔ جہاں جہاں حضرت مسیح کے تشریف لیجانے کا حال سنایا جن جن مقامات سے آپ کا کچھ بھی تعلق ثابت ہوا وہاں خود گئی۔ اور مناسب مقامات پر گرجے بنوائے۔ بیت اللحم میں آپ کے مولد پر۔ کالوری کی پہاڑی پر یعنی آپ کے مقتل پر۔ نیز اُس مقام پر جے عیسا کی آپ کا دفن بتاتے تھے۔ بڑی بڑی عالیشان عمارتیں بنوائیں اور جس قدر ان نئی زیارت گاہوں کی طرف اُس نے توجہ کی اُسی قدر باہمی حرم یعنی مسجد اقصیٰ کی جانب سے بے پروائی کی گئی۔ اس لیے کہ ارض یہودا کے اصلی عیسائی جو اسکی قدر کرتے تھے فلاکت زدہ تھے۔ اور رومی و یونانی عیسائیوں کو اُس سے سخت عداوت تھی۔ کیونکہ جیسی آزادی وہ چاہتے تھے وہ اُس وقت تک نصیب ہی نہ ہو سکتی تھی جب تک کہ یہود کی پرانی شریعت اور قدیم چیزوں کو کلیتہً ترک نہ کر دیا جاتا۔

ہلینا یہاں بڑی خوش اہمیت دی کے ساتھ آئی تھی۔ صاحبزادہ نے آسمان پر لڑائی صلیب دیکھی تھی۔ اب والدہ محبت مرنے یہاں پہونچکے خواب میں زمین کے نیچے وہ اصلی صلیب دیکھ لی جس پر حضرت مسیح مصلوب کئے گئے تھے۔ چنانچہ اُس کے اشارہ سے کالوری کی پہاڑی پر کھودا گیا تو زمین کے اندر سے تین صلیبیں برآمد ہوئیں حضرت مسیح کے ساتھ دو ڈاکو بھی مصلوب کئے گئے تھے۔ لہذا اس بات کا تو یقین ہو گیا کہ یہ وہی تینوں صلیبیں ہیں۔ مگر اس امر کا فیصلہ کرنا باقی تھا کہ ان میں سے کون صلیب حضرت عیسیٰ والی ہے۔ اور کون ڈاکوؤں والی ہیں۔ آخر خوش اہمیت دی نے اس کا بھی تصفیہ کر دیا۔ ان تینوں صلیبوں میں سے ہر صلیب پر ایک مریض کے سر ہانے رکھی گئی۔ اور صلیب

کی باری میں وہ مریض اچھا ہو گیا۔ سمجھ لیا گیا کہ وہ اصلی صلیب جس پر حضرت مسیح لٹکائے گئے تھے یہی ہے۔ یورپ میں اس صلیب کی بڑی شہرت ہوئی۔ اور اس کے لیے بڑی بڑی ٹرینی ہوئی۔  
 ہوتیں۔ اس کے ٹکڑے کاٹ کاٹ کے بعض معزز زائرین کو دیئے جاتے جو یورپ کے اکثر گرجوں میں اصلی صلیب کے نام سے قائم کیے جاتے۔ اور ان کے سامنے لوگ جابجا کے سجدہ کرتے۔ آخر یورپ میں اتنی صلیبیں بن گئیں کہ اگر وہ ایک جگہ جمع کی جائیں تو پورے جنگل کی لکڑیوں سے بھی ان کی تعداد زیادہ ہوتی۔

الغرض یہ ہلینا ہی کے جُن کا کوشمہ تھا جس نے قلمرو روم میں مسیحیوں کو امن و امان دلوائی۔ اور چند وزیعہ دولت روم کو مسیحی دولت بنا دیا۔ بیت المقدس میں صدا بالیشان گرجے تعمیر کرائے۔ اور آخر یورپ سے پرانے دین کو باطل مٹا دیا۔ وہ جیسا ہم بیان کر چکے ہیں۔  
 مسئلہ کے قریب پیدا ہوئی تھی۔ ۳۲۷ء میں جبکہ اُس کی عمر ۲۷ برس کی تھی۔ اُس کے بطن سے قسطنطین اعظم پیدا ہوا۔ ۳۲۷ء میں جبکہ اُس کی عمر ۶۵ سال کی تھی قسطنطین تخت تاج روم کا مالک ہوا۔ ۳۲۷ء میں جبکہ وہ ۷۷ برس کی تھی بیت المقدس کی زیارت کو آئی۔ اور یہاں کے گرجے بنوائے۔ اور ۳۲۷ء میں ۸۰ برس کی ہو کر دنیا سے رخصت ہو گئی۔

وہ عیسائیوں کی ملکہ استیر تھی۔ جس طرح یہود کو ایک یہودیہ لڑکی کے ملکہ بن جانے سے اسیری میں عروج حاصل ہو گیا تھا ویسے ہی ہلینا کے ملکہ بن جانے سے مسیحیت کے دن پھرے دن ہی نہیں پھرے بلکہ عقبی بھی درست ہوئی۔ کیونکہ عیسائیوں کے مذاق کی اصلی مسیحیت وہی ہے جو نیقیہ کی کونسل میں اصلی مسیحیت اور زریعہ نجات قرار پائی اور ظاہر ہے کہ اگر ہلینا نہ ہوتی تو وہ کونسل بھی نہ ہوتی۔ اور کونسل نہ ہوتی تو شاید عیسائیوں کو اس کے تسلیم کرنے میں غدہ نہ ہو گا کہ سچا دین اور سچی صراط مستقیم قما ہو گئی تھی۔ لیکن ہمیں انوس ہے کہ مسیحی ہی کونسل اور اسی ملکہ کی وجہ سے سچی توحید کی برکتوں سے محروم ہو گئے۔



# ہندوستان

یہ عرب کی ایک صاحب جمال اور پاک نفس و پاک دل شاہزادی تھی جس کا عہد خاص طلوع نیر اسلام کے زمانہ میں تھا۔ اُس کے شباب کا زمانہ جاہلیت میں تھا اور اُس نے وفات اُس وقت پائی جبکہ اُس کے آبائی ملک پر صحابہ کا قبضہ ہو چکا تھا۔

عرب کا جو حصہ عراق سے ملا ہوا ہے جن سرزمین پر بصرہ و کوفہ آباد کئے گئے۔ اور جس کے قرب میں اب کربلا اور نجف وغیرہ کی آبادیاں ہیں یہ ملک عہد جاہلیت میں عرب کی ایک مستمد سلطنت کے زیر فرمان تھا جو سلطنت ”حیرہ“ کہلاتی تھی۔ تاجداران حیرہ اگرچہ نوشیروان عجم کے ماتحت تھے مگر یہ ماتحتی صرف برائے نام تھی۔ اس لیے کہ ان کے نظم و نسق اور انکی آمدنی و محاصل سے دارائے عجم کو کوئی تعلق نہ تھا۔ یہاں نعمان بن منذر کا خاندان حکمران تھا جس سے خسروان عجم سے پرانے تعلقات چلے آتے تھے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ جو نوین سلطنت عجم کے دستور العمل تھے وہ اگلے فرمانروایان حیرہ ہی کے مدون کیے ہوئے تھے۔ کیونکہ یہ لوگ کبھی سلطنت عجم کے وزیر اعظم ہوتے تھے کبھی شاہزادگان عجم کے اُستاد و اتالیق اور کبھی وہاں کے نابالغ تاجداروں کے اتالیق اور نگہبان۔ الغرض یہاں کے فرمانرواؤں نے سلطنت عجم سے خاص قسم کے تعلقات قائم کر لیے تھے۔ جن کا بہت چہرہ لحاظ کیا جاتا تھا۔ خاصہ ان کے مورث اعلیٰ نعمان اول کا تو خسروان ایران بڑا اوپ کرتے تھے۔ یہ سلاطین حیرہ قبیلہ بنی عجم میں سے تھے۔ اور بڑی شان و شوکت اور عجب تمکنت کے لوگ تھے عرب کے تمام حضری و بدوی قبائل میں ان کی شان شوکت کی دھوم تھی اور شہرے عرب ان کی وجہ میں بڑے بڑے پر ڈور قصیدے کہتے تھے۔

انھیں مین کا آخری فرمانروا نعمان بن منذر بن امر القیس تھا جس کی بیٹی ہند بنت نعمان عرب کی وہ مشہور و معروف شاہزادی تھی جس کے حالات ہم اس موقع پر بیان کرنا چاہتے ہیں۔ ہند اپنے زمانہ کی حسین ترین عورتوں میں شمار کی جاتی تھی۔ اُس کی ماں عرب کے ایک سرکش شاہی خاندان بنی کندہ کی شاہزادی ”ماریہ“ تھی جو مذہب مسیحی کی پابند تھی اور اسی وجہ سے ہند بنت نعمان کا مذہب بھی عیسوی تھا۔

مگر بچائے اسکے کہ ہند کا نکاح کسی شاہی خاندان میں ہو عرب کے عبادی قبیلہ کے مشہور شاہزادی بن زید کے ساتھ ہوا جو اُس کے رخِ زیبا کا دیوانہ ہو گیا تھا۔ اس عشق کی بنیادیوں پڑی کہ ہند اپنی عمر کے گیارہویں برس جبکہ حیرہ کے تحت پر اُس کا دادا منذر حکمران تھا۔ مسیحیوں کی عیدِ فصح (ایسٹر) کے موقع پر ایک کینہ کی زیارت کو گئی۔ بہت سی حسین و ہم عمر خواتین اور لونڈیاں ہمراہ رکاب تھیں۔ اور انھیں خواہوں میں ماریہ نام ایک حسینہ بھی تھی۔ ہندان سہیلیوں کے ساتھ گرجے کے ہر حصہ میں جاتی اور بے تکلفی سے ہر چیز کو دیکھتی تھی۔

اتفاقاً اُسی بن زید بھی جو کس لڑکے کے دربار سے انھیں دنوں دیدہ اور انعام دار کم کی چیزیں لے کے منذر بن نعمان کے پاس آیا ہوا تھا اسی وقت اسی کینہ کی زیارت کو آیا۔ اور ہند کی بے تکلفیوں اور نازِ آفرینی کی حرکتوں کو شوق و محویت کی نگاہ سے دیکھنے لگا۔ عدی بھی ایک بہت ہی حسین و خوش رُوح جوان رہنما تھا۔ چنانچہ اُس کے دل پر ہند کے حسن و جمال کا اتنا اثر نہیں پڑا تھا جتنا کہ اُس کی زیبائی اور رعنائی کا اثر ہند کی سہیلی ماریہ کے دل پر پڑا۔ وہ بے اختیار عدی پر عاشق و مغترب ہو گئی۔ دیر تک یہی کیفیت رہی کہ ماریہ عدی کو شوق کی نظر سے دیکھ رہی تھی۔ اور عدی ہند کی بھولے پن کی حرکتوں اور طفلانہ بے تکلفیوں کو مایہ کا فرض تھا کہ ہند کو ہوشیار کر دیتی کہ دیکھو تمہیں ایک غیر شخص شوق کی نگاہوں میں دیکھ رہا ہے مگر وہ عدی کے باغِ حسن سے آنکھوں ہی آنکھوں میں پگھلنے لگی ہو رہی تھی۔ اُسے ہوش کہیں تھا

کہ اپنی شاہزادی کو اس کی بے باکانہ حرکتوں سے روکے۔ ناگہان خود ہند کی نظر عدی پر جا پڑی۔ اور اُسے ہمہ تن اپنی طرف مصروف دیکھ کے شرمائی۔ پھر ساتھ والیوں کو دیکھا کہ ایک اجنبی شخص کی نظموں میں مجھ پر پڑ رہی تھیں اور تم سے آسانہ ہوا کہ مجھے ہوشیار کر دیتیں۔ بلکہ جھنجھلا کے ایک آدھ خواص کو بھی مارا۔ ان اداؤں نے عدی پر اور زیادہ اثر کیا۔

اگرچہ اس پہلے دیدار نے عدی کے دل پر ہند کے حسن کا نقش ڈال دیا تھا لیکن ابھی اس نقش کو زیادہ استقلال نہ تھا۔ اور ممکن تھا کہ چند روز بعد یہ خیال اُس کے دل سے مٹ جاتا۔ مگر ماریہ عدی کی محبت کا جو نقش اپنے دل پر لے کے آئی تھی وہ بہت گہرا تھا۔ وہ اس ہوس میں مبتلا تھی کہ اُس جوان رعنا سے ملنے کا پھر کوئی اچھا موقع ہاتھ آئے۔ اُس کا نام اور پتہ تو اُس نے لوگوں سے دریافت کر لیا تھا۔ تعارف کے لئے کوئی بہانہ ڈھونڈ رہی تھی۔

اب اس واقعہ کو ایک سال گزر گیا۔ اور شاہزادی ہند بالکل بھول گئی کہ فلان کنیہ میں کوئی مجھے گھوڑا تھا۔ اُسے غافل پاکے ماریہ نے اُس کے سامنے ایک اور بڑے رومی کنیہ کی تعریف کی۔ کہا ”وہاں بڑے بڑے عابد و مرتاض راہب خدا کے پاک عابد و زاہد بندے اور بڑی بڑی خدا رس راہبہ عورتیں رہتی ہیں۔ اسکی فلک رفعت سماعت کا مقابلہ کوئی شاہی قصر کر سکتا ہے اور نہ کوئی ایوان عالیشان حیرہ کی تمام عورتیں خصوصاً گنوا ری لڑکیاں اُس کی زیارت کو جاتی ہیں۔ وہاں بڑا بھاری میلہ لگا رہتا ہے۔ اور ہر وقت بڑے لطف کا مجمع ہوتا ہے“ الغرض ایسا شوق دلایا کہ ہند اُس کنیہ کی زیارت کی حید مشتاق ہو گئی۔ اور اپنی مان سے وہاں جانے کی اجازت چاہی۔ ماریہ نے اُس کی مان کو پہلے سے تیار کر رکھا تھا۔ لاڈلی بیٹی کی زبان سے شوق زیارت سننے ہی اُس نے اجازت دیدی۔ اور قرار پا گیا کہ فلان تاریخ شاہزادی نشان و شوکت سے فلان گرجے کی زیارت کو جائے گی۔

یہاں کا بندوبست کرنے کے بعد ماریہ عدی کے پاس دوڑی گئی اور کہا اگر آپ شاہزادی ہند کے جمال جہاں آرا کی زیارت کرنا چاہتے ہیں تو فلاں تارنچ فلاں کینے میں آئیے۔ آپ کو اس روز شوق کی نگاہ سے دیکھتے دیکھا تھا۔ میں نے ترس کھلے بندوبست کر دیا کہ آپ پھر دھنیں دیکھ لیں۔ مگر اتنا خیال رہے کہ ذرا بن ٹھن کے امیرانہ ٹھاٹ سے آئیگا تاکہ ان کے دل پر بھی کچھ اثر پڑے۔ عدی نے احسانندی کا اظہار کر کے وعدہ کیا اور پہلے دیدار کا مزہ اگر اسے بھول بھی گیا تھا تو پھر یاد آگیا۔ روز مقررہ پر اس نے ایک زربفت کی بہت بھاری اعلیٰ درجہ کی شانہ باریب برکی جو ایران کے ایک شاہی خاندان کے معزز رکن رکیں "فرخان شاہ مرد" سے خلعت کے طریقہ پر ملی تھی۔ نہایت ہی نفیس دروغ افزا خوشبو لگائی۔ چند حسین و خوب وادربذلہ سبغ و شوخ طبع نوجوانوں کو ہندب مصاجون کے طریقہ سے ساتھ لیا۔ اور ٹھیک وقت پر کینیہ میں آپہنچا۔

اتنے میں شاہزادی ہند بھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ آئی۔ اس وقت عدی کو اس وضع میں دیکھ کے ماریہ کے دل پر ایسا بے اختیار کر دینے والا اثر پڑا کہ اس کی طرف اشارہ کر کے شاہزادی سے کہا "حضور دیکھئے وہ کیسا جوان رعنا ہے۔ یوں تو یہاں جتنی چیزیں ہیں سب ہی دلچسپ ہیں۔ مگر دیکھنے کے قابل اگر کوئی چیز ہے تو یہ نوجوان ہے ماریہ کی نظر جو اس پر پڑی تو دہن کی ہو گئی۔ بہوت رہ گئی۔ اور کسی اور طرف نظر ہٹانے کو جی چاہتا ہی نہ تھا۔ جہاں کھڑی تھی وہیں کھڑی رہ گئی۔ اور نظر عدی کے رخ زیب پر جمی ہوئی تھی۔ جب شوق نے اور زیادہ بے قرار کیا تو ماریہ سے کہا "میرا جی چاہتا ہے کہ اس جوان کو پاس سے جا کے دیکھوں۔ یہ مجھے پہچان تو نہ لے گا ماریہ نے کہا "پاس جانے میں مضائقہ ہی کیا ہے۔ اور وہ کیا جانے کہ آپ کون ہیں؟" اب ماریہ کے کہنے سے ہند عدی کے قریب گئی۔ اور اس کے حرکات کو دیکھنے اور اس کی باتوں کو سنے لگی۔ عدی نے عمدتاً اس کی طرف سے نظر ہٹائی اور اپنے دوستوں سے مذاق اہر شوخ طبعی کی باتیں کرنے لگا۔

ہند کی پُر شوق آنکھوں کو نظر آیا کہ نہ اس سے زیادہ کوئی حسین و خوب رو ہے۔ نہ کسی کی وضع و لباس میں ایسا بانچہ پن ہے۔ نہ شوخ طبعی و خوش مزاجی میں کوئی اس سے بڑھا ہوا ہے۔ اور نہ فصاحت و بلاغت میں کوئی اس کو جواب دے سکتا ہے۔ اُس کے سارے دل پر ان باتوں کا ایسا اثر پڑا کہ ہوش جاتے رہے۔ اور آنکھیں محدودیدار ہو گئیں۔ اور شوق دل کی بے قراریان اُس کے بھولے چہرے سے نمایاں ہونے لگیں۔ ماریہ جو پہلی کہ اس کے دل پر پورا اثر پڑ گیا ہے۔ جھک کر کان میں کہا وہ آپ جہاں میں تو اس جوان پر ہی تمثال سے باتیں بھی کر سکتی ہیں یا ہند تو اس کی آرزو مند مٹھی ہی عدی سے دو چار باتیں بھی کیں۔

الفرض اس ملاقات کا یہ اثر ہوا کہ عدی اور ہند دونوں گرجے سے واپس چلے تو بیتاب و بے قرار تھے۔ اور ماریہ کا عشق تو اعتدال سے گزر کے بے شرمی و بے حیائی کے درجہ کو پہنچ گیا تھا۔ عدی اس سے پہلے ماریہ کو منہ نہ لگاتا تھا۔ لیکن اب اُس کا بے حد گردیدہ احسان تھا۔ اور وہ دل کا علاج سوا اُس کے اور کسی سے ممکن ہی نہ نظر آتا تھا۔ جس کی وجہ سے اُس کا دوست ہی نہیں بن گیا بلکہ اُس کے آنے اور اُس سے دو باتیں کر لینے کو اپنی خوش قسمتی تصور کرتا تھا۔ گرجے کی ملاقات کے دوسرے دن وہ اُس کے پاس گئی۔ تو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس کا مزاج پوچھا۔ ماریہ نے کہا ”آپ سے میری ایک تمنا ہے“ عدی نے کہا ”دو تمہاری جو تمنا دآرزو ہوگی اُسے سر آنکھوں سے بجا لاؤنگا۔ تمہارے منہ سے نکلے تو سہی“ ماریہ آنکھوں پر بیچائی کی ٹھیکری رکھ کے بولی ”میں تمہارے شوق میں بیتاب ہوں۔ اور آتش فراق میں جل کے محاک ہوئی جاتی ہوں۔ اگر اتنا احسان کرو کہ مجھے اپنی خلوت میں جگہ دو تو وعدہ کرتی ہوں کہ زمین و آسمان کے قلابے ملا دوں گی۔ اور جس طرح بنے گا تمہیں ہند سے ملا دوں گی“ کوئی اور چارہ کار نہ دیکھ کے عدی نے اقرار کر لیا۔ اور جب یہ شرط پوری ہوگی تو ماریہ کو اپنا

اقرار پورا کرنے کی فکر ہوئی۔

عدی سے رخصت ہونے کے ماریہ حیرہ کے ایوان شہر یاری میں آئی تو دیکھا کہ ہند نہایت ہی بے قرار ہے۔ اور اس درجہ متیاب ہے کہ کسی حال میں تسلا نہیں آتا۔ ماریہ کی صورت دیکھتے ہی حسرت کے ساتھ بولی ”اب سینہ میں آگ تم نے لگائی ہے تو تمہیں اس کو بجھاؤ بھی۔ اگر تم نے کوئی تدبیر نہ کی تو میں تروپ تروپ کر مرجاؤں گی۔“ ماریہ بولی ”ہاں ہاں میں جہاں تک بنے گا آپ کی آرزو پوری کر دوں گی۔ آپ کے محل کے چھوڑاؤ فلان مکان ہے۔ میں اُسی میں غد کیولا کے بٹھا دوں گی۔ اور آپ کا جب تک جی چاہیگا کہ کٹھے پر کھڑی ہوں گے اُس سے باتیں کر لیجیگا“ ہند نے شکر گزاری کے ساتھ پوچھا ”تو کب؟“ بولی ”اب جاتی ہوں اس کا بندوبست کر دوں گی۔“

دوسرے ہی دن اُس نے عدی کو اسی وضع و لباس میں لاکے اُس مکان میں بٹھایا۔ اور محل میں آ کے ہند کے کان میں کہا ”لے جا کے اپنے عاشق سے مل آئیے نہ آپ کا منتظر ہے۔“ ہند فوراً کونٹے پر دوڑی گئی۔ دو دنوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور دیر تک اشاروں اشاروں ہی میں اپنا ذوق و شوق ظاہر کرتے رہے۔ اس ملاقات نے آتش عشق کو اور تیز کر دیا۔ اور ہند کی یہ حالت ہو گئی کہ ماریہ سے کہا ”اب اگر تم مجھے عدی کے پاس نہ پہنچا دو گی تو دو ہی تین دن میں مرجاؤں گی۔“

ماریہ نے اب عدی کے پاس جا کے ہند کی یہ میت بانی ظاہر کی۔ اور کہا ”اگر آپ اُس سے شادی نہ کر لیں گے تو وہ تروپ کے مرجائے گی۔ اور آپ پر ادسکا خون ہو گا۔“ عدی بولا ”بھلا میرے لئے اس سے بڑھ کے خوش نصیبی کی بات ہو سکتی ہے؟ لیکن بھلا میری مجال ہے کہ بادشاہ نھان کو اس کی شاہزادی کے لئے اپنا پیام دوں؟“ ماریہ نے کہا ”اس نسبت کو منظور کرنا میرا کام ہے۔ تم پیام تو دو۔ اور جس طرح میں بتاتی ہوں اُس طرح پیام دو۔“

عدی بدتم جس طرح کہوگی پیام دون گلا۔ مگر ڈرتا ہوں کہ وہ بچھڑنے جائیں، ماریے نے کہا کہ ایک کام کرو۔ تم ایک عام دعوت کرو۔ اور اُسی سلسلہ میں ایک دن نعمان کو بھی بلاؤ اُسے کھلا پلا کے خوب شراب پلاؤ۔ اور جب نشہ سے بدست ہو اُس وقت پیام دو۔ اور یقین جانو کہ وہ انکار نہ کرے گا، عدی نے کہا ”خوب سوچ لو۔ یہ جان جو حکم کا معاملہ ہے۔ اگر برہنہ ہو گیا تو مجھے اُسی وقت قتل کر اڈالے گا؟“ ماریے نے کہا ”محل کے اندر میں نے اپنے طور پر پورا انتظام کر لیا ہے۔ تب تم سے کہا ہے تم بے اندیشہ پیام دو“

اس قرارداد کے مطابق عدی نے ایک فرضی تقریب قرار دے کے تمام اہل شہر کی دعوت کی۔ پھر بادشاہ نعمان کو مع اُس کے اہل دربار اور خدم و حشم کے مدعو کیا نفیس پر تکلف غذائیں کھلا کے شراب پلائی۔ اور جب دیکھا کہ نشہ سے جوہر ہا ہے شادی کا پیام دیا۔ مگر اُسے حیرت ہو گئی۔ جب دیکھا کہ نعمان نے فوراً شادی منظور کر لی۔ اُسی صحبت میں نکاح کر دیا۔ اور تیسرے دن میٹی کو خصمت بھی کر دیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد نعمان بن منذر نے جب بجائے خود سو سونچا تو اپنے کیے پر سچ پایا۔ دل میں خیال گزرا کہ عدی نے شراب پلا کے میرے ساتھ دغا بازی کی۔ اور اُسے میٹی دینے سے سیری بڑی توہین ہو گئی۔ مگر اس بغض کو دل میں لیے رہا۔ اور موقع ڈھونڈھتا رہا۔ اُس نے کبر و نخوت کے جوش میں یہ معمول مقرر کر لیا تھا کہ اپنے دربار میں ایک دن تو شفقت و مرحمت کا دن قرار دیا تھا۔ اور ایک دن غیظ و غضب کا۔ اہل دربار تو ان دونوں دنوں سے واقف تھے غیظ و غضب کے دن دُور ہی دور رہتے۔ مگر دروازے ملکوں سے جو شامت زدہ اُہس واپس آ جاتا۔ نہایت بے رحمی سے قتل کر ڈالا جاتا۔ اتفاقاً شامت اعمال سے اُسی غیظ و غضب کے دن عدی اور نعمان کا سامنا ہو گیا۔ بس کیا تھا؟ نعمان کو موقع ہاتھ آ گیا فوراً اُسے

گرفتار کر کے قتل کر ڈالا۔ جس کا انتقام عدی کے ایک بیٹے زید بن عدی نے یون لیا کہ  
خمر و عجم کو اسکا دشمن بنادیا۔ اور نعمان لذتوں تاجدار ایران کی قید میں رہ کے قتل کیا گیا۔  
اس واقعہ کی تفصیل دیکھنا ہو تو ناظرین ہمارے ماول ایام عرب کو ملاحظہ فرمائیں۔

شاہزادی ہند کو اپنے مظلوم شوہر کے مارے جانے پر بڑا صدمہ ہوا۔ باپ سے  
پوچھا کہ سکتی تھی؟ کس کی مجال تھی کہ اُس سر پا سخت فرمانروا کے سامنے شکایت کا  
ایک لفظ بھی زبان سے نکال سکے۔ مگر ہند کچھ ایسی شکستہ دل ہو رہی تھی کہ بمصدق ”ع  
اُس پہ قابو نہیں دل پر تو ہے قابو اپنا“ تارک الدنیا ہو گئی۔ اور عرب کی شریف  
نادیوں کے عام مذاق کے خلاف تمام لذتوں اور مسرتوں سے کنارہ کش ہو کے مسیحی  
راہبوں کی ایک خانقاہ میں بیٹھ رہی جو اُسی کے نام سے منسوب ہو کے ”دیر ہند“ مشہور  
ہوئی۔

ہند کی شادی و کامی و کامرانی کی زندگی تو بہت ہی تھوڑی تھی مگر راہبہ عورتوں کے  
ساتھ بیٹھ کے عبادت کرنے کے لئے اُس نے بڑی طولانی عمر پائی۔ اس خانقاہ میں  
بیٹھے بیٹھے اُس نے کمال بے تعلقی کے ساتھ تقدیر کے بڑے بڑے فیصلہ۔ اور دنیا کے  
حیرت انگیز انقلاب دیکھے۔ اُس نے دیکھا کہ اُس کے مرحوم شوہر عدی کے بیٹے زید  
نے خسرو پر دیز کے حاکم بادشاہ میں رسوخ پیدا کر کے اُسے نعمان بن منذر کے گھرانے کی  
عورتوں کا شوق دلایا۔ اور جب ایوان کسریٰ سے نعمان کی بیلیان طلب ہوئیں تو وہ اپنے  
کنبہ کی تمام عورتوں کو بنی شیبان کی حمایت میں چھوڑ کے خسرو کے دربار میں حاضر ہو گیا  
جہاں قید ہوا اور اسی قید میں مر گیا۔ اب اس کے باپ کا تاج تخت ایاس بن قبیصہ  
طائی کو ملا جو بنی طے کا سردار تھا۔ اور پر دیز نے بنی شیبان سے نعمان کی عورتوں کو  
مانگا۔ انھوں نے انکار کیا۔ اور نتیجہ میں یوم ذی قریٰ کی عظیم الشان لڑائی ہوئی۔  
جس میں عربوں نے ایرانیوں کو شکست دی۔ ایاس طائی کے بعد ہند کے باپ کی طرف



ہملان کا ایرانی سردار آزاد پٹھی والی ملک کی حیثیت سے حکومت کرنے لگا جب وہ بھی ایک مدت دراز تک فرمانروائی کر چکا تو ہند کے بھائی مندر بن نعمان بن مندر کو آبائی حکومت ملی۔

اب حضرت سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے تھے۔ اور عرب کی اُجلی رگ روانہ کا نورانی غارہ دنیا کے منور کرنے کے لئے کرہ ارض کے تاریک چہرے پر لگایا جا رہا تھا۔ سیف اللہ خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) علم اسلام کے چمچم ہدایت کے سایہ میں تھے۔ اب یہاں کی حکومت صحابہ رسول اللہ کے ہاتھ میں تھی۔ کبھی ابو موسیٰ اشعری حاکم تھے۔ اور کبھی ابو ہریرہ۔ کبھی شمشیر حکمرانی ابو بکر کے پنجہ قدرت میں تھی۔ اب وہ کبھی مغیرہ بن شعبہ کے ہاتھ میں۔

ہندوان سب حیرت انگیز انقلابوں اور تقدیر کے کرشموں کو اپنی خانقاہ کے حجرے سے خاموشی کے ساتھ دیکھتے دیکھتے بوڑھی ہو گئی۔ مغیرہ بن شعبہ اپنی حکومت کے زمانہ میں ایک بار اُس ویر خانقاہ کی طرف سے گزرے۔ اور اوس کی عالیشان عمارت دیکھ کے لوگوں سے پوچھا ”یہ کون سی خانقاہ ہے؟“ لوگوں نے کہا ”دیر ہند جس میں نعمان بن مندر کی تارک الدنیا شاہزادی بند رہتی ہے اور وہی یہاں کی ساری راہبہ عورتوں کی سردار ہے۔“ یہ سن کے مغیرہ خانقاہ کے دروازہ پر گئے۔ اور اپنے آنے کی اطلاع کرائی۔ نام سن کے ہند نے اندر بلا لیا۔ اخلاق سے ملی۔ ہرن کی ایک کھال اُن کے بیٹھنے کے لئے بچھوادی۔ اور پوچھا ”آپ نے کیوں تکلیف کی؟“ مغیرہ نے کہا ”میں تمہیں نکاح کا پیام دینے آیا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم میرے عقد میں آنا قبول کر لو۔“ یہ سن کے ہند نے ذرا تامل کیا۔ پھر بڑی متانت کے ساتھ صلیب کی طرف اشارہ کر کے کہا ”میں اسی کی قسم کھا کے کہتی ہوں کہ مجھے اگر ذرا بھی گمان ہو تا کہ حسن جمال اور شباب کی زندہ ولیوں کا کچھ بھی حصہ مجھ میں باقی ہے تو آپ سے ضرور نکاح کر لیتی غالباً مجھ سے شادی کرنے کا خیال آپ کے دل میں اسلئے پیدا ہوا ہو گا کہ میں نعمان

بن منذر کے ملک پر قابض و تصرف ہوا ہوں۔ نوادس کی بیٹی کا شوہر بھی ہو جائوں تاکہ  
اپنے اقربان و امثال پر فخر کر سکوں۔ آپ جس خدا کو مانے ہوں اسی کی قسم کھا کے کہیں کہ ہر نہ  
یہی بات آپ کے دل میں ہے، مغیرہ نے کہا ”بے شک یہی آرزو میرے دل میں ہے۔“  
اُن کی زبان سے تصدیق کے یہ الفاظ سُنتے ہی ہنس بولی ”مگر یہ قیامت تک نہ ہو گا۔“  
گو آپ کی آرزو کے خلاف ہے۔“

اپنے اس شوق میں یلوس ہو کے مغیرہ نے اُس سے بعض قبائل عرب کی شہرت  
اور اُن کی فوقیت کے بارے میں نعمان بن منذر کا خیال پوچھا جس میں ہند نے اُن  
کی مرضی کے موافق اطمینان بخش جواب دیئے۔ اور اُن کی تسفی کر دی۔ آخر مغیرہ بن شعبہ  
اُس سے رخصت نہو کے چلے آئے ساور اُس کی تعریف میں تین شعر پڑھے۔ جن کا  
مضمون یہ تھا کہ ”نسل سلاطین میں جو خوبیاں سنی تھیں وہ بیشک صحیح ہیں۔“  
بس پھر اسکے بعد سے پتہ نہیں چلا کہ ہند کتنے دنوں تک اس خانقاہ میں زندہ  
رہی اور کب اور کس زمانہ میں اُس نے سفر آخرت کیا۔

## سجّاح

نبی اسرائیل میں صد ہا پیغمبر پیدا ہوئے۔ مگر کوئی ایسی عورت نہیں نظر آتی جس نے کبھی جھوٹوں بھی نبوت کا دعویٰ کیا ہو۔ بت پرست اقوام میں دیویان تو ہزاروں بن گئیں مگر نبیہ کوئی نہیں بنی۔ بابل میں سمیرامیس ملکہ تھی جو مظہر الہی تشرار پاک کے قوم کی قابلِ تعظیم و پرستش دیوی بن گئی۔ یورپ میں ہزار ہا ننوں اور ولیہ عورتوں میں سے اکیلی ایک جن آف آرک ایسی عورت ہے جس پر الہیات کا اتنا زیادہ اور ایسا گہرا اثر پڑا کہ اس سے پیغمبری کی شان سی نمایاں ہونے لگی۔ مگر صاف الفاظ میں نبوت کا دعویٰ اس نے بھی نہیں کیا۔ لیکن عرب کے خصائص میں ایک یہ بات بھی ہے کہ اُس میں ایک ایسی عورت بھی پیدا ہوئی جو صریح الفاظ میں نبوت کی دعویٰ کرتی۔ اور جس کا نام سجّاح ہے۔

یہ حادث بن سوید بن عقیقان کی بیٹی تھی۔ ہوا زن کے مختلف قبائل میں سے بنی تمیم میں پیدا ہوئی تھی۔ اور قبیلہ بنی تغلق سے نانہالی قرابت رکھتی تھی۔ عرب کے شمال مشرق میں اُس سرزمین اُس کا نشوونما ہوا تھا جو میان دو آب یعنی دجلہ اور فرات کے بیچ میں واقع ہے جسے یونانی اگلے دنوں مسوپوٹامیا کہتے تھے اور فی الحال دریائوں کے وسط میں ہونے کے باعث الجزیرہ کہلاتی ہے۔

سجّاح بڑی عاقلہ حکیمہ۔ عالمہ۔ اور فضیحہ و بلیغہ تھی۔ اور اسی کے ساتھ الواعزم بلند حوصلہ اور نہایت ہی منتقل مزاج تھی۔ اُس کے حسن و جمال کے متعلق ہمارے پاس کوئی خاص شہادت موجود نہیں ہے۔ لیکن اُس کی باتوں میں اگلے زمانہ کی کاہنہ

عورتوں کے ایسے حکم کی شان پائی جاتی ہے اور ایسے خوبصورت جملے منہ سے نکلتے تھے کہ معلوم ہوتا پھول چھترتے ہیں۔ جو لوگوں کو گردہ کر لیتے اور جو شخص اُس کی گفتگو سنتا سلیط و منقاد ہو جاتا۔ اور اس کے ساتھ ستم یہ تھا کہ ابھی شباب کا زمانہ تھا۔ جبکہ الفاظ کو دلبری اور دلربائی میں اُس کے ناز و انداز اور چشم و ابرو سے بھی مدد مل جاتی۔

ان دنوں عرب کی حالت نہایت ہی نازک ہو رہی تھی۔ جناب سرور کائنات صلعم سفر آخرت فرما چکے تھے، تمام صوبجات عرب اور تقریباً کل قبائل دین اسلام قبول کر چکے تھے۔ اور ایک روحانی تہذیب کے ساتھ سارے عربوں میں اتحاد و اتفاق پیدا ہو چکا تھا۔ جن کے ذمہ یہ فرض عائد کیا گیا تھا کہ بجائے کسی قسم کے خراج کے زکوٰۃ کی رقم بطینین میں بھیجا کرین تاکہ وہ رقم ملکی مصالح اور تمدنی ضرورتوں میں خرچ ہو کرے۔ جناب ابو بکر صدیق رض جو خلیفہ ہوئے تو مختلف قبائل عرب میں یہ شک پیدا ہوا کہ اب حضرت رسالت کے بعد بھی زکوٰۃ کی رقم مدینہ میں بھیجی جائے یا نہ بھیجی جائے۔ اس شک کے ساتھ ہی مختلف مقامات میں کسی شخص پیدا ہو گئے جنھوں نے بجائے خود نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور جو لوگ رقم زکوٰۃ کے بیٹھنے میں تامل کر رہے تھے انھیں مخالفت پر اور اُٹھا روایا۔ اور سارے عرب میں بغاوت کی آگ سی لگ گئی۔ صرف ایک مکہ منظمہ تو سراطعت جھوٹے رہا جو مخالفت کا پورا جوش ابتدائے بعثت ہی میں دکھا چکا تھا۔ باقی تمام بلاد عرب بغاوت پر آمادہ ہو گئے صاف صاف کہنے لگے کہ ہم زکوٰۃ نہ دیں گے۔ اور پھر داعیان نبوت نے اس آتش فساد پر اور تیل ڈالنا شروع کیا۔

یہاں مدینہ کی یہ حالت تھی کہ اس عام شورش اور ہر طرف پھیلی ہوئی۔ بنو نضیر کو خطر ناک تصور کر کے تمام صحابہ اور بڑے بڑے صاحب الرائے لوگ

دب جانے پر آمادہ تھے۔ حضرت عمر کا ساخت مزاج شخص بھی ابو بکر صدیق کو بھی شہید  
 دیتا تھا کئی احوال میں مصلحت ہے کہ جو لوگ اداۓ زکوٰۃ میں عذر کرتے ہیں۔ ان سے  
 تعرض نہ کیا جائے۔ مگر ابو بکر صدیق اپنی ضد پر اڑے ہوئے تھے کہ خدا کی قسم میں توجوئے  
 کا ایک ستم بھی جسے یہ لوگ آنحضرت صلعم کی زندگی میں دیتے ہوں اور اب نہ دیں گے۔  
 ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ اور اس کے لئے ان سے لڑوں گا۔ تم اگر ساتھ نہ دو گے تو اکیلے  
 جلے مقابلہ کروں گا۔ مگر اسے گوارا نہ کروں گا کہ اسلام کا ایک رکن ٹوٹ جائے۔  
 جبکہ مدینہ میں یہ حالت تھی طلحہ ایک طرف۔ اسود دوسری ایک طرف اور مسیہ کذاب  
 اسیطرب نبوت کے دعوے کر کے اپنے اپنے ہم وطنوں اور قبیلوں کو توڑ توڑ کر  
 مدینہ کے مخالف بنا رہے تھے۔ سجاج بھی اپنے وطن الحزیرہ سے تیسرا۔ دیگر قبائل  
 ہوازن اور اپنے نانہالی قرابت داروں بنی تغلب کا ایک لشکر عظیم لے کے روانہ ہوئی کہ  
 حجاز کے پیغمبر امی (صلعم) کے مقابلہ میں اپنی نبوت کا آوازہ بلند اور ابو بکر صدیق سے  
 مقابلہ کرے۔ ہذیل بن عمر ان جو بنی تغلب کا ایک نامور سردار اور عسوی الذہب تھا  
 دین مسیحی کو چھوڑ کے سجال پہ ایمان لے آیا۔ اور اُس کے ساتھ ہی دیگر قبائل کے اور  
 بھی بہت سے صاحب اثر سردار اُس کے مطیع و منقاد بن گئے اُس کا کلمہ پڑھنے لگے  
 زیاد بن ہلال بنی اباد کے لوگوں کے ساتھ۔ عقیقہ بن ہلال بنی نمس کے ساتھ۔ سلیل بن  
 قیس بنی شیبان کے ساتھ آئے اُس کے لشکر میں مل گئے۔ اور سجاج کے جھنڈے  
 کے نیچے لپک بڑا بھاری لشکر جمع ہو گیا۔ لیکن ان لوگوں میں باہمی رقابت و عداوت  
 ایسی تھی کہ سب کا ساتھ آخر تک بند نہ سکا۔ اور یہ حالت تھی کہ اگر اس کے کہنے پر عمل  
 کیا گیا تو وہ بگڑ گیا۔ اور اُس کی بات مانی گئی تو یہ بگڑ کھڑا ہوا۔

آخر ان سب کے مجمع میں سجاج نے ایک پراثر اور فصیح و بلیغ تقریر کے ضمن  
 اُبھارا کہ بنی رباب پر حملہ کریں۔ بنی رباب بھی مقابلہ کو تیار ہو گئے۔ اور ایک سخت لڑائی ہوئی۔

جس میں دونوں طرف کے بہت سے لوگ مار گئے۔ مگر قتل و خون کے بعد ان لوگوں سے صلح ہو گئی۔ اور سب ساج اپنے لشکر کو لے کے مقام بناج میں پہنچی۔ یہاں یہ مصیبت آپڑی کہ اُس میں خنزیر بھی تھی۔ اُس کے لشکر پر ناگمان حملہ کر کے اُس کے کئی زبردست اور اعلیٰ درجہ کے افسروں کو گرفتار کر لیا۔ لیکن ساج کی حکمت عملی اب بھی کامیاب ہوئی۔ اُس کے قیدیوں کو رہائی ملی۔ اور اس شرط پر صلح ہو گئی کہ ساج اُس سرزمین کو چھوڑے کسی اور طرف کا قصد کرے۔

اب ساج اپنے عظیم الشان لشکر کو لے کے آگے بڑھی تو ارض میسا میں پہنچی۔

یسامہ میں قبیلہ بنی صغیفہ آباد تھا۔ جن لوگوں کو مسیلہ کذاب نے بہکا کے اپنی نبوت کا معتقد بنالیا تھا۔ انھیں وہ عجیب عجیب وحین سُناتا تھا۔ اور نئے نئے احکام جاری کرتا تھا۔ اور نبوت کی نقل کرنے میں اپنے تمام معاصر مدعیان رسالت پر تفوق لیگیا چنانچہ اُس کی شریعت کا ایک حکم یہ تھا کہ جس کسی کا کوئی جیتا جاگتا بیٹا موجود ہو اُسے دوسری شادی نہ کرنا درکنار اپنی منکوحہ بی بی سے مقاربت کرنا حرام ہے۔ مان اگر بیٹا مر جائے تو اُس وقت تک جائز ہے کہ جب تک دوسرا بیٹا نہ پیدا کر لے۔

مسیلہ نے جب ساج کی نبوت اور اُس کے لشکر عظیم کے سر پر آپہنچنے کی خبر سنی تو بہت گھبرایا۔ اور ڈر کر ایسا نہ ہو میرے گرد و پیش کے قبائل اُس سے جا ملیں۔ اور میری کرکری ہو۔ اپنی قوت کو ساج کے مقابلہ میں کم پاتا تھا۔ اور مقابلہ کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ لیکن چونکہ کیا دہی و مکاری میں کمال رکھتا تھا اس لئے دوسری وضع پر چلا۔ سب ساج کے پاس تحفہ اور ہدیہ بھیج کے اُس کی استقامت کی۔ اور اُس سے دوستی پیدا کرنے کا دھنگ ڈالا۔ اور جب اُسے یون راضی کر چکا تو پیام بھیجا کہ ”مجھے تم سے ملنے کی بڑی آرزو ہے۔ اگر اجازت دو تو حاضر ہوں“ ساج نے اجازت دی۔ اور وہ بنی صغیفہ میں کے چالیس

ہو شیار آدمیوں کو ساتھ لے کے سجاح کے پاس گیا۔ اُس سے محبت کے ساتھ ملا۔ اُس کی صورت و سیرت پر غور کیا۔ اُس کی حالت کا اندازہ کیا۔ اور دلیلیں سمجھ گیا۔ کہ محبت اس بلکی ہے۔ اور اپنے پیروں پر ایسا اثر رکھتی ہے کہ فوج کشی کے ذریعہ سے پیش پانا دشوار ہے۔ یہ ظالم فوج کشی سے نہیں بلکہ حسن و عشق کے کھیل میں زیر ہونے والی ہے۔ اُس کی اس کمزوری کا راز دریافت کر کے میلہ نے خواہش کی کہ آپ میری دعوت قبول کریں۔ اور میرے خیمہ میں تشریف لاکے مجھے منہ راز فرمائیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ میرے آپ کے دونوں کے آدمی خیمہ سے دُور رہیں سجاح نے وعدہ کیا۔ اور میلہ وعدہ لے کے چلا آیا۔

اب یہاں آکے اُس نے ولسنون کا سائیک پر تکلف سُرخ خیمہ کھڑا کرایا اپنے مذاق اور اسکان کے مطابق اُسے اُسی طرح بُنا چننے کے حجابِ عروسی بنایا۔ جس طرح زلیخا نے حضرت یوسفؑ کے دل پر مسح پانے کے لیے اپنا کمرہ اُراستہ کیا تھا۔

میلہ نے اپنے خیمہ کو خوب سجایا لباس میں خوشبوئیں سُندھائیں بھڑکایا۔ اور اس خیمہ کو ایسا بنا دیا کہ پاس بھی کھڑے ہو جائیے تو خوشبو کی لینین چلی آتی تھیں۔

یہ حجابِ عروسی تیار تھا کہ سجاح ملنے کو آئی۔ اُسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ نہایت نرم اور گدگدے فرش پر بٹھایا اور اپنی نبوت سے عشق بازی کا کام لینے لگا کہ بتائیے آپ پر کیا وحی اُتری ہے؟ سجاح بولی "نہیں پہلے آپ اپنی وحی سُنائیں۔ میں پھر عورت ہوں۔ اور آپ مرد ہیں" اس جواب سے میلہ سمجھ گیا کہ سجاح اپنی نبوت میں کمزور ہے اور میر کچھ نہ کچھ دباؤ ضرور مانتی ہے۔ بولا مجھ پر تو وحی اُتری ہے "الم ترکیف فعل ربک بالجہلی" راجع منہا نستہ تسعی من میں صفاق وحشا۔ چونکہ یہ وحی کسی حد

عہ کیا تو نہیں دیکھتا کہ تیرے پروردگار نے عالم کے ساتھ کیا کیا؟ اُس میں سے ایک زندہ جان نکالی جو دوڑتی پھرتی ہے۔ اور جہلی اور احشائیں نے حمل کے آتی ہے۔

میں کبک کے مذاق کے مطابق تھی بولی اور کوئی دلی بھی متاثر نہ ہو سیکھنے کے جب دیکھا کہ  
سبحان نے اتنی نوک جھوک کو گرا کر لیا تو حوصلہ اڑ بڑھا۔ اور بولا "اور خدا نے مجھ پر یہ امتین  
بھی نازل کی ہیں یہ الم ترالی اند خلق النساء افواجاً۔ وحمل الرجال لهن ازدواجاً۔ فتولج فیہن  
ایلاًجاً۔ ثم تخرج ما شیاً اخرجا فیتبینن انتاجاً" اس بے تکلف سورۃ امدول کو ہیجان میں  
لائے والی وحی نے سبحان پر پورا اثر کیا بولی "اشہد انک بنی اللہ" زمین گواہی دیتی ہوں کہ  
آپ پیغمبر ہیں اب کیا تھا میلہ کو منہ مانگی مراد ملی۔ بولا "سنو خدا تعالیٰ نے آدمی زمین  
مجھے دی تھی۔ اور آدمی قریش کو۔ مگر سریش نے نا انصافی کی جس کی وجہ سے خدا نے  
ان کا وہ نصف حصہ ان سے چھین کے تمہیں عطا کیا۔ اور اب میں کمال شتیلاق سے  
کہتا ہوں کہ کیا مناسب نہ ہو گا کہ ہم تم دونوں شادی کر لیں؟ اگر ہماری یہ دونوں فوجیں  
ملیں تو ہم سارے عرب پر قبضہ کر لیں گے؟"

سبحان کے دل پر میلہ کا جادو پورا چلا چکا تھا بولی "مجھے منظور ہے" میلہ نے  
ملہ خوشی کے آپس سے باہر ہو کے کہا "تو پھر دیر کا ہے کی ہے۔ آؤ" اور اب گتائی  
کا حوصلہ اس قدر بڑھ گیا تھا کہ اُس نے چند نہایت ہی بخش شعر پڑھے جنہوں نے سبحان  
کو بھی اُس کی طرح بالکل مست و دیوانہ بنا دیا۔ الغرض دونوں کی رضامندی نے  
چٹنگنی پٹ بیاہ "کی مثل پوری کر دکھائی۔ اور بغیر کسی سے پوچھے گچھے اکیلے ہی اکیلے  
عقد نکاح کر لیا۔ ان دونوں پیغمبروں کی امتین ملاقات کے فیصلہ کا انتظار کر رہی تھیں  
اور یہاں دونوں پر شوق صاحبان اُمت دو لھاؤ طین بنے عجائبی عروسی کے مزے  
لوٹ رہے تھے۔ اور شوق وصال ایسا بڑھا ہوا تھا کہ تین دن تک خمیسے باہر نہ نکلتے۔

عہ کیا تو خدا کو نہیں دیکھتا کہ غول کے غول عورتوں کے پیلے کیے۔ مردوں کو ان کا چڑا بنا دیا۔  
جوان میں دُخول کرتے ہیں۔ پھر ان میں سے چلتا پھرتا بچہ نکالتا ہے۔ اور وہ ہمارے لیے  
نیز بخش ثابت ہوتی ہیں +



تیسرے دن سباح رخصت ہو کے اپنے معتقد دن میں گئی تو ان لوگوں نے جو انتظار کرتے کرتے بے صبر ہو رہے تھے۔ صورت دیکھتے ہی پوچھا ”سیلہ سے کیا ٹھہری؟“ بولی ”وہ بنی برحق ہے لہذا میں نے اُس کی نوبت تسلیم کر کے اُس سے شادی کر لی“ لوگوں نے حیرت زدہ ہو کے پوچھا ”اور مہر کیا قرار پایا؟“ گھبرا کر بولی ”یہ پوچھنا تو میں بھول گئی“ ساتھیوں نے کہا ”تو اسی وقت جا کے اپنے مہر کا فیصلہ کیجئے“ سب کے عجور کرنے سے اُسی وقت پلٹی۔ لیکن یہاں آ کے دیکھا تو سیلہ بھاگ کے اپنے قلعہ میں ہود رہا تھا۔ اور دروازہ بند کر لیا تھا وہ دل میں سہما ہوا تھا کہ ایسا نہ ہو میرے اس فضل کو سباح کے ساتھی اپنی تحقیر تو بین خیال کر کے مجھ پر یورش کریں۔ سباح نے اطلاع کرائی اور بلوایا تو اُس کو اس قدر خوف غالب تھا کہ باہر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ کوٹھے پر آ کے سامنے کھڑا ہوا اور پوچھا؟ ”اب کس لئے آئی ہو؟“ سباح نے کہا ”میرا مہر تو بتاؤ۔ آخر مہر میں کچھ دو گئے یا نہیں؟“ بلوایا ”وہاں مہر ضرور ملے گا۔ تمہارا مؤذن کہاں ہے اُسے بلوایا“ فوراً سباح کا مؤذن شبث بن ربیع ریاحی حاضر ہوا۔ جس سے سیلہ نے کہا ”وہ جاؤ تمام مومنین میں بچاؤ کہ محمد و صلعم“ خدا کے پاس سے جو پانچ نمازین لائے تھے ان میں سے دو عشا اور غبر کی خدا نے سباح کے مہر میں مومنین پر سے معاف کر دیں“ یہ مہر پاک سباح واپس چلی تو اُس کے اصحاب کبار میں سے عطار بن حاجب عمر دین اییم غیلان بن خرشہ اور وہی اُس کا مؤذن شبث بن ربیع ہمراہ رکاب تھے۔ اور حاضا موش تھے۔ عطار نے اپنی حالت پر غور کیا تو استعجاب سا معلوم ہوا۔ اور یہ شعر پڑھا۔

وہی صحت انبیاء الناس ذکر آنا

اُسے نبیتنا انی لطف بہا

عہ ہماری پیغمبر ایک عورت ہے جسے ہم نبی کے پھر بن حلاکہ اور سب لوگوں کے پیغمبر ہیں +

اب مسیلہ سے صلح تو ہو ہی گئی تھی۔ صلح کے شرائط میں گفتگو شروع ہوئی مسیلہ نے کہا کہ تم علاقہ یمامہ کا ایک سال کا محصول لو اور چلی جاؤ۔ اُس میں سے نصف میں اسی وقت دیتا ہوں اور نصف کے لئے تم اپنا کوئی مختار چھوڑ جاؤ۔ چند روز میں وہ بھی دے دیا جائے گا۔

سجاح نے یہ شرط قبول کی۔ اپنے متعدد علیہ لوگوں میں سے ہذیل بن عقیقہ اور زیادہ کو یمامہ میں چھوڑا اور خود اپنے تمام لشکر کے ساتھ ارض جزیرہ کی طرف واپس روانہ ہوئی۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب وہ مدینہ پر چڑھائی کرنے اور حضرت صدیق سے لڑنے کے لئے آئی تھی تو مسیلہ سے شادی کر کے واپس کیوں چلی گئی۔ حالانکہ خود مسیلہ بھی اسی دُشمن میں تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ شادی کے بعد اُسے یہ خیال ہوا کہ اب ساری ذمہ داریاں مسیلہ کے سر ہیں۔ اور اسی کا کام ہے کہ سارے عرب پر قبضہ کر کے جو ملک میرے نامزد کیا ہے میرے حوالہ کرے۔

مگر وہ ادھر گئی ہی تھی کہ حضرت صدیق کی جانب سے خالد بن ولید علم اسلام لائے ہوئے یمامہ میں آ پہنچے۔ اور اگرچہ نہایت ہی سخت لڑائی ہوئی جس میں بعض وقت صحابہ رسول اللہ کو ناکامی کی جھلک نظر آنے لگتی تھی۔ لیکن آخرین اسلام کی فتح ہوئی۔ مسیلہ کذاب مارا گیا۔ اور جن لوگوں کو سجاح ملک کی نصف آمدنی لینے کے لئے چھوڑ گئی تھی وہ لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔

مسیلہ کے بعد ہی باقی تمام مرتدوں اور مدعیان نبوت کا خاتمہ ہوا۔ اور پھر سارے عرب پر وہی ہی حکومت قائم ہو گئی جیسی کہ جناب سے سرور کائنات صلعم وفات کے وقت چھوڑ گئے تھے۔

سجاح کو پھر کبھی فوج کرنے یا سرکشی کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ نبی تغلبین شہر کے نہایت ہی امن و آمان اور خوشی کی زندگی بسر کرنے لگی۔ یہاں تک کہ جناب

معاویہ کا زمانہ آیا۔ اور ایک سال قحط پڑا۔ جس میں معاد یہ نے بنی تغلب کو بصرے میں آباد کرایا۔ جن کے ہمراہ سجاح بھی بصرہ میں آ کے مقیم ہوئی۔ اور اُس نے اور اُس کی ساری قوم نے دین اسلام قبول کر لیا۔ مسلمان ہونے کے بعد سجاح سے پوری دینداری ظاہر ہوئی۔ اور خاتمہ پختہ ہوا۔ سمرہ بن جندب نے جو صحابہ رسول اللہ میں تھے۔ اور اُن دنوں بصرے کے حاکم تھے اُس کی نماز جنازہ پڑھائی۔

بہر حال سجاح تو نہ رہی۔ مگر دنیا میں نام کر گئی۔ اور وہ کام کیا جو آج تک دنیا کی اس ساری عمر میں کسی عورت سے نہ ہو سکا تھا۔

## اوغرا (ملک روس)

روس کی ملکہ کیتھرائن کا نام بہت مشہور ہے جو شہنشاہ پطرس اعظم کی ملکہ تھی اور اُس کے بعد وارث تاج و دیہیم ہوئی تھی۔ اور جس کے حالات اسی کتاب میں مری جگہ درج ہیں۔ مگر اُس سے بہت پہلے سلطنت مذکور کے ابتدائی عروج کے زمانے میں ایک اور ملکہ گزری ہے۔ جس کے کارنامے کیتھرائن کے کارناموں سے زیادہ بڑھے ہوئے ہیں۔ اور دراصل اُسی کے زمانے سے سلطنت روس کا ستارہ چمکا۔ اُس کا نام دنیا میں مشہور ہوا۔ اور تہذیب و تمدن کی بنیاد پڑی۔ یہ مندرجہ عنوان ملکہ اولغا تھی جو تیسرے بلکہ دراصل دوسرے تاجدار روس اغور کی ناز آفرین بی بی اور ملک کی محبوبہ عام ملکہ تھی۔

سلطنت روس کے آغاز کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ سحر اسود کے شمالی اور یورپ کے مشرقی و شمالی علاقہ میں قدیم الایام اور شہر مدینہ الکبرے کی بنیاد پڑنے سے بھی

پہلے سلاوی نام ایک قوم رہتی تھی جن کی بت پرستی سب سے جدا اور جن کی زبان یونانی سے ملتی جلتی تھی۔ اس قوم کے بہت سے غول اور گردہ دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ اور بہادری میں شہرت رکھتے تھے۔ ان لوگوں کے گرد ہون کا سلسلہ شمالی حصہ برع مسکون میں ترکون اور مخلون کے غولوں سے آ ملا تھا۔ انھیں مین سے ایک گردہ کے سرخار دوسرے گردہ رورک نے متعدد سلاوی گردہ ہون اور قبیلوں کو اپنے ماتحت کر کے ایک چھوٹی سلطنت قائم کی جو کہ سلطنت روس کے نام سے مشہور ہوئی۔ صحیح طور پر اسکا پتہ نہیں چلتا کہ اس قوم نے اپنی سلطنت کے لیے روس کا نام کیوں اختیار کیا۔ اس کی کئی توجہیں کی گئی ہیں۔ مگر زیادہ قریب قیاس یہ ہے کہ ان لوگوں کے مذہب میں دو رسا لگی، نام حسین و نازک اناام پر بیان تھیں۔ جو سمندر اور جنگ کی دیویاں مانی جاتی ہیں۔ ان کی نہایت ہی خوبصورت اور دل فریب نیم برہنہ موریتیں بنا کے شوالوں میں رکھتی جاتی تھیں۔ اور ان پر قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں۔ غالباً انھیں کے نام سے اس قوم نے اپنا نام ماخوذ کیا۔

رورک نے قوم کا بادشاہ قرار پاتے ہی شہر نوغراد پر قبضہ کر لیا۔ اور اسی کو اپنا مرکز فرمانروائی قرار دیا۔ ۸۲۹ء میں اس نئی سلطنت کی بنیاد پڑی تھی اور اُس کے سترہ برس بعد ۸۵۷ء میں پہلے فرمانروا رورک نے سفر آخرت کیا جبکہ بغداد کے سریر خلافت پر معتد علی المندپدر ہوا ان خلیفہ عباسی جلوہ افروز تھا اور یونانی تسلیم و روم پر لیو دی سیج دلیور اہب کی حکومت تھی۔

رورک کے مرنے کے وقت چونکہ اُس کا بیٹا اغور نابالغ بچہ تھا اس لیے اُس کے ایک زبردست سردار اولغ نے اغور کو تخت پر بٹھا کے عمان حکومت اپنے ماتحت مین لی۔ اولغ نے ایسے زور و شور سے حکومت کی اور رعایا اور نیز شاہی خاندان کو اُس پر ایسا بھروسہ تھا کہ سو سال تک حکومت کرتا رہا۔ اور

اغور نے بالغ ہونے پر بھی کسی قسم کی مخالفت یا سلطنت کی ہوس نہیں ظاہر کی یہاں تک کہ جب سترہویں وہ مرا تو اصلی تاجدار اغور نے عمان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ اسی اغور کی بی بی ملک اولغا تھی۔ جو شہر سکوف کے قریب کسی گمنام گاؤں میں پیدا ہوئی تھی۔ اور غریب فلک زدہ مان باپ کے آغوش میں فلاکت و مسکنت کے ساتھ پلی تھی۔ مگر حسن و جمال اس بلا کا تھا کہ اونچے اونچے امیروں کی نظر پڑتی تھی جو دیکھتا تیر نظر کا گھائل ہو جاتا۔ یہاں تک کہ اُس کی چشم قمان اور زلف پیمان نے قوم کے سرتاج بادشاہ اغور کو اپنا اسیر کیوں بنالیا۔ چنانچہ اغور نے عمان حکومت اپنے ہاتھ میں لینے سے دس برس پہلے سترہویں اس کے ساتھ شادی کر کے اُسے اپنی ملک اور اپنا شریک سلطنت بنالیا۔

اغور اچھا بادشاہ نہ تھا۔ بے انتہا بخیل تھا۔ اور دولت کی ہوس اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ قوم اور رعایا میں ہر روز نزہہ لے سکتا تھا۔ مگر اولعائے اچھے اخلاق اُس کی نیک نفسی و فیاضی۔ اُس کی فحمت بھری باتوں اور رعایا کے حال پر اُس کی عنایتوں نے بی بی کی جس سے شوہر کو بھی بہت کچھ نیک نام کر دیا۔ اور جب اُس نے عمان فرمانروائی اپنے ہاتھ میں لے لی۔ تو اولعائے ذہانت و کاؤت اور انتظامی قابلیت کے جوہر کھلنا شروع ہوئے۔ اور ساری قوم کی محبوب بن گئی۔

اغور نے ایک ہمسرہ قوم "ڈریولیان" پر فوج کشی کر کے اُسے مطیع فرمان اور باج گزار بنالیا۔ اس کو چند ہی روز گزرے تھے کہ پھر اُسی قوم پر چڑھائی کی اور پہلے سے دنیا خراج طلب کیا جس سے ان لوگوں نے حیرت و قہر ادا کیا۔ دولت سے لدا پھندا غلام و مسلم شہر کیف میں آکے ٹھہرا۔ اور دل میں خیال کیا کہ میں نے ان لوگوں سے ابھی کم رقم وصول کی ہے۔ اور لینا چاہیے۔ پھر ان کمزور غریبوں پر چڑھ گیا۔ اور جتنا پہلا وصول کیا تھا زبردستی ان کے دوبارہ وصول کیا۔ جب یہ رقم بھی ادا ہو گئی تو دل میں کہا

ابھی ان کے پاس بہت کچھ باقی ہے۔ مجھے اور لینا چاہیے، اور کہلا بھیجا کہ یہ کافی نہیں ہے اتنی ہی رقم اور دو، ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن لوگوں کو تین ہزار تین سو نو انگار کی مجال نہ تھی۔ مگر دل میں دشمن ہو گئے اور موقع ڈھونڈھنے لگے کہ کب اور کس طرح اُس کے مقابلہ سے اپنی جان چھڑائیں۔ آخر انھیں موقع مل ہی گیا۔ ایک بار اغور اپنی فوج سے جدا چند خاص رفیقوں کے ساتھ تھا کہ ڈریولیان، لوگ ناگمان اُپرے۔ اُن کے چند رفقا کو چُن چُن کے مار ڈالا اور خود اُسے پھڑکے ایسی بری طرح سے مارا کہ اُس کے قتل کا واقعہ عبرت روزگار ہے۔ دودرختوں کے جو قریب قریب تھے دو ٹٹے کھینچ کھینچ کے قریب کیے پھر ایک مین اُس کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں۔ اور دوسرے مین دوسرا ہاتھ اور پاؤں مضبوط باندھ کے اُن ٹٹوں کو چھوڑا تو وہ اپنی اپنی طرف کھینچے اور اُس کے جسم کے بیچ سے پھٹ کے دو ٹکڑے ہو گئے جو الگ الگ دونوں درختوں میں جا لٹکے۔ اس طرح جان لے کے اُس کے جسم کے دونوں ٹکڑے زمین میں گاڑ دیئے۔ اور اُن پر قبر کی حیثیت سے ایک تودہ بنا دیا۔

یوں ۳۲ سال حکومت کرنے کے بعد ۱۱۷۷ء میں اغور کی زندگی کا چراغ گل ہوا۔ اُس کا بیٹا چونکہ نابالغ تھا اس لئے ملکہ اولفانے شوہر کا ماتم کرنے کے بعد سر پر شہر یاری پر قدم رکھا۔ جبکہ بغداد میں ۲۵ عباسی خلیفہ المظیع لٹکی اور قسطنطنیہ میں قسطنطین پورفیسر و خطبوس الملقب بہ مورخ کی حکومت تھی۔ اولفانے چونکہ بڑی ذہین و دانا اور نیک نفس و نیک کردار عورت تھی۔ اس لئے اُس نے بڑی ہی قابلیت اور شائستگی سے حکومت شروع کی۔ لیکن دلچسپ انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی اور بے قرار تھی کہ اپنے آنجنابی شوہر کے خون کا بدلہ کیونکر لوں۔ اسی اُدھیڑ بن میں گئی تھی کہ ڈریولیان لوگوں کے سردار کی طرف سے بیس منتخب مسدز سفیرون کا ایک پوٹیشن آیا۔ اور اُسے شادی کا پیام دیا۔

اخو کو قتل کر کے ڈریولیان لوگوں کا حوصلہ بڑھ گیا تھا۔ چاہت تھے کہ پوری سکر و  
روس کے مالک بن جائیں جس کی مناسب ترین تدبیر ان کے سردار کے ذہن میں یہ  
آئی کہ مین ملکہ اولغا سے شادی کر لیں۔ اگرچہ اولغا کی عمر اب زیادہ ہو چکی تھی۔ وہ دلیری  
و نماز آفرینی کا نہ مانہ کر گیا تھا۔ تاہم گزشتہ حسن کی چند کمین اب بھی اس کے خوبصورت  
چہرے سے نمودار تھیں جنہوں نے سلطنت کی ہوس میں مل کے ڈریولیان لوگوں  
کے سردار کو از خود رفته کر دیا۔ اور وہ اپنی حالت و حیثیت کو بالکل بھول گیا۔

اس سفارت پر ملکہ اولغا بہت برہم ہوئی۔ مگر چونکہ عقلمند اور انجرام پر خوب  
نظر رکھتی تھی اپنے غمخیز و غضب کو دل ہی میں دبایا۔ اور ان سے کہا ”تمہارا پیلام  
میں خوشی سے متبول کر دیں گی۔ مجھے تو خود ہی اس کی تمنا تھی۔ مگر تم جس کشتی  
میں آئے ہو اسی میں جا کے ٹھہرو۔ میں اپنے امر و ذراہ سے مشورہ کر لوں اور  
اس کے بعد انھیں کل صبح کو تمہارے پاس بھیجوں گی کہ تمہیں تخت و منزلت اور تعظیم  
و تکریم سے میرے قصر میں لائیں۔ اور میں باضابطہ طور پر تمہاری درخواست کو  
قبول کر دیں۔ مگر اتنا خیال رہے کہ تم سوا ان کے کندہوں پر سوار ہونے کے اور  
کسی طرح اور کسی اور سواری پر نہ آنا۔ تاکہ تمہارا خوب رعب ان پر میٹھے جاتے  
اس جواب سے نہایت محظوظ ہو کے وہ لوگ اپنی کشتی میں واپس گئے۔

صبح کو انھیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا کہ امرائے روس ان کے استقبال  
کو پہنچے۔ اور کہا ”بسم اللہ تشریف لے چلئے۔ حضور ملکہ نے یاد فرمایا ہے“ ان  
مسخرون نے کہا ”مگر ہم نہ گھوڑوں پر سوار ہوں گے اور نہ کسی اور سواری پر۔ ہم تو خود  
تمہارے کندہوں پر بیٹھ کے چلیں گے“ روسی امیرون نے کہا ”اب آپ کو اس  
میں اصرار ہے تو ہمیں کیا عذر ہو سکتا ہے؟ ہمیں تو آپ کی خاطر درشتی اور اپنی  
ملکہ کے حکم کو پورا کرنا ہے۔ یا یہ کہہ کے یہ سبھوں نے پیٹھیں جھکا دیں۔ اور کہا ”آئیے بیٹھتے“

یہ بیسیوں آدمی ان کے شانوں پر سوار ہوئے۔ اور انھیں قصر شاہی کی طرف لے چلے۔ لیکن قصر کے پاس پہنچنے کے بجائے اس کے کہ پھاٹک کے اندر داخل ہوں پھر محل کے پچھوڑے لے گئے۔ اور وہاں ایک غار میں جو اسی غرض کے لیے رات ہی کو ملکہ کے حکم سے کھود رکھا گیا تھا پھینک دیا۔ پھر اوپر سے مٹی ڈال کے انھیں زندہ دفن کر دیا۔

اب ملکہ اولغا کو ان لوگوں سے انتقام لینے کا موقع مل گیا تھا۔ ان سفیروں کا کام تمام کرتے ہی ڈیولیان لوگوں کے پاس اپنے چند ہوشیار افسر بھیجے جنھوں نے ان لوگوں کے سردار سے کہا ”ہماری ملک کو آپ سے شادی کرنا خوشی سے منظور ہے۔ آپ کے سفیر جو گئے ہیں قدر و منزلت سے وہاں نہمان رکھے گئے ہیں۔ اور ملکہ مختصر مہ چاہتی ہیں کہ آپ اپنے تمام معزز سرداروں کو بھیجے تاکہ وہ انھیں صوم و صام اور تزک و احتشام سے یہاں لے آئیں۔ کیونکہ بغیر کرف و رادرا اعلیٰ درجے کے جلوس کے وہ اپنے شہر سے باہر قدم نہیں نکال سکتیں“ ڈیولیان لوگوں کا سردار تو ہوس ملک گیری اور اولغا کے عشق میں از خود رستہ ہو ہی رہا تھا۔ فوراً اپنے کل معزز سرداران فوج کو حکم دیدیا کہ جاؤ ملکہ اولغا کو نہایت ہی قدر و منزلت اور شانمانہ شان و شوکت سے لے آؤ۔ یہ لوگ ان روسی سفیروں کے ساتھ نوغراد میں پہنچے۔ جہاں ان کا بہت کچھ استقبال کیا گیا۔ اور اس کے بعد وہ حمام میں بھیجے گئے تاکہ غسل کر کے ملکہ اولغا کی خدمت میں باریاب ہوں۔ جیسے ہی حمام میں داخل ہوئے اس کے دروازے باہر سے بند کر دیئے گئے۔ اور آگ تیز کر دی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی لمحوں میں سب کے سب حمام کے اندر گھٹ گھٹ کے مر گئے۔

یہ بڑی سہولت کے ساتھ ان لوگوں کو نذر اجل کر کے اولغا نے خود روانہ ہونے کی تیاریاں کر دیں۔ اور ایک قاصد کو آگے بھیجا جس نے تیزی کے ساتھ



جاکے ڈریولیان کے سردار کو مشرودہ سنایا کہ ”ملکہ اولغا روانہ ہو چکی ہیں۔ آج ہی کل میں پہنچا  
چاہتی تھیں۔ وہ پہلے اپنے شوہر کی قبر پر ماتم و نوحہ خوانی کریں گی۔ پھر آپ سب صاحبوں  
کو ایک دعوت دیں گی جس کے بعد شادی کے رسوم عمل میں آئیں گے۔“

یہ خوش خبری سنتے ہی سردار ڈریولیان کی یہ حالت ہوئی کہ جامے میں بھولا  
نہ سماتا تھا۔ غور لگاٹھ کھڑا ہوا۔ اور ساری قوم کو لے کے استقبال کے لئے شہر  
کے باہر آیا۔ بڑے ادب و تعظیم کے ساتھ ملکہ اولغا سے ملا۔ لیکن خلاف توقع اس  
کے ہمراہ اپنے ایک سردار کو بھی نہ دیکھ کے پوچھا ”سیرے سردار کہاں ہیں؟“  
جواب ملا کہ ”وہ پورے لشکر دوس کے ساتھ پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔“ اس جواب  
پر وہ مطمئن ہو گیا۔ اور اولغا نے اپنی قرارداد کے مطابق پہلے اپنے شوہر انور کی  
قبر پر نوحہ خوانی کی۔ ماتم کیا جی بھر کے روئی۔ اور اپنی قسیم گاہ میں آکے دعوت  
کا سامان کیا۔ یہ دعوت نہایت ہی پُر تکلف اور شاندار تھی تمام ڈریولیان لوگ  
حسب مرتبہ قدم و منزلت سے بٹھائے گئے۔ دسترخوان چلا گیا۔ سب نے لذیذ  
غذائیں تناول کیں۔ سیرہو کے کھایا۔ اور شراب کے دور چلنے شروع ہوئے۔  
عمدہ فیتی اور تیز شرابیں مہیا کی گئی تھیں جن کے زیادہ تیز کرنے کے لئے کیا عجب کہ  
اُن میں اور بھی مختلف منشی اجزاء ملا دیئے گئے ہوں۔ کیونکہ وہی چار جام میں  
جتنے تھے مدہوش و از خود رفتہ تھے اور شور مچا ہوا تھا کہ

دور چلے دور چلے ساقیا اور چلے اور چلے ساقیا

عین اسی حالت میں کہ کسی کو سرد پا کا ہوش نہ تھا۔ اور ملکہ اولغا لوگوں کی  
از خود رفتگیوں کا تماشا دیکھ رہی تھی۔ ناگہان روسی سپاہی نیزے اور تلواریں لئے  
ہوئے ان لوگوں پر جھک پڑے۔ ڈریولیان لوگوں کی یہ حالت ہوئی کہ بھاگنا چاہتے  
تھے مگر بھاگنے کے قدم نہ تھے۔ اٹھ اٹھ بکے گرتے تھے اور قتل ہوتے تھے جن

چند لوگوں کا نقشہ ہرن ہو گیا تھا وہ تو اپنے سردار کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے باقی  
پانچ ہزار آدمی اُسی جگہ کاٹ کے ڈال دیئے گئے۔

اس طریقہ سے اولغا نے ڈریولیان لوگوں کی قوت بالکل توڑ دی اور انھیں  
حیران و پریشان اور ترسان و لرزان چھوڑ کے اپنے شہر میں واپس آئی۔ ایک پر  
گزر گیا۔ اور ڈریولیان لوگوں کو سوا خاموش پڑے رہنے کے مہراٹھانے کی جہاز  
نہیں ہوئی۔ اولغا کے سینے میں ابھی تک انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ دوسرے  
برس اپنے ننھے بچے کو ساتھ لے کے سپاہ روس کی سپہ سالاری کرتی ہوئی۔  
وہ لگا ڈریولیان پر چڑھ آئی۔ ڈریولیان کو مقابلے کی جرأت نہ ہوئی۔ اپنے قلعہ  
میں جا کے بیٹھ رہے۔ اور پھانگ بند کر لیئے۔ مگر اولغا نے فوراً قلعہ کا محاصرہ  
کر لیا۔ اور بڑی بہادری سے اپنے لشکر کو لڑائی اور قلعے پر دھاوے اور حملے کرتی  
رہی۔ مگر قلعہ نہایت ہی مضبوط تھا۔ ہزار کوشش کی کچھ بھی زور نہ چل سکا۔  
اور ڈریولیان قسم کھا گئے تھے کہ چاہے بھوکے پیاسے مرجائیں مگر قلعے کا دروازہ  
نہ کھولیں گے۔ خلاصہ یہ کہ محاصرے کو ایک مدت گزر گئی اور فوج روس کے  
بنائے کچھ نہ بنی۔

اب ملکا اولغانی تدبیرون میں مصروف ہوئی جو عورتوں ہی کے لئے خاص  
ہیں۔ اور جن سے اکثر عورتوں نے بڑے بڑوں پر فتح پائی ہے۔ اُس نے قلعے  
والوں کے پاس ایک سفیر کے ذریعہ سے کہلا بھیجا کہ کیا ارادہ ہے؟ اب کیا تم  
نے دل میں یہی ٹھان لی ہے کہ قلعے میں پڑے سڑا کر دو؟ اور قلعے کو کر کے مرجاؤ؟  
مانا کہ تمہارا قلعہ مضبوط ہے مگر سد کا کیا انتظام کرو گے؟ اور یہ بھی سہی۔ مگر  
کب تک؟ میں نے بھی قسم کھالی ہے کہ بے فتح کیئے نہ جاؤں گی۔ مان اگر تم صلح  
پر آمادہ ہو تو میں نہایت ہی آسان شرطوں پر تمہارا تصور معاف کرنے کو تیار ہوں۔

اور ایسا علاج قبول کر لوں گی جو شخص برائے نام ہو گا۔ اور جس کا تم پر بار نہ پڑے گا غلط  
 اتنا چاہتی ہوں کہ تم میں سے ہر شخص اپنے گھر سے تین کبوتر اور تین گڑیاں (دھالکی چریان)  
 پرکے میسرے پاس بھیج دے۔ جن سے تمہاری اطاعت کا اظہار ہو جائے گا۔ اور میں اس  
 معمول اور بے آنہار خراج کو لیکر چلی جاؤں گی۔ ڈریو لیان لوگوں کے سرداروں نے یہ پیام  
 سن کے کہہ دیا کہ کون سی مشکل بات ہے؟ اگر ملکہ ایسی نہایت آسان شرط پر صلح کرنے  
 کو آمادہ ہیں تو ہم خوشی سے ان کی اطاعت قبول کرتے ہیں۔ اور عنقریب ہر گھر سے  
 کبوتر اور چڑیاں پھروا کے نذر کر دیں گے۔ دو ہی تین دن کے اندر کبوتر اور چڑیاں ملکہ ملنا  
 کے ملا خطے میں پیش کر دی گئیں۔

ملکہ نے اس عجیب غریب خراج کے وصول ہوتے ہی حکم دیا کہ جتنے کبوتر اور چڑیاں  
 ہیں اتنے ہی گچھتے اور گیند تیار کر کے تیل میں ڈبو دے جانیں اور پھر ان کبوتروں اور چڑیاں  
 کی دھون میں تادون وغیرہ کے ذریعے سے باندھ دے جانیں۔ چسپا ہوں نے فوراً اس  
 حکم کی تعمیل کی۔ اور شہر میں ہی وہ گچھتے اور گیند شعلوں کی طرح روشن کر دے گئے اور  
 ملکہ کے حکم سے وہ تمام کبوتر اور چڑیاں چھوڑ دی گئیں جن کے اڑتے ہی آسمان پر ایک  
 عجیب قسم کی آتش بازی کا تماشا نظر آیا۔ اور معلوم ہوا کہ لشکر روس سے ہزار ہا چڑیاں  
 چھوٹ رہی ہیں۔ اور آسمان ہر آگ سی لگی ہوئی ہے۔ جس تماشے کے دیکھنے کے لیے  
 ڈریو لیان لوگ اپنے کوٹھوں اور تلے کے برجوں پر چڑھ آئے۔ لیکن تھوڑی دیر کے  
 بعد جب وہ کبوتر اور چڑیاں اپنے گھردن اور آستیانوں کی تلاش میں قلعے کی طرف  
 اُڑنے اور اترنے لگیں تو جہاں بیٹھیں اور جس گھر میں آئیں اُس میں آگ لگا دی۔  
 ڈریو لیان بہوت و ہرجا اس گھر سے دیکھ ہی رہے تھے کہ قلعے کے ہر کونے اور آگاہی  
 کے ہر گھر سے شعلے بلند ہونے لگے۔ عورتیں اور بچے بلبلا بلبلا کے گھروں سے باہر  
 نکل آئے۔ اور آخر آگ یہاں تک بڑھی کہ قلعے کے اندر کسی کو پناہ نہ مل سکتی تھی اور

سواجل کے مہربانی کے کوئی معزز تھا۔ گھبراہٹ کے قلعے کے پھاٹک کھول کے باہر نکلے اور  
ادھر ادھر بھاگنے لگے۔

یہ دیکھ کے ملکہ اولغائے فوراً حملہ کر دیا۔ روسی سپاہی ہر طرف سے اُن پر ٹوٹ پڑے۔  
جو بچے بھاگتا رہتا تھا۔ اس طرح ہزار ہا ڈریولیان لوگ مارے گئے اور اُن کی پوری  
قوم تباہ و برباد ہو گئی۔ اولغائے اُن کا خوب اچھی طرح قلع قمع کرنے کے بعد جب دیکھا  
کہ اب قلعے میں جو کچھ تھا جل چکا تو اُس تباہ شدہ قلعے کو اپنے قبضہ میں کیا۔ اور  
اس سرکش گردہ میں ذرا بھی قوت نہیں باقی بکھی کہ کبھی سر اٹھا سکے۔

اس کے بعد وہ غانم و سالم شہر کیف میں ہوتی ہوئی اپنے شہر نوغرا دین پونچھی  
اور سپاہیوں کو انعام و اکرام تقسیم کیا۔ اولغائے اُن لوگوں سے اگرچہ نہایت ہی بیری سخاکی  
اور مکاری کے ساتھ انتقام لیا۔ مگر اس کے بعد پھر کسی امر میں اُس سے کسی قسم کی سنگدلی  
اور بے رحمی نہیں نظر ہوئی۔ دار السلطنت میں واپس آنے کے بعد اُس نے بڑی عقلمندی  
اور عدالت گستری سے حکومت کی۔ اور تمام رعایا کے دل اپنے ہاتھ میں لے لیے۔

اب اُس کی زندگی کا دوسرا رخ نمودار ہوا۔ کیونکہ وہ بہادر اور مدبر ہونے کے علاوہ  
دین کی بڑی پابند اور نہایت ہی عابد و زاہد بھی تھی۔ دین عیسوی سارے یورپ میں  
پھیل چکا تھا۔ اپنی بت پرستی کو ملکہ اولغا اپنی قوم کی قدیم جہالت و بے عقلی کا نتیجہ خیال  
کرتی تھی۔ اور قوم روس محسوس کر رہی تھی کہ متحد بننے کے بعد اُسے کسی اعلیٰ درجہ کے  
متحد مذہب کے اختیار کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ تاہم ابھی اس کو تصور ادا نہ باقی  
تھا کہ قوم روس مذہب عیسوی کو اختیار کرے۔ مگر ملکہ اولغا کو اپنی قدیم بت پرستی کے  
عیوب نظر آ گئے تھے۔ اور ملت مسیحی کے قبول کرنے کے لیے بیتاب تھی۔ مگر اُس کے  
خیال میں یہ مناسب نہ تھا کہ میں جو قوم کی حکمران اور فرمانروا ہوں پرانے مذہب کو  
چھوڑ دوں۔ اور قوم اپنی قدیم حالت پر رہے۔ اس لیے ۵۵۵ء میں جب سلطنت

کو اُس نے خوب مضبوط اور دشمنوں اور خطروں سے صاف کر دیا تھا۔ عمان حکومت اپنے بیٹے کے ہاتھ میں دیدی۔ اور خود تخت شاہی سے اتر کے گوشہ عافیت میں بیٹھ گئی۔ اب اُس کا بیٹا تو اپنے قومی مذہب کا پابند رہا مگر وہ خود آمادہ ہوئی کہ دین سچی اختیار کر کے باقی زندگی ریاضت نفس کشی میں صرف کر دے۔ چنانچہ سلطنت کو بیٹے کے سپرد کرتے ہی اُس نے قسطنطنیہ کا سفر کیا جو کہ اُن دنوں سچی فرقوں میں کلیسا یونان والوں کا مرکز تھا۔ وہاں کے کینسہ سینٹ صوفیا کی عظمت و شوکت زور و زور پر تھی۔ اور اسی شان و شوکت نے اولنا کو اس مذہب کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ یہاں کے مقتدر اعظم (پٹر یارک) نے اُسے ہتھیار دے کے اُس کا سچی نام "پلین" قرار دیا۔ اور اُسے نہایت ہی عزت کے ساتھ تاجدار روم بونیر و جنی طوس الملعب یہ مورخ کے دربار میں پیش کیا۔

قسطنطنیہ سے واپس جاکے وہ گوشہ عزلت میں بیٹھ گئی۔ اور عبادت ریاضت میں اس قدر مصروف ہوئی کہ عیسائیوں نے اُسے سینٹ دولیہ، کا لقب دیا اس زمانے میں اُس نے اس بات کی بھی کوشش کی کہ اپنے بیٹے فرمانروائے روس کو دین عیسوی کا پیرو بنالے۔ مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ اور بیٹے نے اپنے قومی مذہب سے دست بردار ہونا نہیں گوارا کیا۔

آخر اسی عبادت و ریاضت اور رہبانیت و نفس کشی میں اُس نے ۵۴۸ء میں دنیا کو رخصت کیا۔ اور مسیحیوں کے اصول کے مطابق دفن ہوئی \*

# کیتھرائن ملک روس (اول)

ملکت روس میں اس نام کی دو ملکہ گزری ہیں۔ مگر حُسن کی کرشمہ ساز یون کا سب سے زیادہ مکمل نمونہ پہلی کیتھرائن ہے جس کے دلچسپ حالات لکھنے کے لئے ہم نے قلم کو اٹھایا ہے۔

جن لوگوں نے نور جہان بیگم کے حالات پڑھے ہیں وہ تعجب کرتے ہیں کہ کس غربت و مصیبت اور فلاکت و مسکنت کی حالت میں پیدا ہوئی اور محض اپنے حسن و جمال کی قوت سے کس اعلیٰ عروج اور کس شان و شوکت اور عظمت و جہروت کے درجہ کو پہنچ گئی۔ لیکن تبادلہ کر کے دیکھئے تو کیتھرائن کے حالات نور جہان سے زیادہ حیرت انگیز نظر آتے ہیں جو گمنامی میں پیدا ہوئی۔ ایک معمولی سپاہی کے ساتھ نکاح ہوا۔ لونڈیوں کی طرح گرفتار کر کے اپنے وطن سے لائی گئی۔ اور آخر اپنی خوش جمالی کی قوت سے پطرس اعظم شہنشاہ روس کی ملکہ ہی نہیں اُس کے جان و مال کی مالک ہو گئی۔ ان دونوں مشرقی و مغربی شہنشاہ مکیوں میں یہ فرق بھی نظر آتا ہے کہ نور جہان بیگم باوجود اعلیٰ اقتدارات اور اپنے نام کا سکہ تک جاری کر دینے کے نہایت ہی پاک دامن و عصمت شعار تھی اور ہر حال میں اُس کا دامن بے عصمتی کے دھبوں سے پاک رہا۔ بخلاف اس کے کیتھرائن اپنے دامن کو بدکاری و بے عصمتی کی نجاست سے نہ بچا سکی بلکہ عروج کا آغاز ہی بدکاری سے ہوا۔

یورپ کے انتہائی شمال میں اور قطب شمالی سے قریب ایک جزیرہ نما ہے جو مالکائیٹین

اور ناروے پر حاوی ہے۔ یہ جزیرہ نہ نقشہ میں ایسا نظر آتا ہے کہ گویا بر اعظم کے تخت سے بید مجنون کی سی ایک شاخ لٹک کے بائیں طرف جھک پڑی ہے۔ اسی سرزمین میں ایک چھوٹا صوبہ لیوڈونیا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جو سوڈین کی فسطوح میں شامل ہے۔ سلطنت سوڈین کی فوج کا ایک ادنیٰ درجہ کا افسر جان باب، نامی لیوڈونیا میں رہتا تھا جس کے گھر میں آج سے دو صدی پیشتر ۱۶۸۲ء میں ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ جو اُس وقت عزیز دن اور ہم وطنوں کو نہایت ہی بخوش و سبقر قدم نظر آئی۔ بہروز مان کے پیٹ ہی میں تھی کہ باپ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ غریب مان نہایت ہی افسانہ و فلاکت کی حالت میں تھی نہ کوئی خبر کیسے ان تھا اور نہ کوئی پر سان حال۔ تاہم فقر و فاقہ کے ساتھ بسر کر کے تین سال تک دودھ پلایا۔ مگر بمثل مرضاعت کی مدت بھی پوری کرنے نہ پائی تھی کہ معائب زمانہ کو نہ برداشت کر سکی اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کے مر گئی۔

اب اس تین برس کی ننھی سی جان کا کوئی والی و وارث نہ تھا۔ لگاؤں کے ایک اور شخص کو ترس آ گیا۔ اپنے گھر لے گیا۔ اور چند سال رکھ کے پالا۔ اس کے چند روز بعد ایک پرائیمنٹ پادری نے اُسے شہرہ مروین مرگ، میں لیجا کے رکھا اور اپنے لڑکوں کی خدمت پر مامور کیا۔ اب یہ لڑکی ذرا ہوشیار ہو چکی تھی۔ پادری صاحب کے لڑکوں کی خدمت بڑی سرگرمی اور شوق سے بجالاتی۔ اور جان تک بتا انھیں آرام پہنچاتی۔ پادری صاحب کے لڑکے تعلیم پاتے تھے۔ یہ لڑکی پاس بیٹھ کے اُن کو سبق یاد کرنے کا شوق دلاتی۔ اور ساتھ ہی ساتھ اُن سے سیکھ سیکھ کے خود بھی لکھتی پڑھتی۔ اور علم و فضل میں ترقی کرتی۔ یہ لڑکی جیسی حسینہ و جمیلہ تھی ویسی ہی مین و طباع۔ پادری صاحب کے لڑکوں نے تو خیر کچھ نہ کچھ ترقی کی ہی ہوگی۔ مگر اس نوزیداد زمین لڑکی نے چپکے چپکے ہی کچھ ٹپہ کے علم و فضل میں جو مرتبہ حاصل کر لیا

بہت غیر معمولی تھا۔

اب اس حسین و پری جہاں دوشیزہ کا محمد شباب تھا سب جوانی کی راتیں مراؤں کے دن۔ جوانی کی اداؤں نے حسن کی آب و تاب کو چمکا دیا اور شباب نے اُس کی نظرستان کے تیروں پلکوں کے خنجر وں اور ابروؤں کی تلواروں پر پاڑہ رکھ دی سویدن کی کسی سپاہی کی اُس پر نظر پڑی اور نظر پڑتے ہی گھائل ہو گیا۔ اگرچہ اُس کے حسن کا آفتاب حینان عالم کے چراغ گل کئے دیتا تھا۔ مگر غربت و فلاکت کے باعث خود اُسے اپنی اور اپنے اس زاہد فریب حسن کی قدر نہ تھی۔ اُسی پہلے قدروں حسن کے ساتھ نسبت ٹھہر گئی اور سلسلہ عین نکاح ہو گیا۔

شادی کو مشکل سے پورا سال گزرا ہو گا کہ سلطنت روس نے سویدن پر چڑھائی کر کے شہر مرین مرگ پر قبضہ کر لیا۔ اس موقع پر بھی یہی نظر آیا کہ مصیبت اور بُری قسمت نے ابھی تک اُس غریب لڑکی کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ کیونکہ اُن کا شوہر وطن کی حمایت میں مارا گیا۔ اور روسی جنرل بادرزبردستی پکڑ کے اُسے اپنے ساتھ روس میں لے آیا۔

یہی حسین لڑکی کیتھرائن تھی جو ایسی تباہیوں اور بدقسمتیوں کے ساتھ گرفتار ہو کے ملک روس میں آئی ہے۔ لیکن اُس کے یہاں آنے کی شان اگرچہ نہایت ہی بیکارگی و بے حرمتی اور بے کسی و بے بسی کی تھی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ نحوست و بدقسمتی کو وہ اپنے وطن ہی میں چھوڑتی آئی۔ کیونکہ اسی وقت سے نصیبہ نے یاوری شروع کی۔ اور اب اُسے پتی سے بلندی اور ذلت سے عزت کی طرف عروج حاصل ہونا شروع ہوا۔ اس گرفتاری و اسیری سے پیشتر اُس کی زندگی ایسی گنہامی کی حالت میں گزری تھی کہ اُس وقت کے جو کچھ حالات ابھی بیان کیے گئے ہیں افسانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ مختلف راوی مختلف



حالات بیان کرتے ہیں اور اس زمانہ کے مورخوں کو اُن کا بہت کم اعتبار ہے۔ تاہم جو کچھ واقعات ہم نے بیان کیے ہیں یہی سب میں زیادہ معتبر تصور کیے جاتے ہیں۔

الغرض جنرل باور نے کیتھرائن کو لا کے اپنے گھر میں رکھا۔ چونکہ جنرل باور سے اور اُس عہد کے روسی رئیس اعظم لارڈ میچی کوف سے دوستانہ تعلقات تھے لہذا کیتھرائن کی رسائی لیڈی میچی کوف کے گھر میں ہوئی۔ یہ معزز خاتون ستم زدہ کیتھرائن کے حال پر پھر بانی کرتی تھی۔ اور اُسے اپنے اوپر مہربان دیکھنے کے کیتھرائن کبھی کبھی اُس کے وہاں چلی جاتی تھی۔ اتفاقاً ایک دن اُس پر لارڈ میچی کوف کی نظر پڑ گئی۔ اور پہلی ہی نظر میں یہ عالم ہوا کہ مع صبر خصیت ہوا اک آہ کے ساتھ۔ مگر یہ لارڈ صاحب ابھی اپنی آرزو میں دل ہی میں پھپھائے ہوئے تھے کہ ایک دن اُن کے گھر میں شہنشاہ پٹرس اعظم آیا۔ اُس نے جو کیتھرائن کی بانی چٹوئیں دیکھیں تو بے اختیار دل ہاتھ سے نکل گیا۔ پاس بلا کے کچھ پوچھا گچھا۔ جواب میں اُس کی میٹھی میٹھی باتوں اور سُر ملی آواز نے اور زیادہ سحر آفرینی کی۔ اور شہنشاہ زخمی دل کے ساتھ اپنے ایوان شہر یاری میں گیا۔ مگر دل کی یہ حالت تھی کہ کیتھرائن کی صورت ہر وقت نظر کے سامنے پھرتی رہتی۔ آخر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کے شہنشاہ پٹرس نے کیتھرائن سے راہ و رسم پید کیا۔ تعلقات بڑھائے۔ اور اب یہ حالت تھی کہ کیتھرائن کی شوخ نگاہیں اور چلبلی ادائیں روز بروز زیادہ اثر کرتی جاتی تھیں۔

پٹرس چند ہی روز پہلے اپنی پہلی بی بی کو اختلاف مذاق اور باہمی ملاقاتی کی وجہ سے طلاق دے چکا تھا۔ اور اس کا دل پیشتر ہی سے کسی ایسی حسینہ کو ڈھونڈ رہا تھا جسے ہدم و ہنم نہ رہنا کے اپنے دردِ دل میں شریک کرے۔

لیکن ایک ایسی ادنیٰ درجہ کی مجبول الحال عورت کو یک بیک اپنا شریک سلطنت بنانے کی جرأت نہ ہو سکی۔ بغضیہ طور پر کیتھرائن سے ناجائز تعلقات پیدا کر لینے۔ کیتھرائن نے شہنشاہ کا دل اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد روز بروز ایسی جان سستان اداؤں اور دلربائی کے ناز و انداز سے کام لیا کہ چند ہی روز میں بادشاہ اس کا درم ناخیریدہ غلام تھا۔ آخر پٹرس کو اس میں بھی چین نہ پڑا کہ اپنے دل کی مالک معشوقہ سے مخفی تعلقات رکھے اور ظاہر میں نہ مل سکے۔ پوشیدہ طور پر رومی گرہ میں لیجا کے اور پادریوں سے ساز کر کے اس کے ساتھ بالکل مخفی طور پر نکاح پڑھوایا۔ اور کیتھرائن الکنز نیامہ اس کا لقب قرار دیا بغضیہ طور پر تمام مرآین اس نکاح کی بابت سرگوشیاں ہو رہی تھیں۔ جن کا اثر یہ تھا کہ مخالفت کا ہنگامہ دبے ہی دبے سرد پڑ گیا۔ اور سب لوگ اس خبر سے مانوس ہو گئے۔ کہ شہنشاہ کی بی بی ایک ادنیٰ درجہ کی مجبول الحال عورت ہے۔ لیکن شہنشاہ کے دل کو ابھی تک چین نہ تھا وہ اس بات کو بھی گوارا نہ کر سکتا تھا کہ میں تخت سلطنت پر بیٹھ کے دربار کروں اور میرے پہلو میں شہنشاہ بیگم کی حیثیت سے کیتھرائن نہ بیٹھی ہو۔ آخر جب کسی طرح صبر نہ آیا تو اس نے عین اپنے اس نکاح کا اعلان کر دیا۔ اس وقت کیتھرائن کی عمر پورے ۳۳ سال کی تھی جبکہ وہ نہ ایک اٹھارہ سو چار دہ سالہ تھی اور نہ ایسی سن رسیدہ کہ حسن و جمال کا انحطاط شروع ہو گیا ہو۔ خلاصہ یہ کہ اس زمانہ میں وہ ایک ایسی معشوقہ شیریں ادا تھی جو دلربائی و دلبری کے فن میں پورا کمال رکھتی ہو۔ اب کیا تھا۔ جلوت و خلوت میں ہر جگہ کیتھرائن شہنشاہ کے ہمراہ تھی۔ تمام مہمات سلطنت میں مشورہ دیتی تھی اور ملک پر جیسی حکومت کیتھرائن کر رہی تھی خود پٹرس بھی نہ کر سکتا تھا۔

اظہار نکاح کی محرک یہ بات ہوئی کہ شاہ عین دولت عثمانیہ اور سلطنت روس میں لڑائی چھڑ گئی۔ فوج کشی کی ضرورت سے پٹرس کو میدان جنگ میں

جانا ضروری تھا۔ مگر پیار سی کیتھرائن کو چھوڑ کے جانا اُس کے امکان سے باہر تھا۔ کیونکہ بغیر اُس کے ایک دم کے لئے بھی چین نہ آ سکتا تھا۔ اور بہت کچھ غور و فکر کے بعد جب اُسے یقین ہو گیا کہ کیتھرائن کے فراق کو مین کسی طرح برداشت نہ کر سکو گا تو اپنے اُس کے تعلقات آشکارا کر دئے۔ اور پہلے تکلف نکاح کا اعلان کر دیا۔ گید امرائے ملک کو اُس وقت اپنے ملک اور اپنی آزادی بچانے کی فکر میں تھیں کسی نے اُس نکاح کو سُن کے جس کی سُن گن پہلے ہی پاچھتے تھے ناراضی نہیں ظاہر کی اور پُرس اعظم کیتھرائن کو ایک عالی مرتبہ شہنشاہ بگیم کی شان سے ہمراہ لے کے جوش و خروش کے ساتھ میدان جنگ کی طرف روانہ ہوا۔

اس سفر نے کیتھرائن کو پُرس کی نظر میں اور زیادہ عزیز بنا دیا۔ اپنے طرز عمل سے اُس نے خوب اچھی طرح ثابت کر دیا کہ وہ فقط ایک ناز آفرین مجسمین معشوقہ نہیں بلکہ ایک انیس و ہمدرد بی بی۔ بلند حوصلہ والا العزم ملکہ اور صاحبِ دل مشیر و تدبیر بھی ہے۔ وہ ہر معاملہ میں شہنشاہ کو اچھی اور صائب رائے سے مشورہ دیتی تھی۔ افکارہ آلام میں اُس کی دل داری کرتی۔ بیماری میں اعلیٰ درجہ کی تیماردار بن جاتی۔ میدان جنگ میں اُس کے گھوڑے سے گھوڑا ملائے رہتی۔ اور خطر و نہیں کبھی اُس کے پاس سے جدا نہ ہوتی۔ یہی نہیں نیکی اور بھلائی کے کاموں پر بادشاہ کو آمادہ کر کے اُس سے ایسے کام کراتی۔ کہ فوج اور رعایا کے دلوں پر اس کی محبت کا نقش روز بروز زیادہ گہرا پڑتا جاتا۔ سپاہیوں کے ساتھ وہ نہایت ہی لطف و محبت سے پیش آتی۔ اور خود جا کے غریب سپاہیوں کی خدمت کرتی۔ اور تسلی و تسکین کے ساتھ اُن کے حوصلہ بڑھاتی۔

مگر اس لطافت میں ترک روز بروز غالب ہی آتے جاتے تھے عثمانی عساکر بڑھتے چلے آتے تھے۔ اور روک تھام کی کوئی تدبیر نہ بن پڑتی تھی۔ ترکی لشکروں نے شہنشاہ

پٹرس کو نہایت عاجز کر دیا اور اُسے شکست و فاکامی کا بالکل یقین ہو گیا۔ ایسی نازک حالت  
 میں وہ لعل و حزمین متفکر و پریشان اپنے خیمہ میں تنہا جا کے بیٹھ رہا اور دسیوں کو  
 حکم دے دیا کہ خبردار کوئی شخص چاہے کوئی ہو میرے خیمہ کے اندر قدم نہ رکھتے پائے  
 کیقصر اُن نے اُس کی یہ حالت سنی تو بیتابی کے ساتھ دوڑی گئی۔ سپاہیوں نے منع  
 کیا مگر اُس نے پروا نہ کی اور بے تکلف خیمہ کے اندر گھسی چلی گئی۔ شہنشاہ اُس کی  
 صورت دیکھ کے خوش ہوا۔ گویا یہ پیاری محبت بھری صورت دیکھتے ہی دل  
 کو تسلی ہو گئی۔ اور بولا ”خوب آہنیں! اس وقت تمہاری ہی ضرورت تھی تمہاری  
 رائے اکثر صائب ہو اُرتی ہے۔ اب بتاؤ کہ اس معاملہ میں کیا کروں؟“ کیقصر اُن  
 نے غور کر کے کہا ”میرے نزدیک تو یہ مناسب ہے کہ آپ ترکون سے صلح کر لیں۔  
 اور حکم دے دیں کہ اُن کے جن جن شہروں پر روسیوں نے قبضہ کیا ہو چھوڑ دئے  
 جائیں۔ رہا یہ امر کہ آپ سے کچھ ہیں اب ترک صلح پر رضی نہ ہوں گے۔ اس کی میں  
 ذمہ دار ہوں۔ اور وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کا اشارہ پاتے ہی محمد پاشا سپہ سالار  
 ہر دم کوراضی کر لوں گی!“ اس کی یہ تجویز سُن کے پٹرس خوش ہوا۔ اور اُسے  
 صلح کی تحریک کرنے کی اجازت دی۔ کیقصر اُن نے شہنشاہ کا اشارہ پاتے ہی  
 ایک متبرہ ہوشیار اور عقلمند روسی سردار کو بہت سے زروجاہر اور قیمتی تحفوں اور  
 ہدیوں کے ساتھ محمد پاشا کے پاس روانہ کیا۔ یہ سفارت شہنشاہ کی مرضی کے  
 موافق کامیاب ہوئی۔ شرائط صلح طے ہو گئے۔ اور دونوں طرف کے لشکر واپس  
 روانہ ہوئے۔ بعض متاخر مورخین کا بیان ہے کہ اس صلح میں کیقصر اُن کو دخل نہ تھا  
 خیر اُسے دخل ہو یا نہ ہو لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ خود پٹرس عظیم کو  
 اس بات کا پورا پورا یقین تھا کہ ترک سپاہیوں کی دست برد سے بچے اور میرے  
 لشکر کو حکم ہی نے اپنے حق کارگزاری سے نجات دلائی۔ چنانچہ اسی زمانہ میں کیقصر اُن

کے احسانات کے ادائے شکر یہ کے طور پر پٹرس اعظم نے معزز و کار گزار خاتون کی عزت افزائی کے لیے ایک زمانہ اعزازی تحفہ اور خطابات ایجاد کیا جو سینٹ کیتھرائن کے لقب سے آج تک مروج ہے۔

اس صلح کے تین سال بعد کیتھرائن کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کی ولادت پر ناز و وس پٹرس نے بڑی خوشیاں منائیں۔ بی بی کی یاد تازہی رکھنے کے لیے اس کا نام کیتھرائن رکھا اور جب تک زندہ رہا ہر سال ایک قومی عید کی حیثیت سے اس کی سالگرہ منایا گیا۔ یہ بھی جشن اتفاق تھا کہ اس شاہزادی کے پیدا ہونے سے چند روز پہلے سویڈن کے بیرون پر روسیوں کو نمایان فتح حاصل ہوئی تھی اور وہاں کا فرمان روا گرفتار کر کے سینٹ پٹرس برگ میں لایا گیا تھا۔ چنانچہ فتحیاب افسرون اور پاپا بزنجیر قیدیوں کا داخلہ عین اسی دن ہوا۔ جس روز شاہزادی کی ولادت پر خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ لہذا اس عید میں اور دھوم دھام اور شان و شوکت پیدا ہو گئی۔

پٹرس اعظم نے اس سے پہلے خفیہ طور پر ممالک یورپ کا ایک سفر کیا تھا جس میں اس نے عالم کی نظر سے مخفی رہ کے وہاں کی ترقیوں اور تاجرانہ الواعظیوں کو خوب غائر نگاہ سے دیکھا تھا اس سفر نے دل میں شوق پیدا کر رکھا تھا کہ یورپ کا ایک سفر علانیہ طور پر اور شان و شان و شوکت سے بھی کرے۔ اور وہاں کے مطلقاً سلطنت کو دیکھے۔ چنانچہ اس آرزو کے پور کرنے کا اب موقع ملا۔ اور ملکہ کیتھرائن کو ساتھ لے کے نہایت ہی کرد فرادر شوکت و حشمت سے روانہ ہوا۔

اثنائے سفر میں کیتھرائن کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو صرف ایک ہی دن زندہ رہنے کے لیے دنیا میں آیا تھا۔ وضع حمل کی ضرورت سے ملکہ دو چار روز کے لیے ایک مقام پر ٹھہر گئی۔ اور ناز و وس آگے بڑھ گیا۔ مگر کیتھرائن کو صاحب

تاج و سریشوہر کی مفارقت اس قدر گران تھی کہ زچگی سے فراغت ہوتے ہی بغیر اس کے کہ اپنی کمزوری و معذوری کا کچھ بھی خیال کرے۔ چل کھڑی ہوئی۔ اور جلد بلد نزلین ط کر کے اُس سے جا ملی۔

اب پطرس اعظم کو دنیا میں ملکہ کیتھرائن سے زیادہ محبت کسی سے نہ تھی۔ محبت ہی نہیں اپنے آرام اور اپنی زندگی اُس کی زندگی سے وابستہ سمجھتا تھا۔ بد نصیبی سے خدائے اُسے کوئی وارث تاج و تخت بیٹا نہیں دیا تھا۔ جس کے دم سے آئندہ کی امیدیں وابستہ ہوتیں۔ ان مجموعی باتوں نے دل پر اثر کر کے اُسے اس بات پر آمادہ کر دیا تھا کہ جان سے زیادہ پیاری بی بی کو باضابطہ طور پر تاج شہنشاہی پہنائے اور اُس کو اپنا وارث سلطنت قرار دے۔ چنانچہ اُس نے ایک نیا عالی شان گرجا تعمیر کرایا جس کو اپنی شہنشاہ بیگم کے نام سے نامزد کیا۔ اُسی کینہ میں ۱۲۲۷ء میں کیتھرائن کو بڑے جلوس و نہایت تزک و احتشام سے لے جا کے تاج شہنشاہی پہنایا۔ ملکہ کے جلوس میں خود شہنشاہ ایک فوجی افسر کی طرح پایادہ گرے تک گیا و مان اپنے ہی ہاتھ سے اُسے تاج قیصری پہنایا۔ اور ملکہ کی تلج پوشی کے بعد اپنی طرف سے ایک اعلان پڑھ کے سنا یا جس کا مضمون یہ تھا:-

”از جانب شہنشاہ اعظم مالک دولت روس بنام جلد مقتدایان دین و الیان ممالک و سر داران فوج و رعایائے ممالک محروسہ روس جو لوگ دیانت و امانت کی صفت سے متصف ہیں۔ تم سب جانتے ہو کہ تمام ممالک مسیحی میں قدیم الایام سے رواج چلا آتا ہے۔ کہ سلاطین اپنی شریک زندگی ملکاؤں کو تاج شاہی پہناتے ہیں۔ جس طرح یہ دستور آج جاری ہے۔ اُسی طرح ازمنہ ماضیہ میں بھی مسیحی شہنشاہ مشرقی شہنشاہان روم میں بھی جاری تھا۔ قیصر بازلند نے اپنی ملکہ زبونیہ کو قیصر جیٹنہ میں نے اپنی ملکہ لونی سینا کو قیصر نہر قل نے اپنی بی بی مر تینہ کو۔

اور قیصر لیون فلسفی نے اپنی بی بی ماریہ کو اور دیگر قیصرہ دوم نے اپنی شہنشاہ  
 بیگیون کو تاج شہر یاری پہنائے جن کی قبرست بتانے کی ضرورت نہیں۔ اس  
 کے ساتھ اس بات سے بھی سب لوگ بخوبی واقف ہیں کہ اس کچیل لڑائی میں جو  
 مسلسل ۲۱ سال تک جاری رہی ہم نے ملک میں امن و آمان قائم رکھنے کے  
 لیے سخت سے سخت مصیبتوں کا سامنا کیا اور بڑی دشواریوں سے گزرے رہے  
 بفضلہ تعالیٰ ان لڑائیوں کا خاتمہ پوری کامیابی پر ہوا اور جیسی با وقعت صلح اس  
 موقع پر حاصل ہوئی ہے۔ اس سے پہلے کبھی سلطنت روس کو نہیں نصیب  
 ہوئی تھی۔ اور نہ ہماری قوم کو کبھی ایسا فخر حاصل ہوا تھا جیسا کہ فی الحال اس موقع  
 پر حاصل ہوا۔ ان مہموں میں ہماری بی بی ملکہ کیتھرائن نے نہایت خلوصی دل  
 اور مستعدی و دانائی سے ہماری مدد کی۔ اور بارہا نازک موقعوں پر اُس نے ہمارے  
 لیے اپنی زندگی خطر و مین ڈال دی۔ خصوصاً اُس نازک موقع پر جبکہ دریائے  
 پرت کے کنارے عساکر عثمانیہ کے مقابل ہماری فوج کی حالت نہایت اتر  
 ہو گئی تھی۔ اور ہمارے سپاہیوں کو بہت اضطراب تھا۔ اُس موقع پر ہمارے  
 پاس صرف بائیس ہزار سپاہی رہ گئے تھے۔ اور عثمانی لشکر کی تعداد دو لاکھ  
 ستر ہزار تھی۔ ان مواقع پر اُس سے بڑی بھاری حمیت اور اعلیٰ درجہ کی شجاعت  
 ظاہر ہوئی جس سے ہمارے تمام سپاہی واقف ہیں۔ اس کے ان خدمات کا  
 لحاظ کر کے اور نیز اُن اقتدارات کی بنا پر جو ہمیں خدا کی عنایت سے حاصل ہیں۔  
 اُس کی تاج پوشی کا رسم شہر ماسکو میں اس سال کے موسم سرما میں ادا کیا جاتا  
 ہے۔ جس کا اعلان ہمارے اور ہماری ملکہ کے بھی خواہ دوستوں میں اس سے  
 پہلے ہی ہو چکا تھا۔

لیکن تعجب معلوم ہوتا ہے کہ درجہ کمال تک پہنچنے اور کیتھرائن کے وارث

تاج و تخت قرار پا جانے کے بعد یکایک پٹرس اعظم کو اُس کی جانب بدگمانی پیدا ہوئی اور  
 دونوں کی باہمی محبت نفرت و دشمنی سے بدل گئی جس کا ظہور یوں ہوا کہ اسی تاجپوشی  
 کے برس یعنی ۱۲۷۷ء کے آخر میں پٹرس کو یقین ہو گیا کہ اُس کی ملکہ کو ایک شخص سے  
 ناجائز تعلق ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ کی عظمت و سطوت کو حد سے زیادہ بڑھ جاتے  
 دیکھ کے بعض امراءے اُس کو حسد معلوم ہوا۔ اور اُن کی سازشوں نے شہنشاہ بگیم کو  
 اپنے شوہر زار کی نظر میں متہم کر دیا۔ وہ شخص جس کی نسبت خیال تھا کہ ملکہ کا منظور  
 نظر ہے۔ اُسے تو پٹرس نے قتل کرا ڈالا۔ مگر ملکہ کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ اس لیے کہ اُس  
 اُس بلند درجہ سے گرا نا جس پر وہ پہنچ چکی تھی آسان نہ تھا۔ شاید زار و س  
 اس پر بھی آمادہ ہو جاتا کیونکہ اُس کے حکم سے سر بانی کرنے کی کسی میں جرأت نہ  
 تھی۔ مگر زندگی نے وفانہ کی اور ۱۲۷۷ء کی ابتدا ہی میں وہ دنیا سے خست ہو گیا۔  
 پٹرس اعظم کی صورت کی نسبت لوگوں میں بڑا اختلاف ہے۔ بعض لوگ کہتے  
 ہیں کہ ملکہ کیتھرائن ہی نے اُسے زہر دے کے مار ڈالا۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں  
 ہے اور نہ کوئی باوقعت شہادت موجود ہے کہ ملکہ کو الزام دیا جاسکے۔ لیکن اس  
 میں شک نہیں کہ ایسا خیال کرنے کے قرائن موجود تھے۔ چونکہ اب زار اپنی اس  
 ملکہ سے نہایت ناراض تھا۔ لہذا ممکن نہیں کہ اُس نے آزار پہنچانے کی فکر میں  
 نہ کر رہا ہو۔ اور کیا عجب کہ اگر زندہ رہتا تو اپنے شہنشاہی اقتدار سے حیطہ  
 پہلے بی بی کو طلاق دی تھی اُسے بھی دے دیتا۔ اور کیتھرائن کو جو کچھ عورتیں  
 حاصل ہوئیں تھیں۔ آنا فانا میں خاک میں مل جاتیں۔ مگر باوجود ایسے قرائن کے  
 ہمیں بے کسی کافی ثبوت کے کیتھرائن کو مستہم کرنے کا حق نہیں حاصل ہے۔  
 پٹرس کے مرنے کے بعد کیتھرائن نے اُس کی موت کو کچھ زمانہ تک  
 مخفی رکھا۔ کیونکہ وہ چاہتی تھی کہ اپنے اقلہ حد کے مطابق تباہی انجام دے لینے



اور اپنے طرفداروں کی پارٹی تیار کر لینے کے بعد شہنشاہ کی وفات کو عوام بظاہر  
 کرے۔ اس مقصد میں وہ پوری طرح کامیاب ہوئی۔ پٹرس اعظم کے مرنے کی خبر  
 مشہور ہوتے ہی تخت نشینی کے متعلق لوگوں میں اختلاف پڑا۔ مگر لارڈ پیچی کوف  
 اور دیگر امرائے ملک اعلیٰ عہدہ داران سلطنت آپریشپ بلو سکوزیر جنگ اور بہت  
 سے صاحب اثر لوگوں کی ایک زبردست جماعت نے بالاتفاق کہا کہ پٹرس اعظم اپنی  
 ملکہ کیتھرائن کے لیے تخت نشینی کی وصیت کر گیا ہے۔ اور صاف الفاظ میں بتا گیا ہے  
 کہ اس کی جانشینی کے لیے ملکہ سے زیادہ کوئی اہل نہیں ہے۔ اس جماعت میں اتنے  
 اتنے بڑے لوگ شامل تھے کہ تمام مخالفوں کے حوصلہ پست ہو گئے اور کسی کو علم  
 مخالفت بلند کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ سب نے ملکہ کی اطاعت و فرمانبرداری کا  
 اقرار کیا اور اس طریقہ سے یورپ دنیا کی وہی بد نصیب لڑکی جو اپنی ولادت کے وقت  
 ہر طرح اور ہر بات میں بدتمت نظر آتی تھی اور انتہا درجہ کی مفلوک الحال تھی۔  
 ۳۵ سالہ عین سلطنت روس کے سربراہ شہنشاہی پر جلوہ افروز ہوئی اور دنیا کا  
 ایک بڑا بھاری حصہ اس کے زیر سرمان تھا۔

عثمان فرمانروائی ماتھے میں لیتے ہی اس نے نظم و نسق سلطنت کی طرف توجہ  
 کی۔ اور اس کے عہد کے اہم واقعات میں سے یہ امور ہیں کہ مجلس اعیان دناؤس  
 آف لارڈ کو اس نے توڑ دیا۔ جس کی مملکت روس میں سید ضرورت تھی۔ کیونکہ روس  
 میں امرار کا اثر بہت بڑھا ہوا تھا۔ اور غریبوں کی فریاد بہت کم سُنی جاتی تھی۔ یہی  
 لوگوں کا اثر اس سے پہلے حکومت پر غالب تھا۔ اس میں بھی اس نے مناسب اصلاحیں  
 کیں۔ مقتدایان دین کے خطاب والقباب بیکار کر دئے۔ اور ان کی حکومت دائرہ  
 کتب مقدسہ ہی تک محدود کر دی۔

پادریوں کا زور کم کرنے کے ساتھ اس نے مجلس تعلیمات کو تقویت دی۔ اور

کو شش کی کہ ملک میں آزادانہ تعلیم اور علم و فضل کو ترقی ہو۔ اُس نے اپنے مشیروں کی ایک مخفی مجلس شوریٰ منعقد کی تھی جو اُس کی ذات تک محدود تھی۔ اور رعایا پر اُس کے ارکان کا اثر نہ پڑ سکتا تھا۔

لیکن افسوس کہ اُس کی زندگی نے بہت جلد بے وفائی کی۔ اور اپنے شوہر کے بعد کچھ کم تین ہی سال حکومت کرنے پائی تھی کہ بادشاہ کے جھوٹے حکمرانوں نے ۱۷۷۱ء میں اُس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا جب کہ اُس کی عمر ۲۴ سال سے زیادہ نہ تھی۔

اس روپی سمیرامیس کی زندگی کے کارناموں کے دیکھنے سے معلوم ہو گا کہ وہ جیسی صاحبِ حسن و جمال تھی ویسی ہی عاقل و ہوشیار بھی تھی۔ اپنے حسن کی قوت سے اُس نے ایک زبردست ترین شہنشاہی کو اپنا غلام ہی نہیں بنالیا تھا بلکہ اپنی ہمدردی و محبت سے رعایا کے ہزاروں دل بھی اپنے ہاتھ میں لیئے تھے۔ لیکن مورخین زندگی کے آخری ایام میں اُسے اچھا نہیں تسلیم کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اُس کا رجحان کیا دی و مکاری کی طرف زیادہ تھا۔ ہم اس بارہ میں کوئی فیصلہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ ایک عجیب و غریب عورت تھی جو بلند پروازی و مقصدوری میں نام کر گئی۔ اور انسانی ترقیوں کا ایک حیرت انگیز نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر گئی۔ \*

# میڈم ڈی اسٹائل

اس خاتون کا پورا نام "این جرمین ڈی اسٹائل" تھا۔ "این" دراصل عبرانی نام ہے جس کا تلفظ "اُس" زبان میں توجہ تھا مگر فرنگستان کے مغربی تصوفات نے اسے بگاڑ کے "این" بنا دیا ہے۔ یہ خاتون ملک فرانس کی ایک معزز اور صاحب اثر عالمہ و فاضلہ اور مصنفہ گران پای تھی۔ اُس کا باپ "نیکر"، شاہ فرانس لوئی شانزہم کے دربار میں وزیر خزانہ کی معزز خدمت پر فراز تھا۔ شہر پیرس میں ۱۶۷۲ء میں وہ پیدا ہوئی۔ باپ کی امارت اور خوش مذاقی سے اُسے نہایت اعلیٰ درجہ کی تعلیم پانے اور بہت ہی نکھر بنائیتہ مذاق حاصل کرنے کا موقع مل گیا جسکی بدولت تعلیم سے فارغ ہوتے ہی اُس نے قابلیت کے ساتھ تصنیف تالیف کا مشغلہ اختیار کیا۔ کئی ڈراما اور ناول تصنیف کیے جو ملک میں قدر کے ہاتھوں سے لیے اور کچپی کے ساتھ پڑھے گئے۔

اس خاتون کے عنفوان شباب حسن و جمال اور اُس کے ساتھ اُس کے علمی مذاق نے سوئمٹر لینڈ کے سفیر متعینہ دوبار فرانس "بیرن ڈی اسٹائل" ہولسین کو اُس کے جمال و کمال کا ایسا دیوانہ بنا دیا کہ باوجود بہت سن رسیدہ اور عمر ہونے کے اُس نے خوشامد درآمد کر کے اور اطاعت و وفا کیشی کے لیے چوڑے وعدے کر کے آخر کار راین کا سادہ اور بھولا دل جیت ہی لیا۔ اور شادی ہو گئی جس میں دو لہا جس قدر عمر تھا اُسی قدر دو طعن کسن اور بچہ تھی۔

شادی کے بعد جبکہ اُن میں چھکڑاؤ کی عمر بارہ ہی برس کی ہونی چاہیئے

اُس کی کتاب "روسون کی تحریرون اور اُس کے خصوصیات پر چند خطوط"، شائع ہوئی۔ جس نے فرانس کی پہلیک پر بے انتہا اثر ڈالا۔ یہاں تک کہ اسی کتاب کی وجہ سے وہ فرانس کی ایک مقبول عام مصنفہ بن گئی۔

اس کے بعد جب حکومت فرانس میں انقلاب ہوا۔ اور آزادی کی دلدراہے عیاں نے اپنے تابعدار اور حکمران کے مخالف ہونے کے سرتابی و بغاوت کا بھنڈا بلند کیا تو دیگر امر و عمدہ داران سلطنت کی طرح اس شائستہ خاتون کے سفیر کی بی بی تھی جس سے آزادی پسند اور مدعی جمہوریت فرانسیسیوں سے دوستانہ تعلقات تھے اس لیے اُسے پیرس میں رہنے کی اجازت دی گئی۔ اس انقلاب میں وہ ابتداءً آزادی کے پیروں کی دل سے ہمدرد تھی۔ اور اس انقلاب و بغاوت کو نہایت پسند کرتی تھی۔ لیکن جب اُس نے فرانس کے شاہی خاندان کی تباہی و بربادی دیکھی اور یہ نظر آیا کہ شاہزادوں اور اُن کے اعزاء اقارب کے ساتھ کیسا بہیمیت کا سلوک کیا جاتا ہے۔ تو اُس کے دل میں خوف خدا پیدا ہوا۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ ایمان آزادی کی بے اعتمادیوں اور دست درازیوں کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھنے لگی۔ اب شاہی خاندان کی ہمدردی کا خیال اُس کے دل میں اس قدر جوش زن تھا کہ نہایت جرأت سے کام لے کے اپنی کتاب "ملکہ کے مقدمہ پر نظر" کمال آزادی اور بیباکی کے ساتھ چھپوا کے شائع کر دی۔ جس میں ملکہ میری انٹوائنٹ کی جانبدار کی تھی۔ اور اُس کی بے گناہیوں کا ثبوت دیا تھا۔ اس کی اشاعت سے لوگ اس قدر براؤختہ ہوئے۔ اور اُس طوفان بے تمیزی کے دور میں اُسے اپنے متعلق ایسے خطرے اور اندیشے معلوم ہوئے کہ سوا جلا وطنی اختیار کرنے کے بچاؤ کی اور کوئی صورت نہ نظر آتی تھی۔ چنانچہ فرانس کو چھوڑ کے باہر چلی گئی۔

اس کے بعد جب ڈاکٹری، (مجلس حکومت) قائم ہو گئی۔ اور فرانس کا بدامنی کا

زمانہ ختم ہوا تو وہ پھر پیرس میں آئی۔ اب اُسے پائلٹس سے بڑا شوق تھا۔ پوری پوری اسٹیشن میں بنی ہوئی تھی۔ حکومت و تمدن کے حلقوں میں اسکا بے حد اثر تھا۔ اور مجلس حکومت کے ارکان میں جیسے خیالات یا جو پالیسی چاہتی پھیلا دیتی۔ اپنی داناہی و ذہانت سے وہ نپولین کے اصلی مقاصد و اغراض کو پہلے ہی سے سمجھ گئی تھی اور ملک میں اُسے سب سے زیادہ خطرناک شخص خیال کرتی تھی۔ جس کی وجہ سے نپولین بوناپارٹ اپنی الواعزی بلند جو صلی کے راستہ میں اُسے ہمیشہ مزاحم پاتا۔ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے وہ جتنی باتیں کرتا اور بتدبیر جن سوچتا ان کو وہ سخت نفرت و حقارت کی نظر دیکھتی اور لوگوں کو مخالفت پر آمادہ کر دیتی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کامیاب سپہ سالار فرانس نپولین بوناپارٹ جیسے ہی کونسل اول یعنی دارالہمام سلطنت مقرر ہوا۔ عمدہ کا چارج ہاتھ میں لیتے ہی اُس نے سب سے پہلے جو احکام جاری کئے اُن میں ایک یہ بھی تھا کہ ”میڈیم ڈی سٹائل“ داین اشہر پیرس سے خارج البلد کر دی جائے۔ اس حکم میں نپولین نے اس خاتون کی نسبت کمال تمذیب سے یہ الفاظ لکھے تھے ”اس حوصلہ مند اور جادو بیان خاتون کے لیے ساری دنیا کھلی پڑی ہے۔ صرف ایک دارالسلطنت فرانس کو میں اپنے واسطے رکھے لیتا ہوں“ نپولین کے یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ اس خاتون کی فصاحت و بلاغت کا وہ کس قدر تامل تھا۔ اور اس کے اثر سے کس قدر ڈرتا تھا۔

اس حکم کے بعد اس کا پیرس میں ٹھہرنا غیر ممکن تھا چنانچہ دوبارہ وطن کو خیر باد کہہ کے اُس نے سوئٹزر لینڈ اور اٹلیا لپہ کا سفر شروع کیا۔ مختلف شہروں اور علاقوں میں گئی وہاں کے دلفریب مناظر دیکھے۔ وہاں کی دلچسپیوں سے لطف اٹھایا۔ اور وہاں کے عادات و اطوار سے واقف ہوئی جن چیزوں کا

ثبوت اس کے مشہور ناولوں "ڈیفین" اور "ڈوڈ" کو رس سے ملتا ہے۔

اس کے بعد شائع ہونے والی اس کی مشہور و معروف کتاب "جرمن" پیرس میں شائع ہوئی۔ جہاں خود اسے آنے کی اجازت نہ تھی۔ اس کتاب میں اس نے جرمن والوں کے اطوار و عادات، علم و فضل اور ان کے پولیٹیکل اور ادبی کی مکمل تصویر دکھائی ہے۔ حکومت فرانس کو یہ کتاب اپنے مقاصد و اغراض کے بالکل خلاف نظر آئی۔ اشاعت کے ساتھ ہی نیپولین کے وزیر پولیس نے اس کی دس ہزار جلدیں پکڑ لیں۔ میڈم ڈی اسٹائل ان دنوں شہر کو پٹ "مین تھی" جو عینو کی جھیل کے کنارے ہے۔ پیرس سے نکلنے کے بعد اسی مقام کو اس نے اپنا مستقر قرار دیا تھا۔ ان کتابوں کے پکڑے جانے کا حال سنتے ہی اس نے زور و شور سے اعتراض کیا کہ کیا یہ کارروائی بالکل خلاف ضابطہ ہے۔ اس کا جواب وزیر پولیس نے یہ دیا کہ "آپ کی یہ کتاب کوئی فرانس کی قومی تصنیف نہیں ہے۔ اور اسی لیے میں نے اس کی اشاعت روک دی ہے۔ سابق میں آپ کا جو طرز عمل رہا اس کا نتیجہ آپ کی جلاوطنی ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ فرانس کی آب و ہوا آپ کے مزاج کے موافق نہیں۔ اس لیے کہ ہم لوگ ابھی اتنے ذلیل نہیں ہوئے کہ جن قوموں کی آپ مدح خوان ہیں۔ ان میں سے اپنے لیے نظیر بن تلاش کریں"۔

اب چونکہ فرانس کی پولیس نے سختی کے ساتھ اس کے حرکات و سکنات کی نگرانی شروع کر دی تھی۔ اس لیے اس نے مملکت فرانس کو چھوڑ دیا۔ اور ان کی ریشہ و انیوں کے حلقہ سے بھاگ کے ملک روس میں پہنچی۔ اور وہاں۔۔۔ سب جگہ کے انگلستان میں آئی۔

اس کے بعد اس کی جو کتاب شائع ہوئی اس کا نام "دہ سالہ جلاوطنی" ہے اس میں نہایت ہی جوش کے ساتھ نیپولین اور اس کی حکومت کی مخالفت کی ہے۔

اور اُسے دہکیان دی ہن پچھرا ۱۲۷ء میں نیولین کی علیحدگی کے بعد وہ پیرس میں واپس آئی۔ اور جب شہنشاہ مذکورہ البا،، سے واپس آیا تب بھی اسے پیرس میں رہنے کی اجازت رہی۔ اس کے بعد جب مجلس ”بوربون“ قائم ہوئی تو وہ فرانس چھوڑ کے سوئٹزرلینڈ میں چلی گئی۔ اور یہی زمانہ ہے جب سے اُس نے پائلٹس میں دخل دینا چھوڑ دیا۔

سوئٹزرلینڈ میں عزلت گزین ہونے کے چند روز بعد اُس کے شوہر ہرنٹی اسٹائل نے سفر آخرت کیا۔ اور اُس نے مخفی طور پر ”مسیدور کا“ نام ایک شخص کے ساتھ عقد کر لیا۔ اور اسی طرح سوئٹزرلینڈ کے گوشہ عافیت میں عزلت گزین رہی۔ اس عزلت گزینی کا زمانہ اس نے اپنی مشہور کتاب ”دابقاب فرانس“ نظر کی تصنیف و تدوین میں صرف کیا۔ مگر وہ اس کی زندگی میں نہیں شائع ہو سکی۔ اس آخری تصنیف میں اس نے فرانس کی بد نظمی اور طوائف الملوکی کے زمانہ کی تصویر بڑی چابکدستی سے دکھائی ہے۔ اور اس دور کے جن جن لوگوں سے اُسے سابقہ پڑا تھا اُن کے اوصاف و اطوار کا مرقع بنا کے ناظرین کی نظر کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ یہ کتابیں بھی اُس کی تصنیف ہیں ”جذبات کا اثر“ ”مخدوشی“ ”خیال آفرینی“، ”تینوں کتابیں دراصل عالمانہ مضامین ہیں۔ جو ان سب جگہوں پر قلمبند کیے گئے ہیں۔

الغرض میڈم ڈی سٹائل اپنے حمد کی نہایت ہی قابل مصتفہ اور مدبرہ تھی۔ جس کی کتابیں ہمیشہ زندہ رہیں گی۔

آخر اُسی سوئٹزرلینڈ کی خلوت گزینی میں ۱۸۷۷ء میں اُس نے دنیا سے فانی کو خصلت کیا۔ اور اُن خوش نصیبوں میں جا ملی جنہوں نے اُس نامہ دی کی زندگی کے شوق میں اس دنیوی زندگی کو چھوڑ دیا ہے۔

## اُمّ ابان

اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ عورتوں میں شجاعت نہیں ہوتی۔ اس میں شک نہیں کہ مرد قدرۃ عورت سے قوی اور زبردست ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اپنے گھر اور اپنی قوم کی حفاظت کرنا قدرت نے مرد ہی کے سپرد کیا ہے۔ مگر اس سے یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ عورت میں شجاعت ہوتی ہی نہیں۔ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ قدیم الایام میں کوہ قاف کی عورتیں پوری سپہ گرتھیں۔ اور جس طرح بہادر مرد میدان جنگ میں بہادری کے جوہر دکھاتے ہیں وہ بھی دکھاتی تھیں۔ اب ہم ایک عربیہ خاتون کے مختصر حالات پیش کرتے ہیں۔ جو عروج اسلام کے ابتدائی دور میں تھی۔ اور ایسی بہادر اور نبرہ دار خاتون تھی کہ لڑائی کے میدان میں کسی سے قہرچھے نہیں رہی۔ وہ یہی خاتون ہے جس کا نام ہم نے زیب عنوان کیا ہے۔

جس وقت مسند خلافت نے حضرت عمر فاروق کے قدم سے رونق پائی ہے اُس وقت اُمّ ابان اُس لشکر اسلام میں موجود تھیں جو بلاد شام میں فتح و نصرت کے جھنڈے گاڑ رہا تھا۔ وہ ابھی بالکل نو عمر تھیں۔ اور اس زمانہ میں ہم انھیں اس سن و سال میں پاتے ہیں کہ شادی کو چند گنتی کے دن گزرے ہیں عروسی کے دن جو خوشبو کیپڑوں میں لگائی گئی تھی۔ ابھی تک اپنی لپٹیں دے رہی تھیں۔ اور جس ہندی سے وطن بننے کے وقت انھوں نے اپنے ہاتھ رنگے تھے اُس کا رنگ ابھی تک باقی ہے۔ اگرچہ حضرت رسالت کو وفات پائے دو ڈھائی برس



گزرے ہیں مگر اس کا پتہ نہیں چلتا کہ اس نو عمر پاک دامن خاتون کو کبھی بارگاہِ نبوت میں حاضر ہونے اور صحابیت کا فخر حاصل کرنے کا بھی موقع ملا ہے یا نہیں مگر ان کی ابتدائی عمر کی نسبت اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ بہادر و شجاع باپ اور جانباز قبیلہ و آلون کی تربیت میں اسلحہ جنگ اور آلات گیر و دار کے استعمال کرنے میں اچھی مہارت حاصل کر لی تھی۔ نون جنگ نے اس شجاعت میں جان نال دی۔ جو اُن کے خمیر میں تھی۔ اور دین اسلام نے سعادت و پرہیزگاری کو بڑھا دیا جو خدا پرستی کا لازمی مہین۔

لشکر اسلام شام کے قدیم اور مشہور شہر دمشق کی طرف بڑھا۔ اور اُس میں یہ دو چار روز کے بیاہے ہوئے میان بی بی بھی ہیں۔ دمشق کے محاصرے کے شروع ہوتے ہی تقدیر نے جو ہمیشہ اچھے لوگوں کے لیے ذریعہ آزمائش ہوتی رہی ہے یہ کرشمہ دکھایا کہ کسی رومی کے زہر آلود تیر نے اُم ابان کے نوجوان شوہر کو جا شہادت پلا دیا۔ اور وہ قبل اس کے کہ عروسی کی مہندی کا رنگ پھٹنے پائے بیوہ ہو گئیں جاہلیت میں عورتیں اس نازک موقع پر بین کرتی مہینہ پستی اور قیامت سر پا اٹھایا کرتی تھیں۔ مگر یہ دین کی مضبوطی اور تعلیمات نبوت کی برکت تھی کہ اُم ابان نے نہایت ہی استقلال و ثبات قدمی سے کام لیا۔ اور سو اس کے کہ مشیت الہی کو صبر و شکر کے ساتھ قبول کریں۔ شکایت کا ایک جملہ بھی اُس نوجوان خاتون عرب کی زبان سے نہ نکلا۔

اس دلخیز و جانکاه موقع پر اُم ابان نے جو کاروائی کی یہ تھی کہ مروع و شہید شوہر کی لاش کے پاس کھڑے ہو کے عجب شک و صبر کے لمحے میں کہا۔ پیارے شوہر! تم مبارک ہو۔ اور خدا نے تمہیں آغوشِ رحمت میں لے لیا۔ تم اسی خدا کے پاس گئے جن نے ہمیں تمہیں ملا یا تھا اور اب جدا کر دیا ہے

اب میں مختاری موت کا انتقام لوٹگی۔ اور اس کو شش میں اپنی جان لٹا دوں گی۔ کہ جہاں تم ہو وہیں میں بھی آ پہنچوں۔ اس لئے کہ مجھے تمہارے ساتھ عشق ہے بس اب اس کے بعد میرے جسم میں کسی اور شخص کا ہاتھ نہ لگے گا۔ کیونکہ اب میں نے اپنے آپ کو خدا کی خدمت میں بجالانے کے لئے وقف کر دیا ہے یا یہ کہہ کے بغیر اس کے کہ کوئی آنسو کا قطرہ اُس نوجوان بیوہ کے خوبصورت چہرے پر چمکتا نظر آئے اور بغیر اس کے کہ اُس کے پر حسرت سینے سے ایک بار بھی آہ کی آواز نہ اُس نے شہر کی لاش کو خود اپنے ہاتھ سے غسل دیا۔ اور رسوم اسلام کے مطابق دفن کر دیا۔

ان کاموں سے فراغت پاتے ہی ام ابان نے جنگی لباس زیب بدن کیا ہتھیار لگائے۔ اور دشمنوں کے مقابلے کو تیار ہو گئیں۔

اس زمانے میں دمشق کی حکومت ٹامس نام ایک بہادر شہسوار و دم کے ہاتھ میں تھی۔ جسے عرب مورخین قوما کے نام سے یاد کرتے۔ اور ہر قلوبس قیصر دم کا داماد بتاتے ہیں۔ ٹامس نہایت بہادر اور شجاع شخص تھا۔ اور میدان جنگ میں اس استقلال سے لڑ رہا تھا کہ مسلمانوں کے حوصلے پست ہوتے جاتے تھے۔ اسی خوریز میدان میں ام ابان ہتھیار باندھے ہوئے کو دین جس جگہ سب سے زیادہ سخت لڑائی ہو رہی تھی کھستی پیتی ہوئی پہنچیں۔ اور کمان کو ہاتھ میں لے کے دشمنوں پر تیر برسائے لگیں۔ اُن کا پہلا تیر بدیون کے علمبردار کے ہاتھ پر پڑا۔ اور صلیبی علم مسیحیوں کے اعتقاد کے موافق گر کے ٹھنڈا ہو گیا۔ عیسائی جھنڈا اٹھانے کو بڑے جوش کے ساتھ بڑھے۔ مسلمانوں نے روکا۔ اور اب پہلے سے سخت لڑائی ہو رہی تھی کہ ام ابان کا ایک اور تیر خاص ٹامس کی آنکھ پر پڑا۔ اور پیوست ہو گیا۔ جس کے ساتھ ہی اُس نے آنکھ پر ہاتھ رکھ لیا۔

اور بدحواس بھاگا۔ اور آنا فانا میدان سب دشمنوں سے صاف تھا۔ رومی بھاگ  
کے شہر میں ہو رہے۔ اور بڑی بڑی کوششیں کی گئیں کہ تیرٹامس کی آنکھ سے  
نکالا جائے مگر کسی طرح نہ نکل سکا۔ آخر مجبوراً کانسی آنکھ کے اندر چھوڑ دی گئی۔  
اور لکڑی کا ٹی لی گئی۔

اس کے ہلکے ایک رات کی لڑائی میں اُم ابان جدھر پھتین کہ سخت لڑائی  
ہو رہی ہے جا پوچھتین۔ ایک ایک سے پوچھتین کہ میرے شوہر کا قاتل کون  
ہے۔ اور اُن تیروں سے جو قصائے مہرم کا بیاہ لجاتے تھے دشمنوں کو مار مار  
کے گرا دیتین۔

یہ ہے عورت کی شجاعت۔ اور یہ ہے عورت کا جو شہرہ مافی البحر  
میں انوکھی اور عجیب و غریب شہرت نہ تھی جو ہمارے ہندوستانی مسلمانوں کی نظر میں  
میں ہے \*

## نواز وجہ فردق

یہ آخر عہد صحابہ کی ایک شریف اور صاحب و جمال و کمال خاتون اور عین  
بن صمصامہ مجاشعی کی بیٹی تھی جیسی شریف النسب تھی ویسی ہی خوش سلیقہ اور  
صاحب خلوت و مروت تھی اور ویسی ہی فصیحہ و بلیغہ بھی تسلیم کی جاتی تھی۔ شرفائے  
عرب میں اُس کا وقار تھا۔ اور سب اُسے اُس عہد کی اعلیٰ ترین خاتونوں میں  
شمار کرتے تھے۔ فردق شاعر نے دھوکہ دے کے اُس سے نکاح کر لیا اور  
یہ اپنی مصیبت تھی جس کے عذاب اس پاکدامن عورت کو زندگی بھر چھپکارا نہ نصیب ہوا۔

فرزوق کے جہال میں پھنسنے کی صورت یہ ہوتی کہ بنی عبدالعبد بن دارم کا ایک شریف  
 وغیرہ نوجوان فرزوق کی تولیت میں تھا۔ اُس نے نوار کے حسن و جمال اور اُس کی خوبصورتی  
 کا شہرہ سنا تو اُسے شادی کا پیام دیا۔ اور چونکہ وہ نوار کے چچا کا بیٹا بھی تھا اس لیے  
 اُسے یہ پیام بہت زیادہ پسند آیا۔ نوار نے فرزوق کے پاس کہلا بھیجا کہ ”فلاح  
 نوجوان جو آپ کی تولیت میں ہے۔ میرے ساتھ عقد نکاح کرنے کا آرزو مند ہے اور  
 مجھے بھی یہ عقد پسند ہے۔ لہذا آپ ہم دونوں کے دلون کی آرزو پوری کر دیں۔ تو  
 بڑی عنایت ہو“ فرزوق نے کہلا بھیجا ”میں تمہاری خوشی پوری کرونگا۔ مگر پہلے  
 علی اروس لا شہاد اس بات کا صاف صاف اقرار کر لو کہ فرزوق جس کسی کے ساتھ  
 تمہارا عقد کرے گا۔ اُس کے عقد میں بے عذر چلی جاؤ گی۔ نوار نے کہلا بھیجا ”مجھے  
 منظور ہے،“ اور بہت سے معزز لوگوں کے سامنے اس بات کا اقرار کر لیا۔ اب  
 فرزوق نے کہلا بھیجا کہ ”اچھا اپنے قبیلہ والوں یعنی بنی دارم کو جمع کرو۔ اور اُن کے  
 سامنے اقرار کرو کہ تم اپنے عقد کا اختیار مجھے دیتی ہو،“ نوار نے تمام شرفائے قبیلہ  
 کو اپنے دہان جمع کیا۔ اور اُن کے سامنے حسب وعدہ اقرار بھی کر لیا۔ جب ان سب  
 باتوں کی تکمیل ہو چکی تو فرزوق نے کھڑے ہو کے خطبہ نکاح پڑھنا شروع کیا پہلے  
 خدا کی حمد و ثنا کی۔ اُس کے بعد کہا ”آپ سب صاحب واقف ہیں کہ نوار اُس نے  
 مجھے اپنے عقد کا اختیار دیا ہے۔ لہذا میں آپ سب صاحبوں کو گواہ کر کے کہتا ہوں  
 کہ میں نے نوار کا عقد نکاح ایک سو سیاہ آنکھوں والی سرخ رنگ اوثنیون کے  
 مہر پر اپنے ساتھ کیا،“ یہ الفاظ سننے ہی صحبت پر ایک سناٹا بھا گیا اور نوار بڑے  
 زور و شور سے کوسنے دینے لگی۔ میان فرزوق تو مطمئن تھے۔ کہ اب نوار میرے  
 پسند سے چھوٹ کے کمان جاتی ہے۔ مگر نوار نہایت ہی پریشان تھی کہ کیا  
 کرے۔ اور کیونکہ اس آفت سے بچھا چھوٹے۔ ایک ایک کے پاس جاتی مگر لوگ کہتے

”اس بات کے سچے گواہ لاؤ کہ فرزدق نے تمہیں فریب دیا، لیکن گواہی کے لیے جس کسی سے کہتی وہ ملتا۔ کیونکہ فرزدق اتنا بڑا بچہ گو شاعر تھا کہ زمانہ اس سے پناہ مانگ رہا تھا۔ اور لوگ ڈرتے تھے کہ ہم سے ذرا بھی بگڑا تو ہمیں بدنام و رسوا کر دیگا۔ الغرض گواہ ملتا نہ تھا۔ اور نبیر گواہ کے کوئی ہٹے فرزدق کی زوجیت سے آزادی نہ دیتا تھا۔ آخر اُن کے نوآر نے ارادہ کیا کہ عبداللہ بن زبیر کے پاس جا کے فریاد کرے۔ جو ان دنوں مکہ معظمہ میں دعوائے خلافت کر رہے تھے اور سارے عرب اور عراق پر قابض و حکم ان تھے مگر خرابی یہ تھی کہ فرزدق کے قُتل کے مارے کوئی اُس غریب کو اپنے ساتھ مکہ معظمہ تک لیجانے کی بھی جرأت نہ کرتا تھا اتفاقاً بصرہ میں جہان نوآر اور فرزدق تھے بنی عدی بن عبدمناف کے چند نوجوان آئے جو ”بنی ام نسیر“ کے لقب سے مشہور تھے۔ اور نوآر سے قربت قریبہ رکھتے تھے۔ نوآر نے اُن سے ہمدردی کی درخواست کی اور وہ ترس کھائے اُسے اپنے ساتھ لے کے مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ سنتے ہی فرزدق نے اہل بصرہ سے مدد چاہی۔ لوگوں نے اُسے اونٹ دئے۔ سامان سفر مہیا کر دیا۔ اور آخر تک ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ یہ مدد ملتے ہی فرزدق نے بھی نوآر کے پیچھے پیچھے مکہ کی راہ لی۔ اور جو لوگ نوآر کو لیے جاتے تھے اُن کی ہجو میں اشعار کہے مکہ پہنچ کے فرزدق کو معلوم ہوا کہ نوآر خاص عبداللہ بن زبیر کے گھر میں ٹھہری ہے۔ اور اُن کی بی بی خولہ بنت منطل فرزادہ کی مہمان ہے۔ یہ چونکہ اُس عہد کا مشہور مقتدر سیف زبان و آتش بیان شاعر تھا نام سنتے ہی اہل مکہ نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور نوآر کی چوٹ پر وہ خاص عبداللہ بن زبیر کے بیٹوں کے پاس ٹھہرا۔ اور اُن کی مدد میں اشعار کہہ کے آخر انھیں اپنی سفارش پر مجبور کر دیا۔ اب عبداللہ بن زبیر عجیب الجھن میں پڑے ہوئے تھے نہ کوئی رائے قائم

اگر ترمیتی تھی اور نہ کچھ فیصلہ کرتے رہیئے آکے فرزدق کی سی کہتے اور وہ ظاہر میں بان  
ہون کر دیتے تھوڑی دیر کے بعد جب اپنی بی بی خولہ کے پاس جاتے تو وہ نوار کی  
سی کہتیں۔ اور فوراً اُن کی رائے اسی طرف ڈہل جاتی۔ آخر کھل گیا کہ اُن کی رائے  
نوار کی طرف داری میں ہے۔ اس پر بڑے کے فرزدق نے یہ دو شعر کہے جو اُس کی  
زبان سے نکلتے ہی سارے گمہ بلکہ ساری دنیائے اسلام میں پھیل گئے۔

اما نبوءہ فلم یقبل شفا عنہم      وشفعت بنت منظور بن زیان

لیکن اُن کے بیٹوں کی سفارش تو نہیں مانی گئی۔ لیکن بان منظور بن زیان  
کی بیٹی کی سفارش کا رگ ہو گئی۔

لبس الشفیع الذی یاتیک تنزراً      مثل الشفیع الذی یاتیک عریانا

جو سفارش کرنے والا تمہارے پاس پانچواں پہنچے ہوئے آئے اس سفارش  
کرنے والی کے برابر نہیں ہو سکتا جو تمہارے پاس برہنہ ہو کے آئے۔

یہ اشعار ابن زبیر کے کانون تک پہنچے تو انہوں نے نوار کو بلایا اور کہا دو  
صورتیں ہیں ان میں سے تمہیں جو منظور ہو اُس پر عمل کیا جائے۔ تم کو فرزدق سے  
طلاق دلوانے کے بعد یا تو میں اُسے قتل کر ڈالوں کہ پھر کبھی ہمارے ہی بچو نہ کہے۔ اور  
یا دشمنان اسلام کے ملک میں جلا وطن کر کے بھیج دوں۔ جہاں وہ خود ہی مار ڈالا  
جائے گا یا عورت کو نہار ستاؤ۔ لاکھ اُس کا دل دکھاؤ۔ اُس کے ساتھ کفر و غیب  
کرو۔ اُسے دغا دو مگر پھر بھی اُس کا دل نرم ہوتا ہے۔ اور اُسے ترس آہی جاتا ہے  
نوار کو یہ ہرگز گوارا نہ ہوا کہ فرزدق میرے باعث جان سے مارا جائے۔ جواب دیا  
کہ ان میں سے تو کوئی صورت مجھے نہیں منظور ہے، ابن زبیر نے کہا اگر اُس سے

کے حال پر نرس بھی آتا ہے تو پھر وہ تمہارا ابن عم ہے۔ اور تم پر نرس لیتے بھی ہیں۔  
کیونکہ میں منظور کر لیتیں کہ تمہارے ساتھ اُس کا نکل دو بارہ کر کے اس بخش

مساہون، نوار بولی وہاں مجھے اپنی زندگی خراب کرنا منظور ہے۔ اور یہ نہیں منظور کہ وہ  
 غریب بے گناہ جان سے جائے، اس کے بعد عبدالعزیز نے فرزوق کو بلوایا۔  
 اور کہا "نوار کے ساتھ جس مہر پر تم نے نکاح کیا ہے اسے لاکے حاضر کرو ورنہ میں  
 تمہارا نکاح باطل کر دوں گا، فرزوق نے کہا "میں یہاں غریب الوطنی میں ہوں  
 بغیر گھر گئے اعلیٰ درجہ کے سداونٹ کہاں سے لاؤں گا؟ ابن زبیر نے کہا "جس طرح  
 بنے لاؤ۔ اور اگر نوار کی محبت ہے تو دوہی گے یا آخر فرزوق نے جھجھلا کے کہا "آپ  
 اس لیے مجھ پر دودھ ڈالتے ہیں کہ زبردستی نوار کو مجھ سے تھین کے اپنی بی بی  
 بنالین۔ ابن زبیر بھی نہایت مغلوب الغضب تھے بولے "تم کو اور تمہاری قوم  
 بھڑکوا رہا ہے اپنی برادری سے نکال دیا تھا۔ تمہاری سہمی ہی کی ہے، اس کے  
 بعد اسے اپنی صحبت سے اٹھوا دیا۔ اور جب وہ جا چکا تو حاضرین سے کہا دو  
 فرزوق بنی شمیم سے ہے۔ اور اُن لوگوں نے ظہور اسلام سے ڈیڑھ سو برس پہلے  
 خانہ کعبہ پر یورش کر کے اسے لوٹ لیا تھا۔ اُن کی یہ بے اہم دلی دھجی تو  
 تمام اہل عرب نے اتفاق کر کے اُن کی ایسی بے وقعتی کی جیسی کسی کی نہیں ہوتی تھی۔  
 اور انھیں ارض تھامہ سے نکال دیا۔ یہ کہہ کے فرزوق کے پاس کھلا بھیجا کہ نوار کا مہر  
 لاکے حاضر کرو ورنہ بہت بُری طرح سے تمہیں قتل کر دوں گا، فرزوق نے چند  
 اور شعر کہے جن میں اپنی قوم کی تعریف کی۔ اور اُن الزاموں کی غدر خواہی کی جو ابن  
 زبیر نے اُس پر لگائے تھے۔ ان اشعار کو سُن کے ابن زبیر بہ ظاہر خاموش  
 ہو رہے مگر دل میں لیے رہے۔ اتفاقاً ایک دن وہ نماز کے لیے گھر سے نکلے  
 تو راستہ میں فرزوق کو دیکھا دیکھتے ہی لپک کے ٹینٹوایا۔ اور کہا "میرے حکم کی  
 جس طرح بنے تعمیل کرو"

اب فرزوق نہایت پریشان تھا۔ ساری شاعری اور جو گوئی بھول گیا۔ اور

کوئی تدبیر بنائے نہ بنتی تھی کہ کسی نے کہا کہ تم دو سلم بن زیاد کے پاس چلے جاؤ۔ جو قیدی خانہ میں گرفتار ہے۔ کیونکہ ابن زبیر اُس سے کچھ رقم طلب کرتے ہیں اور وہ بین دیتا، فرزوق سنتے ہی سلم کے پاس دوڑا گیا اور اپنی مصیبت بیان کی سلم نے پوچھا ”کتنے مین مہراوا ہو جائے گا؟“ کہا ”چار ہزار دینار مین“ سلم نے فوراً چار ہزار دینار کی رقم نوار کے مہر کے لئے ادا اس کے علاوہ دو ہزار دینار اُس کے سفر خرچ کے لئے کل چھ ہزار دلوادئے۔ یہ رقم پانے کے بعد فرزوق کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ فوراً عبداللہ بن زبیر کے پاس آئے وہ رقم سامنے بٹادی۔ اور کہا ”لے لائیے میری جورد کو“، انھوں نے نوار کا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں دیا اور وہ رقم بھی واپس کی۔ فرزوق نے نوار اور اُس کے مہر کی رقم کو لے کے مکہ سے بصرہ کی راہ لی۔ اور جوش مسرت میں کہا ”جب ہم دونوں بصرہ سے چلے ہیں ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اور آج مکہ سے چلے ہیں تو ایک دوسرے کے دوست ہیں“ پھر نوار کی طرف متوجہ ہو کے ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا کہ ”اپنے ابن عم کے پاس آؤ۔ اور اُس شخص کی سی نہ بن جاؤ جو گھوڑے کو چھوڑ کے گدھے کو غتیا کر کے“

اس کامیابی کے بعد فرزوق اُسے لے کے بصرہ میں آیا۔ مگر اس نکاح اور تعلق میں کسی قسم کا لطف نہ تھا۔ کیونکہ میان بی بی مین الفت و محبت ضروری ہو اور یہاں مارے باندھے کا سودا تھا۔ نوار کی زندگی تلخ تھی۔ اور کسی بات میں لطف نہ آتا۔ فرزوق کی یہ حالت تھی کہ پورا پورا شاعر اور زندہ شرب تیرا۔ وہ اپنے دلی جذبات کے آگے نہ سوسائٹی کی پروا کرتا نہ قوم کی۔ نہ سلطنت سے ڈرتا تھا نہ دین سے۔ نہ کسی دوست کے بس میں تھا۔ اور نہ کسی عورت کے۔ ایسے کے ساتھ نباہنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ وہ لوگوں کی سچین کہتا ہر معاشرہ



پر حملہ کرتا۔ اور لوگ اسے قتل کی دہمکیاں دیتے۔ ان سب باتوں کو نواز آنکھوں کی لکڑی  
 میں دیکھتی اور دل میں کڑھ کے رہ جاتی۔ اس کے ساتھ وہ متقی و پرہیزگار تھی۔ فرزدق  
 زندہ شرب تھا۔ جسے شاعری کی دھن میں نہ دین کی پرداہ رہتی نہ دنیا کی۔ نواز  
 کے دل میں بار بار خیال آتا کہ فرزدق نے مجھے زبردستی چھاس لیا ہے۔ میرا  
 اس کا عقد جائز طور پر اور سچے لہجہ و قبول سے نہیں ہوا۔ اس لیے میں اس  
 پر حرام ہوں۔ پھر یہ خیال آتا کہ شرع فرزدق کے موافق فیصلہ کر چکی ہے۔ الغرض  
 عجب شش بیچ میں تھی۔ کبھی اس سے ملنا ترک کر دیتی اور کبھی مجبور ہو کے  
 ملنے لگتی۔ علاوہ دیگر اسباب اختلاف کے یہ بھی تھا کہ فرزدق بد وضعی کے ساتھ  
 نہایت ہی بد صورت بھی تھا۔ اس کا اصلی نام ہمام تھا۔ مگر بچپن ہی میں آپ کا  
 چہرہ ایسا واقع ہوا تھا کہ باپ نے اس پر فرزدق کی چھتی کہی اور یہی اس کا  
 لقب پڑ گیا۔ فرزدق عربی میں سوکھی روٹی کے ٹکڑوں کو کہتے ہیں۔ چنانچہ ایک بار  
 ایک شخص نے بنانے کے لیے فرزدق سے پوچھا تو تمھارا نام کیا ہے؟ بولا  
 ”فرزدق“ اس نے فقہہ لگا کے کہا ”فرزدق کیا۔ یہ تو سوکھی روٹی کے ٹکڑوں کو  
 کہتے ہیں“ فرزدق بھلا کب دسے والا تھا۔ بولا الحمد للہ خدا نے مجھے تمھاری جڑوں  
 کے پیٹ میں پہنچا دیا۔

ایک دن ایک صحبت میں بنی خرام کے چند لوگ جمع تھے جن میں حضرت  
 عثمان ذی النورین کا غلام عبیدہ بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اتفاقاً فرزدق کا ادھر سے گزر  
 ہوا عبیدہ نے مذاقاً پکار کے پوچھا ”اے ابو فراس دیہ فرزدق کی کنیت ہے، علم  
 آخرت میں کب جاؤ گے؟“ فرزدق نے پوچھا ”کیون؟ تمھارا وہاں کوئی کام  
 ہے؟“ جواب دیا ”ہاں تمھارے ہاتھ میں اپنے والد مرحوم کے پاس ایک خط  
 بھیجوں گا“ فرزدق نے رعبہ کہا ”تو پھر زیا تو یہ یا اصطفا نوس دسی مجھ سے“

عیسائی کی معرفت بھیجو۔ کیونکہ تمہارے باوا دونوں میں جہان ہیں وہاں میرا گزر نہ ہوگا۔  
 محض نوار کے ستانے کے لئے فرزدق نے چند روز بعد چیمہ نام ایک اور عورت  
 کے ساتھ نکاح کر لیا۔ پھر اسی ضد میں ایک اور عورت سے نکاح کیا جس کا نام  
 حدراء بنت زیوت شیبانیہ تھا۔ اس پر نوار اس قدر بھجلائی کہ آپ سے باہر  
 ہو کے لیٹ پڑی۔ اور فرزدق کی ڈاڑھی نوچ ڈالی۔ آپ نے گھر سے باہر نکل  
 کے دو شعر کہے۔ جن کا مطلب یہ تھا کہ ”نوار میری ڈاڑھی نوچنے لگی اور جعدہ  
 خنشاں کی ڈاڑھی نوچتی ہے۔ دونوں جب بگڑتی ہیں شیر زبان بن جاتی ہیں اور  
 راضی ہوں تو بڑے مزے کی زندگی گزرتی ہے۔“ خنشاں اس زمانہ میں ایک  
 شخص تھا جس کی بی بی کا نام جعدہ تھا۔ یہ شعر جب مشہور ہوئے اور جعدہ کے  
 کان تک پہنچے تو وہ نواب کے پاس دوڑی آئی۔ اور کہا ”میں نے تمہارے میان  
 کا کیا بگاڑا تھا جو انھوں نے تمہارے ساتھ بچھے بھی لے ڈالا؟“ نوار کیا  
 جواب دیتی کہا ”میں نے بھی صبر کیا اور تم بھی صبر کرو۔“

حدراء کا مہر فرزدق نے حجاج سے مانگ کے ادا کرنا چاہا جس کی متذللہ کیو  
 اونٹ تھی۔ یہ اونٹ لے کے جب گھر میں آیا تو نوار نے کہا ”ایک بدویہ نصرانیہ  
 کالی گلوٹی دہلی حقیر اور مجھ کی سی ٹانگوں والی عورت کا مہر اور ٹلو اونٹ، مگر فرزدق  
 مہر کے یہ اونٹ لے کے حدراء کے گھر گیا تو وہ مر چکی تھی۔“

فرزدق کا مقابل ان دنوں جریر شاعر تھا جو اس کی خوب خبر لیا کرتا۔ اور  
 فرزدق بھی دنیا میں اگر کسی سے ڈرتا تھا تو اسی سے۔ آج تک عربی کے بانڈازوں  
 اور سخن فہمین میں اختلاف پڑا ہوا ہے کہ ان دونوں شاعروں میں کون افضل تھا  
 کوئی فرزدق کو زیادہ پسند کرتا ہے اور کوئی جریر کو۔ اس میں شک نہیں کہ فرزدق کے  
 کلام کو ترجیح دینے والے زیادہ ہیں۔ لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ جریر نے جس جس

طرح فرزدوق کی مٹی خراب کی ہے کوئی نہ کر سکتا تھا۔ خود فرزدوق اس کا لوہا مٹا بیچے  
تھا۔ اور اپنے شرمناک واقعات کو چھپاتا اور ساتھیوں سے کہتا مدد بھی اس بات کا  
کسی سے تذکرہ نہ کرنا۔ جریر کو خبر ہو گئی تو میری مٹی پلید کر ڈالے گا۔

عبدالمدین عطیہ فرزدوق اور جریر دونوں کے اشعار کا راوی تھا۔ وہی اُس کے  
کلام کو محفوظ رکھتا اور مدثون و مرتب کرتا۔ ایک دن فرزدوق نے اُسے بلا بھیجا اور کہا  
میں نے ابن مراغہ و جریر کی شان میں ایک شعر کہا ہے اگر اس نے اُس کا جواب  
دے دیا تو نوار پر طلاق ہے، وہ شعر یہ تھا

فانی انا الموت الذی ہونازل<sup>علہ</sup> بنفسک فانظر کیف انت تجاول<sup>علہ</sup>

پھر کہا تم خود جا کے یہ شعر جریر کو سناؤ اور کہو اب کیا کہتے ہو؟ عبدالمد  
سفر کر کے پیام میں گیا۔ جہاں جریر رہتا تھا۔ اُسے اس حال میں پایا کہ دروازہ کے  
سامنے بیٹھا باؤ سے کھیل رہا تھا۔ فرزدوق کا یہ شعر سنا کہ اُس کا پیام پہنچا دیا۔  
سننے ہی جریر نے بالو پر لوٹنا سر پر خاک ڈالنا اور سارے پنڈے میں بالو ملنا شروع  
کیا۔ مغرب کے وقت تک اسی مشغلہ میں رہا۔ اور یکایک جوش کے ساتھ بولا وہ لوہین  
نے نوار کو طلاق دلوادی اور یہ شعر پڑھا

انالہ یغنی الموت والدم خالد<sup>علہ</sup> فغنی بئیل الدہر شی یطاول<sup>علہ</sup>

عبدالمد نے واپس آ کے جب یہ شعر فرزدوق کو سنایا تو دم بخود رہ گیا اور بولا  
تو اب اس واقعہ کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔

اُس کا اسی کمزوری سے نوار نے بھی فائدہ اٹھایا۔ فرزدوق نے اُس کے چھپنے  
آہستہ ملنے کے لیے حد راک کی تعریف میں اشعار کہے اور اُن میں نوار کی تحقیر کی۔ نوار نے

علہ میں زمانہ ہوں جو موت کو ملے۔ برقرار رہتا ہوں بجلا زمانہ کی کوئی چیز تو مجھے نباس کی زندگی کی ہی طرح لانی نہ ہو

علہ میں موت ہوں جو تجھ پر نازل ہوتی ہے۔۔۔ مے سنبھل دیکھو تو اُس کا کیسے سامنا کرتا ہے

کہا "اب تم یوں نہ مانو گے۔ اچھا دیکھنا اس کا کیسا مزہ چکھائی ہوں" پھر آدمی بھیج کے جریر کو اُس کے وطن سے بلا بھیجا۔ اور اس سے فرزدق کی بیہودگیوں کی شکایت کی۔ اور کہا کہ وہ میری جھوٹے شہرت ہے۔ جریر نے کہا بانی بی تم اپنا دل نہ رکھاؤ میں اُس سے سمجھ لو نگاہ چنانچہ اُس نے فرزدق کی خوب خبر لی۔ اور فرزدق نے بھی اُس کا جواب دیا۔ اسی طرح نوار نے اپنا دل رکھ جا کے بنی قیس بن عاصم میں بیاہ لیا اور وہ لوگ اُس کے ساتھ ہمدردی کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ فرزدق کو اس کی خبر ہوئی تو اُن لوگوں کی عجیبین دوشعر کہے۔ یہ شعر سُن کے اُن لوگوں کو بڑا طیش آیا۔ اور اُنھوں نے فرزدق کے پاس بکھلا بھیجا "اگر اس کے بعد تیرا شعر تم نے کہا تو خدا کی قسم ہم تمہیں مار ڈالیں گے" یہی زبردست دھمکی تھی کہ پھر فرزدق کو کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔

چند روز بعد فرزدق نے بہیمہ بنت غنی غمریہ سے عقد کیا۔ مگر وہی چار روز بعد اُس سے بگڑ گئی۔ اور ایسی بگڑی کہ طلاق کی نوبت آئی۔ اور فرزدق نے اپنے پرانے حربہ سے کام لیا یعنی اُس کی بچہ کہی بنی نیشل کی ایک چھو کر سی سے نکاح کیا۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس سے ناجائز تعلق پیدا کر لیا۔ وہ حاملہ ہوئی۔ اور وضع حمل میں مر گئی۔ فرزدق نے اُس کے غم میں مرثیہ کہا۔

سب کے بعد بڑھاپے میں آپ نے طبیعت بنت حاتم مجاشعہ کے ساتھ نکاح کیا۔ مگر چونکہ مہر میں دینے کے لئے کوڑی پاس نہ تھی اس لئے اُسے ایک سال تک اسی کے میکہ میں جو صحرائے عرب کے اندر تھا رہنے دیا۔ پھر عامل فارس ابان بن اسد کی کو لکھا تو اُس نے مہر کی رقم دلوادی سب آپ اُسے رخصت کر کے گھر میں لائے تو آپ کے ضعف پیری کے باعث وہی نتیجہ ظاہر ہوا جو سعدی شیرازی نے گلستان میں بتایا ہے۔

میان شوہر زن جنگِ فتنہ خاست چنان کہ بشجونہ و قاضی کشید و سعدی گفت  
پس از ملازمت و شغلت گناہ دختر نیست ترا کہ دست بر لرزد و گہر چہ دانی مفت

گھر کی جوتی پیرار کے بعد یہ شرمناک مقدمہ جن قاضی صاحب کے اجلاس میں پیش ہوا۔ اُن کا نام نامی مہاجر تھا۔ مگر فرزدق کی ہجوؤں کا خوف اُس پر بھی اس قدر غالب تھا کہ فیصلہ کرنے سے پہلے ہی کہہ دیا "طبیہ" چاہتے فرشتوں ہی کو گواہی میں کیون نہ لائے۔ مگر میں فرزدق کے خلاف مقدمہ نہیں فیصلہ کر سکتا،

فرزدق کے پاس ایک اور عورت تھی جو حبش تھی جس کے بطن سے ایک لڑکی بھی ہوئی تھی جو مکیتہ کہلاتی تھی۔ اس حبش کی تعریف میں آپ نے چند شعر کہے تھے۔ جن میں منجملہ دیگر محاسن کے اُس کی خوشبو کی بھی تعریف کی تھی۔ وہ اشعار اُس کے نوآر بولی "ہاں اسی کی سی خوشبو تم میں بھی آتی ہے"۔

فرزدق کا اصلی حربہ اُس کی ہجو گوئی تھی جس سے اُمرا و عیال سلطنت شرفائے زمانہ اور اُس کے معاصر شعر اتک ڈرتے تھے۔ اسی قدر نہیں بعض اوقات وہ اپنی رند مشربی اور آوارہ مزاجی میں بھی اسی حربہ سے کام لیا کرتا تھا۔ چنانچہ آپ ایک خوبصورت شریف خاتون عوبہؓ پر فریفتہ ہو گئے۔ اور اُسے دھکی دی کہ مجھ سے رخصتی ہو جاؤ۔ ورنہ ہجو کہہ کے سارے زمانہ میں بدنام کر دوں گا۔ جب کئی بار اُسے اسی طرح کی دھکی دی تو وہ مجبوراً نوار کے پاس آئی اور کہا "خدا کے لینے اپنے میاں کو روکو۔ وہ میری آبرو لینے کے درپے ہیں۔ اور میں کوئی بدکار عورت نہیں ہوں"۔ نوآر نے کہا "فرزدق کے سیدھا کرنے کی یہ تدبیر نہیں ہے۔ تم اُس سے وعدہ کر لو۔ ادب دن کا وعدہ ہو مجھے بلا بھجو۔ پھر دیکھو کیسی دگلی ہوتی ہے"۔ اُس خاتون نے یہی کیا۔ وعدہ کی شب کو آپ خوش خوش پہنچے۔ اُس نے کہا "میں تم کو خلوت کے کمرہ میں لینے کو جیتی ہوں۔ مگر وہاں چراغ نہ ہو گا۔ ممکن ہے کہ میرا کوئی عزیز آجائے"۔ آپ نے جوش محبت میں منظور کر لیا۔ کمرہ میں گئے۔ اندھیرے میں وہ خاتون توپل دی۔ اور اُس کی جگہ نوآر آ کے بیٹھ گئی۔ لطف محبت اٹھانے کے بعد یہ بھی

بھی اطمینان سے نہیں بیٹھنے پائے تھے کہ نور نے ایک دوہتر مارا۔ اور چلائی کہ تم کو  
شہدے تیری یہ حرکتیں ہیں!، آواز پہنچاتے ہی آپ نے فی البدیہہ کہا نہ آخا وہ  
یہ تم تھیں! اما اطمینان حراما وادارک حلالا، کیا بتاؤں کہ حرام میں تم کیسی اچھی ہو  
اور حلال میں کیسی بُری تھیں!،

مگر باوجود ان سب باتوں کے جانتا تھا کہ میری اصلی بی بی اور مجھ پر حق رکھنے  
والی نور ہی ہے۔ چنانچہ ایک بار فرزوق کہیں باہر تھا۔ مکتیہ کی ماں جشن نے اُسے  
نوار کی شکایت لکھی کہ میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتیں۔ اُدھر نور نے بھی اُسے  
اس جشن کی شکایت لکھ بھیجی۔ اس کے جواب میں فرزوق نے تین شعر لکھ کے اُس  
جشن کے پاس بھیجے جن میں مکتیہ کی ماں کو ڈانٹا اور لکھا تھا کہ نور کو کوئی  
معمولی عورت نہ سمجھنا۔ وہ شریف ہے اور بڑے باپ کی بیٹی ہے۔

مگر باوجود اس کے نور کے دل میں فرزوق کی جانب سے روز بروز نفرت  
بڑھتی ہی جاتی تھی۔ اور اس پر طرہ یہ کہ وہ اس کو ناجائز شوہر نہیں خیال کرتی تھی  
جب اور کسی طرح زور نہ چلا تو اُس نے فرزوق کی خوشامد درآمد سٹورس کی۔ ہر  
بات میں اُس کی خوشی پر چلتی۔ کوئی فعل اُس کی مرضی کے خلاف نہ کرتی۔ یہاں  
تک کہ ہزار خرابی اُسے طلاق دینے پر آمادہ کر لیا۔ لیکن اب بھی فرزوق نے اُس  
سے اتنی شرطیں کرالیں کہ ۱۱ طلاق کے بعد بھی تمہارے گھر سے نہ جاؤں گی (۲)  
تمہارا ساتھ کبھی نہ چھوڑوں گی۔ ۱۲ کسی اور شخص کے ساتھ نکاح نہ کروں گی (۱۴)

اور میرے مال و اسباب اور میری جائیداد پر تم جو تصرف چاہو کر دے تمہیں اختیار ہو گا۔  
میں تمہارا ہاتھ کبھی بھی نہ پکڑوں گی۔ تب اُسے لے کے اُس زمانہ کے امام دین جن  
بصری کے سامنے گیا اور کہا "اے ابو سعید دیہ جن بصری کی کنیت ہے، آپ  
گواہ رہیے کہ میں نے نور کو طلاق دی،، حسن بصری نے سُن کے کہا "ہاں میں

گواہ ہوں، اس طلاق کے وقت گواہوں کی حیثیت سے راوی اشعار فرزدق ابوشنفل اور ایک دوسرا راوی فرزدق کے ساتھ تھے۔ خود نوار بھی موجود تھی جس کے ہمراہ بہت سے لوگ گئے تھے۔ مگر فرزدق کی ہیت سے سامنے نہیں آتے تھے بلکہ ستونوں کی آڑ میں چھپے رہے۔ واپسی کے وقت فرزدق نے ابوشنفل سے کہا مدبھی میں تو اپنے کئے پر تپتا ہوں رومی نہیں چاہتا کہ نوار کو طلاق دے کے آزاد کر دوں، ابوشنفل نے کہا تو ایسا ہے تو خدا کی قسم تم اپنی جان دیا چاہتے ہو۔ جانتے بھی ہو کہ کس کو اپنے طلاق کا گواہ بنا چکے ہو؟ اگر حسن بصری نے اشارہ بھی کر دیا تو مسلمان تمہیں سنگسار کر کے مار ڈالیں گے۔ تاہم فرزدق نے اس انوس میں چند شعر کہے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُسے نوار سے سچی محبت تھی۔ اُن میں کا ایک شعر یہ ہے

وکان ضحیٰ فخر جنت منہا کا دم حین اخر جہ الضرا

اور وہ (نوار) میری جنت تھی۔ جس نے میں ویسے ہی نکلا جس طرح حضرت آدم کو بھوٹ اور نفاق نے نکالا تھا۔ اور نوار کا یہ طلاق لینا بھی محض دینداری کے خیال سے تھا زائد کسی وجہ سے ہے۔ اپنے دل میں وہ اپنے لئے فرزدق کی صحبت کو حرام و ناجائز خیال کرتی تھی۔ بس اسی سے بچنے کے لئے اُس نے ہزار دشواری آزادی حاصل کر لی۔ ورنہ جو شرطیں وہ فرزدق سے رکھتی تھی۔ اُن کی وجہ سے طلاق کے بعد اُسے کسی قسم کی آزادی نہیں حاصل تھی۔ نہ اُسے اپنے رُوپیہ پیسہ پر تصرف کرنے سے روک سکتی تھی۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ کیسی پارسا و پاک طینت اور نیک بنی تھی۔

مرنے سے پہلے اُس نے فرزدق کو وصیت کی تھی کہ میرے جنازہ کی نماز حسن بصری آکے پڑھائیں۔ فرزدق نے انھیں اس وصیت کی خبر کی تو فرمایا کہ اگر نوار نے مجھ سے پہلے سفر آخرت کیا تو میں ضرور اُس کی نماز جنازہ پڑھاؤں گا، اتفاقاً

یہی ہوا کہ نوار ہکڑائے عالم جاودانی ہوئی اور جن بصری زندہ ہووے دستے۔ فردق نے جاک  
اطلاع کی تو وہ فوراً چلے آئے۔ یہاں پہنچ کے دیکھا تو بہت سے لوگ بیٹھ لگائے  
کھڑے تھے۔ پوچھا یہ کیوں کھڑے ہوئے ہیں۔ فردق نے کہا: ”سب اہل شخص  
اور سب سے بڑے شخص کے انتظار میں تھے“ اُس کی مراد تو اچھے سے سن بصری  
اور بڑے سے خود اپنی ذات تھی۔ مگر جن بصری نے دونوں جملوں کو اپنے ہی سے  
متعلق کیا اور کہا: ”نہ میں سب سے اچھا ہی ہوں اور نہ سب سے بُرا ہی ہوں“  
اس کے بعد نماز پڑھا کے نوآر کو دفن کر دیا۔ اور قبر کی طرف اشارہ کر کے بڑھیا  
اس خواجگاہ کے لیے کیا سرمایہ جمع کیا ہے؟“ فردق نے کہا: ”سرمایہ کا یہ عقیدہ  
کہ لا الہ الا اللہ، اس سے پتہ چل جاتا ہے کہ فردق بھی دل سے سچا شہداء تو حید تھا  
اور توحید ہی کو ذریعہ نجات جانتا تھا۔ اور اسی لیے اُن دونوں میان بی بیوں کی نسبت  
کہتے ہیں کہ ”اللہم غفر لہما“ ۛ

## جون آف آرک

(فرانس کی مظلوم حامیہ وطن)

یون تو ہر ملک اور ہر قوم میں صد ہا نامور عورتیں گزری ہیں جنہوں نے اپنے جن  
جمال کی قوت سے زمانہ کو سحر کر لیا۔ اور بڑے بڑے کارہائے نمایاں دکھا دیئے۔  
مگر جون آف آرک کی شان و وضع کی عورت پرانے کے ڈھونڈیئے تو بھی  
ساری دنیا میں نظر نہ آئے گی۔ اس کی سرگزشت جیسی دلچسپ اور حیرت خیز ہے۔  
ویسی ہی جگہ خواش اور خون رلانے والی بھی ہے۔



پندرہویں عیسوی صدی کے آغاز میں مملکت فرانس کی حالت نہایت ہی نازک ہو رہی تھی۔ شاہ چارلس ششم بالکل فاؤل عقل اور مجنون تھا۔ نہ اس کے سنبھالنے نظام مملکت سنبھالتا تھا۔ اور نہ بیرونی حملہ آوردن کی روک تھام ہو سکتی تھی۔ اس کا اکلوتا بیٹا ڈوفین نالائق خوشامدیوں میں گھرا ہوا تھا اور اس پر طرہ یہ کہ لوگوں کو اس کی نسبت باپ کے حلالی بیٹے ہونے میں شبہ تھا۔ کیونکہ ایک معاہدے کی رو سے سارے حقوق شاہی انگلستان کے بادشاہ ہنری پنجم کو دے دیئے گئے۔ اور وہ جائز وراثت سے محروم کر دیا گیا۔ اور ڈوفین یعنی چارلس ہفتم کے بنی اعمام اور بھائیوں نے اپنے جتنے باندھ کے ارادہ کیا کہ خود ہی ملک کے مالک بن جائیں۔ خصوصاً ڈیوک آف برگنڈی جو انگریزوں سے ملا ہوا تھا۔ سلطنت کی ہوس کے ساتھ بعض غلط فہمی نزعوں کا انتقام بھی لینا چاہتا تھا۔ مگر امر کے سوا عام، عایا چارلس ششم کے بیٹے ڈوفین ہی کی طرف دار تھی۔ اور اسی کو حقیقی وارث سلطنت تصور کرتی تھی۔ ان سب امور کا نتیجہ یہ تھا کہ فرانس کے امر اور شاہزادوں میں جھگڑے چھڑے ہوئے تھے دوسری طرف سے انگریزوں کے لشکر نے فرانس کی فوجوں کو شکستیں دیں۔ اور یکے بعد دیگرے شہروں پر قبضہ کرتے چلے جاتے تھے۔ آخر کار انگریزوں نے شہر اور لیان کا محاصرہ کر لیا۔ محصورین کی حالت نازک ہو رہی تھی۔ اور سلطنت کے بنا کچھ نہ رہتا تھا۔ ایسے نازک وقت میں ان تمام دشواریوں کے دور کرنے اور فرانس کو تباہی سے بچانے کے لیے خدا نے یہ عجیب و غریب لڑکی جون آف آرک پیدا کی جو ساری دنیا میں آپ ہی اپنی نظیر ہے۔

یہ ایک فرانس کی نو عمر دلنویز حسین و نازنین گلہام و سیم تن و دھیرہ لڑکی تھی۔ زلفیں مشرقی جینون کی طرح سیاہ تاب اور شکنیں تھیں۔ اور آنکھیں بھی بکلتے نیلگوں اور نیلو فری ہونے کے جادو نگاہ مسہ و شان مشرق کی طرح خوب کالی اور نہایت چمکدار تھیں۔

اُس کے بے مثل حسن و جمال سے دلبری کا پورا کمال نمایاں تھا۔ اور اُس کی دلد و دلچسپی اپنی دلربائی کی قوت سے سارے عالم کے مسخر کرنے کا دعویٰ رکھتی تھیں۔

ملک فرانس میں دریائے لویرن کے کنارے ڈومری نام ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ اُس میں جیک آف آرک نام ایک کسان رہتا تھا۔ جو اپنی بی بی ازاو کے ساتھ بستی کے دوسرے لوگوں کے دیکھتے کسی قدر معزز و ممتاز خیال کیا جاتا تھا۔ کیونکہ اُس کے پاس تھوڑا سا غریبا متوسلہ رہتا تھا۔ مویشیوں کے دو ایک گلہ تھے۔ اور اس کے ساتھ خدائے تین بیٹے دیئے تھے۔ اور دو بیٹیاں۔ انھیں دو بیٹیوں میں سے ایک جون آف آرک تھی جسے لوگ چھوٹی بہن بتاتے ہیں۔ اور بعض بڑی۔

جون آف آرک ۱۵ اجزوی ۱۴۱۲ء کو پیدا ہوئی تھی۔ جب ننھی لڑکی تھی اکثر باپ کی بکریاں چرانے کو گاؤں کے اطراف و جوانب میں چلی جاتی۔ اُس کی ماں ازاو نے کسی خانقاہ میں تعلیم پائی تھی جس کی وجہ سے اُس پر مذہبی رنگ غالب تھا۔ اور وہی تعلیم اُس نے اپنی بیٹیوں کو بھی دی۔ سینا۔ پرونا۔ کاڑھنا۔ چرخہ کا متنا سکانے کے ساتھ ساتھ اُس نے انھیں دعا و عبادت۔ زہد و تقویٰ۔ اور پاکدامنی و عفت شعاری کی اعلیٰ تعلیم دی۔ خصوصاً ابتدائے شب کو بیٹیاں اُس کے پاس اپنا سینا پرونا لیکے بیٹھتیں تو وہ انھیں مسیحی ولیوں اور شہیدوں اور بزرگان دین کی داستانیں سنایا کرتی۔

یہ باتیں دوسری بہن پر تو معمولی اثر کرتی رہیں مگر جون کے دل پر فطری استعداد کے باعث عجیب قسم کا اثر ہوا۔ پانچ ہی برس کی تھی کہ ان واقعات کی فکر میں اُس پر ایک استغراق اور مراقبہ کا سا عالم طاری ہو جاتا۔ اور کبھی کبھی اُن بزرگوں کی صورتیں متشکل ہو کے اُس کے خیال کی آنکھوں کے سامنے آ کے کھڑی ہو جاتیں۔ اور چندی روز میں اسے بار بار نظر آنے لگا۔ نہ عالم خیال میں فرشتہ اور روحیں آ کے اُس سے ملتی اور باتیں کرتی ہیں۔ مگر اُن کیفیتوں کو اُس نے اپنے پُرسمرا سینہ میں مخفی رکھا۔

اور مان باپ یا کسی پر بھی کوئی بات نہ ظاہر ہونے دی۔  
اب وہ تیرہ برس کی نوخیز دوسرے وقامت و شیرہ تھی۔ ایک دن گاؤں کے  
گرجے کے قریب اپنے گلہ کی نگہبانی کرتی۔ اور ہاتھ میں کوئی کپڑا لیے گاڑہ رہی تھی کہ  
ناگمان آنکھوں کے سامنے ایک نور چمکا۔ پھر ایک نورانی پیکر آسمان سے اترتا نظر آیا  
جس نے قریب آئے کہا ”جون! اچھی لڑکی بن جا، اس واقعہ سے وہ سہم گئی اور نہایت  
حیران و پریشان اور بدحواس و مہیبت زدہ تھی۔ مگر ان روحانی میرون کا سلسلہ  
بڑھتا ہی جاتا تھا۔ بار بار ایسی ہی چیزیں نظر آتیں جن کے ذریعہ سے اُسے ہدایت  
کی جانے لگی۔ کہ ”اٹھ اٹھانے جس کام کے لیے تجھے پیدا کیا ہے اُسے پورا کر ارجا۔  
اور بادشاہ فرانس کی مدد کر! کیونکہ تو ہی ملک کی پشت و پناہی کرے گی، یہ باتیں  
سُن کے وہ اور زیادہ سہم گئی۔ بعض اوقات کانپتی ہاتھ تھرتاتی اور اپنی بے بسی  
پر رونے لگتی۔ اور چشمِ قنار سے آنسو پونچھ کے کہتی ”مجھ سے غریب ناتوان کا وہ  
لڑکی کیا کر سکتی ہے؟ میں نہ گھوڑے پر سوار ہونا جانتی ہوں۔ نہ تلوار چلانا جانتی  
ہوں۔ پھر فرانس کی کیا خاک مدد کروں گی؟ ما۔

اب اُس میں ضبط کا یارہ نہ تھا۔ دلی جذبات کے ظاہر کرنے کے لیے بیتاب  
تھی مگر کسی سے کچھ کہتے بھی نہ بنتی تھی۔ آخر نہ رہا گیا۔ اور اپنے ایک عزیز ہم سرن  
لڑکے سے جس کا نام جرادو تھا۔ اور ایک ایسے گاؤں کا رہنے والا تھا جہاں کے  
لوگ شاہ فرانس کے خلاف اور ڈیوک آف برگنڈی کے طرفدار تھے۔ اُس نے  
دلی زبان میں کہا ”اگر تم برگنڈی کے طرفدار نہ ہوتے تو میں تم سے ایک بات کہتی ہوں،  
جرادو دل ہی دل میں چون کے رخِ زیبا کا فریفتہ ہو رہا تھا یہ کلمات سُن کے  
خوش ہوا اور سمجھا کہ ”غالباً میری طرح یہ بھی میری طرف مائل ہے۔ شاید ہی تذکرہ  
چھیرے لگی، مگر وہ ہنر پوچھتا رہا چون نے کچھ نہ بتایا۔ اور لب تک آئی ہوئی بات کو

پھر دبا دیا۔

وہ نورانی صورتیں جو اُس کے پاس آیا کرتیں انھوں نے اُسے یہی بتایا تھا کہ مقام دوکولر کے کپتان کے ذریعہ سے تو بادشاہ فرانس چارلس ہفتم سے مل۔ اسی چکر میں تھی کہ اس کپتان سے کیونکر ملوں کہ اتفاقاً ڈیورنڈ کزنارٹ نام اُس کا ایک رشتہ دار اُس کے والدین سے ملنے کو آیا جو مقام دوکولر کے قریب ہی رہتا تھا۔ جن نے تنہائی میں موقع پاکے اُس سے التجا کی کہ چند روز کے لئے آپ مجھے اپنے ساتھ لیتے چلیے۔ اور اباجان سے یہ بہانہ کر دیجیے کہ چچی امان دآپ کی بی بی نے مجھے بلایا ہے۔ ڈیورنڈ نے جون کی یہ خواہش پوری کر دی۔ اور اُسے اپنے ہمراہ اپنے گھر لے گیا۔ وہاں پہونچ کے ایک دن جون نے جی کوٹاکر کے ڈیورنڈ سے کہا کہ آپ دوکولر کے کپتان کے پاس میرا اتنا پیغام پہونچا دیتے کہ مجھے بادشاہ چارلس ہفتم کے پاس پہونچا دیں۔ اسلئے کہ میں اُن کی مدد کرنے اور انگریزوں کو فرانس سے مار کے نکال دینے کی اہم خدمت پر مامور ہوئی ہوں، ڈیورنڈ یہ باتیں سُن کے حیرت زدہ ہو گیا۔ پھر اُس کی حالت اور کیفیت دریافت کی۔ اور گویہ باتیں اُسے نہایت لائق نظر آتی تھیں۔ مگر اُس کا پیغام لے کے کپتان کے پاس چلا گیا۔ کپتان نے سنتے ہی ایک قہقہہ لگایا اور کہا تمہاری عقل جاتی رہی ہے۔ اُس چھوکری کے دو دھولین لگاؤ۔ اور اُس کے گھر میں بچہ دو۔ انگریزوں کا مقابلہ اور ایک کنواری لڑکی بھلا کوئی سمجھ میں آنے کے قابل بات ہے؟ ڈیورنڈ نادوم ہو کے واپس آیا۔ اور کپتان کا جواب صاف صاف جون سے بیان کر دیا۔

اب جون بظاہر تو خاموش ہو رہی۔ مگر دل کو کسی طرح قرار نہ آتا تھا۔ نا کام نومرا باپ کے گھر میں واپس آئی۔ اب اس کا راز فاش ہو چکا تھا۔ باپ کو بھی خبر ہو گئی اور اُس کے دل میں خیال گزرا کہ معلوم ہوتا ہے جون کے دل میں آوارگی کے خیالات پیدا

ہوئے ہیں۔ اور بدکار و بد اخلاق فوجی سپاہیوں میں جا کے رہنا چاہتی ہے۔ یہ خیال آتے ہی مارے غیرت کے پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اور یہ حالت تھی کہ کبھی خودکشی پر آمادہ ہو جاتا۔ اور کبھی بیٹی کی جان لینے پر۔ مگر جون نے ان باتوں کی ذرا بھی پروا نہ کی۔ کیونکہ اُسے حمایت و وطن کی دُھن بندھی ہوئی تھی۔ اور روحانی قوت نے اُس میں تہمت۔ حوصلہ۔ جرأت۔ شجاعت۔ سپہگرمی۔ شہسوار سی۔ ملک گیری۔ اور علم و فضل کے تمام کمالات پیدا کر دئے تھے۔ آخر دو ایسے نوجوان ساتھی بھی مل گئے جو اُس کے طرفدار اور حامی و مددگار بنے۔ اور انھیں ساتھ لے کے ۲۳۔ فروری ۱۷۲۱ء کو جب کہ اُس کی عمر ہنوز ۱۶۔ یا۔ ۱۷ برس کی تھی وہ گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔ اہل وطن نے روکا کہ راستہ دشوار اور آجکل ملک میں انگریزی لشکروں کے پھیلے ہونے کے باعث خطرناک ہو رہا ہے۔ مگر اُس نے ہر ایک کو یہی جواب دیا کہ دین میں یہ خطرہ کی برداشت کرنے ہی کے لئے پیدا ہوئی ہوں، سفر پر قدم رکھتے وقت مردانے کپڑے پہن لئے۔ ہتھیار لگائے۔ گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہوئی۔ اور وطن کو خیر باد کہہ دی۔

چارلس ہفتم ان دنوں شہر شیون میں تھا۔ جہاں اُس کے گرو و فضول مصاحبوں صد ہا عورتوں اور بہت سے تباہ کرنے والے ناعاقبت اندیش افسروں کا ہجوم تھا۔ راستہ میں طرح طرح کے خطرے دیکھ کے جو ان راتوں کو سفر کرتی۔ اور دن کو کسی پناہ کی جگہ ٹھہر جاتی۔ گیارہ دن کی دشت نور دی کے بعد یہ سفر ختم ہوا۔ اور وہ شیون کے قریب فیبر ہوا نام ایک گاؤں میں ٹھہر گئی۔ یہاں سے اُس نے باؤشاہ چارلس کو اپنے آنے کی خبر کی۔ اور کہلا بھیجا کہ ”میں آپ کے تخت کو بچاؤں گی۔ شہر اور لیان پر سے انگریزوں کا محاصرہ اٹھاؤں گی۔ اور مقام رائن میں آپ کو تاج شاہی پہناؤں گی یا جس سے وہ محروم کر دیا گیا تھا۔“

مجن کے قاصد نے بادشاہ کی باریابی حاصل کر کے جیسے ہی یہ پیغام پہنچا کر  
 بادشاہ کو غصہ سا آگیا کہ ایک کم سن چھو کر می۔ اور میری امداد کا دعویٰ۔ پھر ایک نہر خند  
 کے ساتھ بولا ”اچھا میں اس بار سے میں وزیر دن سے مشورہ کر لوں تو جواب دوں“  
 وزیر دن اور شیر دن کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا گیا تو ایک گروہ نے اس درخواست  
 کا مضحکہ اڑایا۔ اور ایک گروہ کی رائے قرار پائی کہ اُسے اپنی تدبیر میں عمل میں لانے  
 کا موقع دیا جائے۔ کیونکہ اس میں کوئی سفارقت نہیں نظر آتا۔ تین دن تک ان لوگوں  
 میں کمیٹیاں ہوتی رہیں۔ اور کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ غنیمت یہ ہوا کہ خود بادشاہ موافق  
 و مخالف گروہوں کے بین بین میں تھا۔ آخر اُس کے دل میں آئی کہ اچھا کوئی اصرار  
 کرنے سے پہلے میں اُس سے مل کے اُسے آزما تو لوں۔ فوراً قاصد واپس گئے کہ  
 جون کو لے آئیں۔ اور اُن کے جانے کے بعد اُس عجیب و غریب حسینہ لڑکی سے ملنے  
 کے لیے اُس نے حاسر باکر مرتب کیا تو اپنی جگہ اپنے کسی افسر کو اپنے کپڑے  
 پنھانے صدر میں بٹھا دیا۔ اور خود نہایت ہی عام وضع کے کپڑے پہن کے دربار  
 میں بل گیا۔ جون آئی۔ حاضریں دربار کی صفین چیرتی ہوئی صدر میں آئی۔ صدر  
 نشین کو دیکھا۔ پھر تمام حاضرین کے چہروں پر ایک اجمالی نظر ڈالی۔ اور لپک کے  
 خود چارلس مہتمم کے سامنے پہنچی۔ ادب سے سر جھکا دیا۔ اور بولی ”بردار بادشاہ  
 کی عمر دراز“ چارلس نے کہا ”میں بادشاہ نہیں بادشاہ وہ صدر میں بیٹھے ہیں۔  
 جون نے ادب سے عرض کیا ”بادشاہ تو آپ ہی ہیں۔ اور میں ایک غریب  
 لڑکی ہوں۔ جو روح القدس کی جانب سے اس خدمت پر مامور ہوئی ہوں کہ  
 آپ کی سلطنت کی بنیاد مضبوط کر دوں“

جون کی سادگی۔ خوبصورتی۔ اور اُسکی باتوں نے چارلس کے دل پر بڑا اثر  
 کیا۔ اہلئے دربار سے الگ تخلیہ میں جا کے اُس سے ملا۔ اس موقع پر جون

نے ایسی باتیں بتا دیں جو چارلس کے خیال میں اُس کے سوا دنیا بھر میں کسی کو نہیں معلوم تھیں۔ اس ملاقات کے بعد بادشاہ و برابار میں برآمد ہوا۔ اور تمام وزراء و امراء سے کہا مجھے تو اس پاکدل لڑکی کی سچائی کا پورا یقین ہو گیا۔ تاہم تم سب لوگوں کے اطمینان کے لئے میں اس کا اور امتحان کرتا ہوں یا یہ کہہ کے اُس نے شہر کے بڑے بڑے متقدیان دین استغفون۔ عالمون۔ اور مختلف علوم کے باکمالوں کو جمع کر کے جون کو اُن کے سامنے پیش کیا۔ کہ جس مسئلہ کو چاہیں اُس سے پوچھیں۔ عالموں نے مشکل سے مشکل مسئلہ چھیڑے اور سب کے لیے صحیح و برجستہ جواب جون نے ایسے فصیح و بلیغ الفاظ اور دلکش لب و لہجہ میں دیئے کہ سب اُس کے علم و فضل کے سامنے عاجز آ گئے۔ اور سارا دربار عرش عرش کر گیا۔

اب کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں باقی تھی۔ اور چارلسی تو اُس کا عقیدت کیش مرید ہی بن گیا تھا۔ فوراً اپنا شاہی گارڈ اُس کے حوالے کر دیا اور کہا ”آپ کا جب جی چاہے فوج کتنی کے لیے روانہ ہو جائے یا اور جون اُس کی افسر بن کے فوراً روانہ ہو گئی۔ اب جون کی عجیب شان تھی۔ ایک ہاتھ میں نیزہ تھا۔ اور دوسرے ہاتھ میں شاہی علم۔ زرہ بکتر سے آراستہ۔ آبدار خود پہنے اور زلف شکن کو پیٹھ اور شانوں پر بکھڑے گھوڑے پر سوار فوج کے آگے آگے جا رہی تھی۔ سپاہیوں کے دلوں میں شاید خیال گزرا ہو کہ یہ گھوڑے تک پر کبھی سوار نہیں ہوئی و دشمنوں سے کیا مقابلہ کرے گی۔ مگر اُس نے تھوڑی ہی دیر میں چابکداری کے لیے کمالات دکھا دیئے کہ کل ہمراہی سوار بہوت و حیرت زدہ رہ گئے۔

شہر اور لیان کی حالت نہایت نازک ہو رہی تھی۔ انگریز بہت ہی سختی سے محاصرو کئے ہوئے تھے۔ شہر والوں میں ذرا بھی دم نہیں باقی رہا تھا۔ اور جو فرامشی لشکر انگریزوں سے مقابلہ کر رہا تھا۔ اُس کے حوصلہ پست تھے۔ اور کچھ ہنسائے نہ ہتی

تھی۔ اور سلطنت میں اتنی قوت نہیں باقی رہی تھی کہ محصورین کی کمک کر سکے۔ ایسی حالت میں جون آف آرک شاہی گارد کو لینے ہوئے جوش و خروش سے پہنچی۔ یہاں پہنچ کے لڑائی کا آغاز اُس نے اس طور سے کیا کہ اپنی فوج میں سے تمام زانیہ عورتوں کو نکلوا دیا۔ سپاہیوں کو زنا کاری سے تو برکرا کے اُن کے دل پاک و صاف کیے۔ پھر اُن کے دلوں میں امید ورجا کے شمعیں روشن کیں۔ اور سب سے کہا: ”بس خدا ہی پر بھروسہ رکھنا، اس کے بعد اُس نے ایسی سختی سے حملہ کیا کہ پہلے ہی دن کی لڑائی میں اہل شہر کی امیدیں مضبوط ہو گئیں۔ انگریزوں میں گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ اور لڑائی کا رنگ بدل گیا۔

لیکن سچ یہ ہے کہ اُن دنوں فرانس والے نہایت ہی لائق ہو رہے تھے۔ اور اس قابل نہ تھے کہ خدا اُن کی دستگیری کے لیے جون آف آرک کے لیے فرشتہ رحمت کو بھیجتا۔ انگریزوں میں تو یہ خیال مشہور ہوا کہ یہ عورت کوئی جادوگرنی ہے جس سے وہ بہت کھانے لگے۔ مگر فرانسیسی افسروں نے ناشکری کا پہلا اظہار یہ کیا کہ ایک عورت کی ماتحتی اور اُس کے مشوروں پر عمل کرنے کو حقارت و ذلت سمجھے۔ اور خود بادشاہ کے شاکی ہوئے کہ ایک گنوار چھو کر ہی کوہم پر سردار مقرر کیا ہے۔ اور ابتدا ہی سے اُن کی وضع یہ رہی کہ جون کی مخالفت کرتے۔ اُس کے احکام کے خلاف کارروائیاں کرتے۔ اُس کی تذلیل و تحقیر کے لیے سازشیں کرتے۔ اور محض اُس کی عداوت کے خیال سے لڑائی کا رنگ بدلنے اور قومی سلطنت کے ذلیل کرانے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھتے۔ جون ان سب باتوں کو دیکھتی اور سمجھتی تھی، مگر حمایت و وطن میں اُس کے قدم کو ذرا بھی لغزش نہ ہوتی۔

بہر حال جون نے انگریزوں سے مقابلہ شروع کیا تو اُن کے حواس جاتے ہوئے اور آغاز جنگ ہی میں انھیں اپنی کامیابی مشتبہ نظر آنے لگی سب کو یقین ہو گیا کہ یہ



اگر جادو گرئی نہیں تو کوئی فرشتہ ہے۔ جو دشمنوں کی مدد کے لیے آسمان سے اتر رہا ہے۔ اب جون نے خود حملہ کا قصد کیا۔ سفید براق کپڑے زیب بدن کیئے۔ کالی کالی زلفیں پیچھے پر پھیلاتیں۔ نقرہ گھوڑے پر سوار ہوئی۔ ایک ہاتھ میں نیزہ اور ایک میں علم لیا۔ اور شاہی گارڈ کو لے کے بزن بول دیا۔ یہ ایسا زبردست حملہ تھا کہ انگریزوں کے قدم اکھڑ گئے۔ اور پریشان و بدحواس بھاگے۔ اس کے بعد اوریان مین اس نے انگریزوں کو تباہ توڑ شکستیں دیں۔ یہاں تک کہ انگریزوں نے بہت نقصان اٹھانے کا محاصرہ چھوڑ دیا۔ اور واپس گئے۔

اُس کی اس کامیابی پر فرانسیسی افسران فوج کے دلوں میں آتش حسد اور بھڑکی مخصوص اس لیے کہ اُن کی مخالفت نے بھی جون کی فحتمندی میں فرق نہ آنے دیا۔ جون فتح حاصل کر کے شہر بلوا، مین گئی کہ بادشاہ کو مژدہ فتح سنائے۔ اب اُس کی اس قدر شہرت ہو گئی تھی کہ عام اہل فرانس اُس کے نام پر فریفتہ اور اُس کی زیارت کے مشتاق تھے۔ جدھر سے اُس کا گزر ہوتا تھا ہاں غلقت کا انبوه اُس کی صورت زیبادیکھنے کے لیے جمع ہو جاتا۔ جو جوش و خروش سے اُس کی تعظیم کے لیے جھکتے۔ اُس کے قدم چومتے۔ جو خاک اُس کے پاؤں سے چھو جاتی اُسے چومتے اور تہرک خیال کرتے۔ شہر بلوا والوں نے بڑی ہی گرمجوش سے اُس کا استقبال کیا۔ اور بادشاہ نے مژدہ فتح سننے کے بعد اظہار شکر گزاری کے لیے اسے اپنے ساتھ کھانے پر بلوایا۔ مگر جون نے قطعاً انکار کیا۔ اور کہا یہ وقت کوشش اور جان کھپانے کا ہے نہ مزے اڑانے اور دعوتیں کھانے کا۔

روح القدس نے مجھے یقین دلایا ہے کہ میرے سفر آخرت کرنے کا وقت قریب آگیا ہے۔ اور دو سال سے زیادہ زندگی نہیں باقی ہے۔ اس لیے فوراً شہر رائن مین چلے تاکہ مین آپ کو اپنے ہاتھ سے تاج شاہی پہنا دوں۔ اُس کے بعد خدا

جو چاہے کرے یا اس طریقہ سے اُس نے چارلس مفتہم کو مجبور کر دیا کہ بہت جلد اُس کے ساتھ شہر رائن کی طرف کوچ کرے۔

آخر چارلس مفتہم کو ساتھ لے کے وہ بڑے کروفر سے اور عجیب شان و شوکت کے ساتھ روانہ ہوئی۔ بادشاہ کے آگے آگے سفید کپڑے پہنے۔ زلفین بکھرائے۔ سفید گھوڑے پر سوار۔ اور فرانس کا علم ہاتھ میں لینے ہوئے وہ تھی۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ انسان زمین کوئی فرشتہ ہے۔ جو مملکت فرانس کی حمایت اور شاہ چارلس کی پشت پناہی کے لیے آسمان سے اُتر آیا ہے۔ یہ شاہی لشکر ایک قسم کی روحانی عظمت کی شان دکھاتا ہوا شہر جارجوا کے قریب پہونچا جس پر انگلستان والوں کا قبضہ تھا۔ انگریز پہلے تو اس قدر غالب آچکے تھے کہ اپنے آپ کو سارے ملک فرانس کا مالک تصور کرتے تھے۔ اور انھیں اپنی فتح میں ذرا بھی شک شبہ نہ تھا۔ مگر اب جون کی کاروائیوں نے اُن کی اُس کامیابی کی رفتار میں ایکنیسی انقلاب پیدا کر کے انھیں پسپا کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور اُن کے دلوں پر جون کی ہیبت بیٹھ گئی تھی۔ تاہم انگریزوں کی حمیت نے اس بات کو گوارا نہ کیا کہ شہر کو بے لڑے فرانسیسیوں کے حوالہ کر دیں۔ وہ مزاحمت کے لیے تیار ہوئے۔ اور جون نے اُن پر بلا تامل جوش و خروش سے دھاوا کیا۔ اُس کی جان بازی نے فرانسیسی سپاہیوں کے مردہ دلوں میں نئی زندگی پیدا کی خصوصاً جب انھوں نے دیکھا کہ جون آف آرک بغیر اس کے کہ ذرا بھی ہچکچائے اور اُس کے قدم کو کچھ بھی لغزش ہو جھنڈے کو ہلاتی ہوئی سیڑھی لگا کے شہر پناہ پر چڑھ گئی تو سب نے جان پر کھیل کے چاروں طرف سے یورش کر دی۔

لیکن خود جون جب سیڑھی کے اوپر کے زینہ تک پہونچی اور شہر پناہ پر قدم جانے کو تھی کہ ناگہان سیڑھی اُڑھک کے نیچے آ رہی۔ اور اُس کے ساتھ

ہی جون آف آرک بھی کھائی کے اندر تھی۔ گرنے میں کچھ ایسی چٹائی کہ جون کو غش آگیا۔  
مگر ہوش آتے ہی اپنے آپ کو سنبھالا۔ اٹھ کھڑی ہوئی۔ گرد بھاڑ کے اوپر آئی اور فوج  
کو لگا کر کہ بہادر وہ اسی حملہ پر راضی ختم ہے۔ اور فتح تمھارے ہاتھ ہو! ان سرکاری  
الفاظ نے سب میں کچھ ایسا بلا کا جو شش پیدا کر دیا کہ ستر ہتھیاریوں پر لے کے بڑے۔  
اور آٹافانائین انگریزوں کو مغلوب کر دیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد شہر انگریزوں  
کے قبضہ میں بیٹھا۔

اس معرکہ کے بعد انگریزوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ اور انھیں ٹکیتے پائی  
ہو گئی۔ چنانچہ ان کے سپہ سالار اعظم ٹالہوٹ نے خود ہی مصلحت دیکھ کر فرانس  
کے تمام شہروں پر سے اپنا قبضہ اٹھالیا۔ اور سارے انگریزی لشکروں کو مختلف  
اطراف اور شہروں میں پھیلے ہوئے تھے۔ یکجا کر کے دارالسلطنت پیرس کا ارادہ کیا۔  
دوسری طرف جون آف آرک برابر ٹکیتے دیتی اور فوجوں پر فحش حاصل کرتی بڑتی  
چلی جاتی تھی۔ اور اُس کے مقابل کسی جگہ انگریزوں کا قدم نہ نکلتا تھا۔ آخر وہ شہر  
رائن میں پہنچی۔ جہاں ۱۷ جولائی ۱۴۲۹ء کو اُس نے بڑے ہی اتہاسام اور نہایت  
تیزک و احتشام سے شاہ چارلس کو تاج شاہی پہنایا۔ تاج پوشی کے وقت جون جب  
معمول سفید لباس پہنے اور علم ہاتھ میں لیے تخت کے آگے کھڑی تھی۔ بادشاہ  
کو تاج مقعدائے دین نے پہنایا۔ اور اُس کی کمر بین تلوار جون نے اپنے ہاتھ میں باندھی۔  
ان سب باتوں کو وہ ایک عجیب خلوص اور جوش مسرت سے اپنے ایک دینی اور  
روحانی فرض کی طرح سمجھ لاتی۔ اور جب تمام رسوم تاج پوشی ادا ہو چکے تو اُس پر ایک  
رقت کا عالم طاری ہوا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ فوراً جھک کے چارلس کے  
قدموں سے پٹ لگتی۔ اپنے گرم آنسوؤں سے اُس کے قدم دھوئے اور نہایت  
جوش کے ساتھ بولی: اب حضور کی فتح پوری ہو گئی۔ اور میں نے جو کہا تھا کر دکھایا۔

میں اب مجھے آزاد کیجئے کہ خوش خوش اپنے گھر جاؤں۔ اپنے اسی سُنسان گاؤں اور  
 گوشہ تنہائی میں ٹھہر کے چرخا کاٹوں اور باپ کی بھیڑ میں جراتوں جس مشغلیہ میں کہیں  
 اس سے پہلے مصروف تھی یہ چارلس نے یہ کلمات سُن کے کہا وہ بھلا اب میں اپنے  
 اُس حامی اور اُس پشت پناہ قوم کو چھوڑ سکتا ہوں جس نے قوم کو ہلاکت سے بچایا  
 ہے؟ اب ملک کی ترقی اور قوم کی بہبود تمہارے ہی دم قدم سے وابستہ ہے۔  
 اور مجھ سے نہ ہو گا کہ کامیابی کے بعد تمہارا دامن ہاتھ سے چھوڑ دوں؟

بادشاہ کا یہ جملہ ساری قوم کی آرزوں کا ترجمان تھا۔ اس لیے کہ اب فرانس  
 کی ساری خلقت کو جون سے بے حد عقیدت تھی۔ اور سوا چند امرا اور فوجی افسروں  
 کے جن لوگوں کو جون کے ساتھ بغض و عناد تھا۔ سارے اعلیٰ فرانس جون ہی  
 کی رفاقت میں اپنی فلاح سمجھتے تھے۔ اُس کے جھنڈے کے گرد انھیں تمام بزرگان  
 سلف اور ولیوں کی روحیں نظر آتی تھیں۔ بادشاہ کے روکنے سے وہ رُک تو گئی۔  
 مگر اُسی گھڑی سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مسرت و شادمانی ہمیشہ کے لیے اُس  
 کے دل سے رخصت ہو گئی۔ اور گویا وہ بالکل بدل گئی۔ اب اُس میں نہ وہ قومی  
 حمیت نظر آتی تھی۔ اور نہ وہ اگلی جو انگریزی و شجاعت۔ نہ وہ رویائے صداقت تھے۔  
 اور نہ وہ الہام اور روحانی مکاشفات۔ اُس کی سیرت طبیعت اُس کے اوضاع و  
 اطوار۔ اور اُس کے افعال و اقوال میں ایسا حیرت انگیز انقلاب ہو گیا کہ اُس کی  
 باتیں سُن کے اور اُس کی حالت دیکھ کے لوگوں کو تعجب ہوتا تھا۔ اب بجائے اُس جو  
 اور انگریزی کے وہ طرح طرح کے ادہام اور رکیک خیالات میں مبتلا اور اپنی حالت  
 پر آپ ہی متحیر نظر آتی۔ ہر وقت رویا کرتی۔ اور جیسے وہ ساری قوت باطنی اُس  
 سے سلب ہو گئی تھی۔

مگر مزاجی انقلاب دیکھنے پر بھی بادشاہ نے اُسے اپنے پاس سے نہ جانے

دیا۔ اور آخر اُس نے رائن کے گرجے سے اپنے اسلحہ پھرے کے جسم پر اُراستہ کیا۔  
 شمسو اسلحہ کی وضع بنائی۔ اور معرکہ آرائی کے لیے روانہ ہوئی۔ لیکن خرابی یہ تھی کہ  
 ادھر تو خود جون اس طرح بدل گئی تھی۔ اور اُدھر امرائے فرانس کے دلون میں اس  
 کا بغض اور بڑھ گیا تھا۔ اس لیے کہ بادشاہ کو چین پر مہربان اور ہر بات میں  
 اُس کا مطیع فرمان دیکھ کے وہ آتشِ حسد سے جلے مرتے تھے۔ وہ اُس پر طعن و  
 تشنیع کرتے۔ روز اُس پر جھوٹے اتہام لگاتے۔ اُس کے گناہ ناموں کو برائی کے  
 لباس میں دکھاتے۔ اُسے بدنام کرتے۔ اور لشکریوں کو اُس کی طرف سے  
 بدظن کر کے نافرمانی اور سرکشی پر آمادہ کرتے۔ یہاں تک کہ اُس کے دامن بہ  
 بدکاری کے دھبے لگانے میں بھی محسن کش امرائے فرانس نے دریغ نہ کیا۔  
 جون کا معمول تھا کہ اب سوا شریف و پاکدامن خاتونوں اور پاکدامن نون کے اور  
 کسی کی صحبت میں نہ بیٹھتی۔ کسی مرد سے خللا ملا نہ رکھتی۔ معزز اور بزدل اور عورتوں  
 میں اپنی راتیں بسر کیا کرتی۔ اور کسی کو اُس پر الزام لگانے کا کوئی موقع نہ مل سکتا۔  
 مگر اس پر بھی بدظنیت اور ناسپاسی امرائے فرانس نے اُس کے بدنام کرنے میں  
 کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ وہ نہایت سختی کے ساتھ اُن کے الزاموں کی تردید  
 کرتی۔ مگر سچ یہ ہے کہ فرانس والوں نے اپنی افترا بندیوں اور ناحق شناسیوں  
 سے اُس کے بے لوث اور پاک و صاف دل کو بڑے بڑے چرکے دیے۔ اور  
 جون کی نیک نفسی اس مزاجی انقلاب کے بعد بھی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ  
 اُس نے اپنے ہاتھ سے کسی کو آزار پہونچانا نہیں گوارا کیا۔ بادشاہ اور لشکری  
 سب اُس کے ساتھ تھے۔ اور اُس کے اختیار میں تھا کہ جس افسر کو چاہتی قتل  
 کی سزا دلاتی۔ یا ایک معمولی اشارے سے مردِ اڈالتی۔ مگر اُس نے یہ نہ ہو سکا کہ  
 چاہے کیسا ہی دشمن اور اتہام لگانے والا ہو اُس کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے۔

اس بارے میں سخت سے سخت غصہ کے موقع پر بھی اس کی تسلیم و رضا میں فرق نہیں آیا۔ اب جون نے بادشاہ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ خاص پیرس پر حملہ کر کے انگریزوں کو شکست دے۔ اور فرانس کے دارالسلطنت کو اپنے قبضہ میں لائے۔ اس عداوت کے مطابق چارلس لشکر لے کے چلا۔ اور جون ہمراہ رکاب ہوئی۔ تاہر توڑ کوچ کر کے شاہی لشکر پیرس کے گرد اڑا۔ راستہ میں بھی کئی فحش ہوئیں۔ اکثر شہروں نے خود ہی سمرطاعت جھکا دیا۔ آخر شاہ چارلس کے اشارے سے اس نے مقام سینٹ اونورے پر دھاوا کیا۔ جہاں کہ دشمنوں کا پڑاؤ تھا۔ اگرچہ جون نے کبھی کسی شخص کو اپنے ہاتھ سے نہیں قتل کیا۔ اور نہ کسی پر تلوار نیزے یا کسی حربہ سے وار کیا۔ مگر حملہ آوری میں ہمیشہ سپاہیوں سے آگے رہتی اور سب سے پہلے حریف کے قلعہ پر جا پہنچتی تھی۔ اسی میدان میں وہ کئی بار زخمی ہو کے گری اور غش آگیا۔ اور ہر بار معمول تھا کہ جب غش سے سکون ہوتا اور ہوش فوٹا بجا ہوتے تو بادشاہ سے اپنے گھر جانے کی اجازت مانگتی۔ مگر چارلس نے کسی طرح منظور نہ کیا۔ اور آخر میں کہا کہ تمہارے اعلیٰ خدمات کے صلہ میں تمہارا کاؤن کی مالگذاری معاف کر دی جائے گی۔ اوو کوئی بہت اعلیٰ درجہ کی معزز خدمت تمہارے سپرد کی جائے گی۔ گو کہ ان وعدوں کا اس پر کوئی اثر نہ پڑ سکتا تھا۔ مگر بادشاہ کے اصرار سے مجبوراً اسے شاہی رفاقت اور دربار داری کی زندگی اختیار کرنا ہی پڑی۔

اس کے بعد بہت سے واقعہ پیش آئے۔ جن میں اگرچہ کامیابی ہوئی۔ مگر ارسے فرانس کی فتنہ پردازیاں اور جون کے بدنام کرنے کی کارروائیاں بدستور جاری تھیں۔ بلکہ روز بروز بڑھتی ہی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ بادشاہ چارلس نے اس کے ذمہ یہ خدمت کی کہ فوج لے کے جائے اور انگریزوں کو شہر

کوم بین سے مار کے نکال دے۔ یہ شاہی حکم پاتے ہی وہ مسلح ہو کے روانہ ہوئی۔ اور شہر پر پہنچ کے جوش و خروش سے حملہ کی تیاریاں کرنے لگی۔ اس موقع پر فرانسیسی افسروں کی ناپاک سازشوں کا یہ اثر نمایاں ہوا کہ اُس نے فوج کو حملہ کا حکم دیا۔ اور یوزش کرنے کے لیے بڑھی تو فوج والوں نے بجائے اس کے کہ اُس کے حکم پر عمل کریں انحراف کیا۔ اسی قدر نہیں بلکہ وہ جون کی نسبت اہانت و اہام کے الفاظ زبان پر لائے۔ جون نے اپنی توہین کا تو کچھ خیال نہیں کیا مگر انھیں حملہ کے لیے ابھارا اور خود دشمنوں کی طرف بڑھی۔ اب وہ تنہا دشمنوں کی طرف بڑھتی چلی جاتی تھی۔ اور گویا تنہا قلعہ پر قبضہ کر لینے کی آرزو مند تھی۔ مگر ہمراہیوں نے کسی طرح ساتھ نہ دیا۔ بلکہ شکست کھانے بھاگے۔ ناگہان فرانسیسیوں ہی کے ایک گردہ نے جو انگریزوں کا طرفدار تھا اُسے گھیر لیا اور گھوڑے سے کھینچ کے گرفتار کر لیا۔ اور کمال ناشکی و احسان فراموشی سے انگریزوں کے حوالہ کر دیا۔ جو کہ جون کے خون کے پیاسے اور اُسے بڑی بھاری خطرناک جاوگر فی تصور کرتے تھے۔ جون کی گرفتاری کی خبر مشہور ہوتے ہی لوگ اُس کی زیارت کو آنے لگے۔ عوام میں تو ہمدردی کا جوش تھا۔ اور غربا اُس کی اسیری پر آہ و زاری کر رہے تھے۔ مگر امرائے فرانس کی یہ حالت تھی کہ گویا جون کے سب سے بڑے جانی دشمن وہی تھے۔ انھوں نے فوراً انگریزوں سے صلح کر لی۔ بلکہ اپنی عجیب و غریب بے نفس محنت کو اُن کے حوالہ کر کے اُن کے مطیع فرمان بن گئے۔

اب علانیہ دھڑلے سے جون کی ہر بات پر اعتراض ہو رہا تھا۔ اُس کی ہر ایک کاسوائی پر نکتہ چینیان ہو رہی تھیں۔ اور اُس کے طرح طرح کے نام رکھے اور اُسے ہر قسم کے الزام دئے جاتے تھے۔ اور وہ نہایت استقلال جو انگریز

سے بغیر اس کے کہ تیوریون پر ذرا بھی میل آئے یا کسی قسم کی فکر بھی چہرہ سے ظاہر ہو اپنے قید خانہ میں خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ اور تو اور قوم فرانس کی دہانت و ذلت کا اس سے زیادہ کیا ثبوت ہو گا کہ خود شاہ چارلس جسے اُس نے بادشاہ بنایا اب کمال ناشکری کے ساتھ اُس کا دشمن تھا۔ اور دیگر امر کی طرح وہ بھی جون کے نام کی توہین کرتا۔ اور اُسے طرح طرح کے عیب لگاتا تھا۔ پیرس والے جون کے سب سے زیادہ خلاف تھے۔ اور انگلیزوں کو بار بار اُبھارتے تھے کہ جون زندہ نہ چھوڑی جائے۔ اور اُسے نہایت ہی سخت سزا دی جائے۔ چنانچہ وہ اسیرون کی طرح فرانس کے قلعے جان دی لکس برگ میں رکھی گئی۔ انگریزی عدالت کے سامنے اُس پر مقدمہ چلایا گیا۔ اور شاہ انگلستان ہنری نے اس مقدمہ کی سماعت کے لیے دو جج مقرر کیے۔ اس مقدمہ کے دوران میں وہ ۱۶ مرتبہ اجلاس کے سامنے لا کے پیش کی گئی۔ اور ہر بار اُس سے عجیب استتلال ظاہر ہوتا تھا۔ اور تمام الزامات کا وہ ایسا مقول جواب دیتی کہ کسی کو جواب دیتے نہیں پڑتی۔ آخر جب اور کوئی الزام نہ عاید کیا جا سکا تو صرف اس بنا پر کہ وہ جا دو گئی ہے اُسے جس دوام کی سزا دے دی گئی۔ اور صرف روٹی اور پانی اُس کی غذا مقرر ہوئی۔

اسی سلسلہ میں اُس سے قسم کھلا کے عہد لیا گیا کہ اب کبھی مردانے کپڑے پہنوں گی۔ اور یہ حلف لینے کے دو چار روز بعد یہ چالاک کی گئی کہ جب وہ سوئے کے کپڑے پہن کے سو رہی تو کسی نے چپکے سے جاکے۔ اُس کے کپڑے غائب کر دیے۔ اور اُن کی جگہ ایک مردانہ جوڑا رکھ دیا گیا۔ صبح کو جاگنے کے بعد جب اُس نے خواب گاہ کے کمرے سے نکلنا چاہا تو مردانہ کپڑوں کے سوا اور کوئی لباس نہ ملا۔ مجبوراً اُنھیں کپڑوں کو پہن کے خواب گاہ سے نکلی۔ ساتھ ہی چاروں طرف سے لوگوں نے زغم کیا کہ تم نے اپنی قسم ادا کی ہے عہد کے خلاف کیا اور اسی لباس



میں اُسے حاکم کے سامنے پکڑ لے گئے۔ اور اس بات کی شہادتیں پیش کیں کہ  
 اُس نے پھر مردانے کپڑے پہنے۔ اور حضور کے ملا خطے کے لیے ہم اُسے مع  
 اُس لباس کے لے آئے ہیں۔ مجسٹریٹ نے باضابطہ کارروائی کر کے خوب  
 جون پر دریغ حلفی کا جرم عائد کیا۔ اور اُس کی سزا یہ تجویز کی کہ زندہ آگ  
 میں جلا دی جائے۔ جو کہ اُن دنوں عموماً جادوگر نیون اور ڈانوں کی مروج  
 سزا تھی۔ جون نے نہایت ضبط و تحمل اور صبر و استقلال سے یہ حکم سنا  
 اور اُس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ”تمہارے اس حکم کی اپیل اُس خدا کے  
 عالم و دانا کے عرش اعلیٰ کے سامنے پیش کر دی گی“۔

اس قدر جلد قتل کی سزا کی زیادہ وجہ یہ بھی تھی کہ اگرچہ فرانس والون نے  
 گرفتار کر کے اُسے انگریزوں کے حوالہ کر دیا تھا۔ مگر برابر اصرار کر رہے تھے کہ اُسے  
 جلد قتل کی سزا دی جائے۔ انگریزوں کو اگرچہ جون کی کوششوں سے بے حد  
 نقصان پہونچ گیا تھا۔ اور سچ یہ ہے کہ اگر جون آف آرک نہ اٹھ کھڑی ہوئی  
 ہوتی۔ تو انھوں نے پورا ملک فرانس فتح کر کے چارلس کو ہمیشہ کے لیے تلج  
 و تخت سے محروم کر دیا ہوتا۔ تاہم انگریز شاید بذات خود اُسے اس بے رحمی  
 کی سزا نہ دیتے۔ مگر فرانس والون کی ناشکری احسان فراموشی اور نالائقی و بے  
 جیتی نے انگریزوں کو مجبور کر کے اُن کے ہاتھ سے ایک ایسا یادگار مآخذ ظلم کرادیا  
 جو خود اپنے طور پر اُن سے نہ ہو سکتا تھا۔

اب اس سزا کی تعمیل کا اہتمام ہونے لگا۔ فرنیچ امر اسنگڈل اور بے رحم  
 تماشائیوں کی طرح جمع ہوئے۔ فرانس کی بے بس رعایا اپنی بد بختی پر روتی اور  
 آنسو بہاتی ہوئی جمع ہوئی۔ ایک بڑی بھاری چٹا بنائی گئی اور اُس پر جون  
 لاکے کھڑی کر دی گئی۔ کہتے ہیں کہ موت کی اس نازک گھڑی میں اُس کے ہاتھ

سے صبر و تحمل کی باگ نکل گئی۔ خوبصورت اور نازک چہرے پر بجائے متانت و استقلال کے حسرت برس رہی تھی۔ اور بار بار لبون سے آہ نکل جاتی تھی پھر جب چتاین آگ لگا دی گئی۔ اور شعلہ اُس کے قریب پہنچے اور اُس کے پیڑے میں چر کے دینے لگے تو وہ ایسی درد بھری آواز میں چیختی اور اُس حضرت رب العزت کی درگاہ میں فریاد کرتی تھی کہ پتھر کا کلیجہ موم ہوا جاتا تھا۔ عام تماشائی زار و قطار رو رہے تھے۔ مگر نہ اثر ہوتا تھا تو بے رحم امراءے فرانس کے دلون پر۔ یہ ایسا حسرت ناک اور جگر پاش پاش کرنے والا منظر تھا کہ دشمنوں کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے۔ خود کارڈنل بونور (نائب پوپ) جو تعمیل حکم کرانے کے لیے آیا تھا۔ اُس کے دل پر بھی خدا کے ہاتھ کی بنائی ہوئی ایسی پیاری صورت کے دم بھر میں سٹا دینے کا اس قدر اثر ہوا کہ اس منظر کو نہ دیکھ سکا اور اُدھر سے مُنبہ بھیر لیا۔ اور اُس کی آنکھوں سے ایک سیلاب جاری تھا۔ جس چتاپر باندہ کے جون جلائی گئی وہ اتنی بلند تھی کہ اگر کسی میں کسی قسم کا ہمدردی کا جوش بھی پیدا ہوتا تو وہ اُس کی کچھ مدد نہ کر سکتا۔ آخر دم بھر میں شعلوں نے اُس کی سینہ شکاف چخین موقوف کر کے اُسے ہمیشہ کے لیے خاموش کیا۔ پھر اُسے جلا کے خاک کر دیا۔ اور چلنے کے بعد اُس کی خاک دریائے سین کے اوپر ہوا میں اڑا دی گئی۔ تاکہ اُس کے جسم کا ذرہ بھی کسی کے ہاتھ نہ آسکے۔ لیکن اُس عہد کے سنگدل بے عقولوں نے اُس کی خانی تصویر تو سٹا دی مگر اُس کے روشن نام کا مثلاً لا مکان سے باہر تھا۔

بے گناہی کسی نہ کسی وقت ظاہر ہوتی ہی ہے۔ اور ظالموں کو اپنا ظلم ضرور محسوس ہو جاتا ہے۔ مگر اُس وقت سو اچھٹانے کے کچھ نہیں کر سکتے۔ جون آف آرک کے جلائے جانے کے ۲۰ برس بعد پیرس کے بشپ دلاٹ پادری (اور نیز

رومۃ الکبریٰ کے بشپ نے آزادی سے یہ فتویٰ جاری کیا کہ جون کے حق میں جو فیصلہ کیا گیا وہ غیر منصفانہ اور سراسر ظالمانہ تھا۔ اور اُس کے ساتھ ہی فرانس کے ادنیٰ و اعلیٰ سب لوگ جون کے بیگناہ قتل کیے جانے پر چٹانے اور کف افوس مٹنے لگے۔ کی مرے قتل کے بعد اُس نے جھاسے تڑپے اُسے زودیشیمان کا پیشیمان ہونا جو جو زمانہ گزرتا جاتا تھا فرانس والوں کو اپنے دامن پر اُس یادگار زمانہ خون ناحق کا دھتیرہ زیادہ ابھرتا نظر آتا تھا۔ اور کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کہ اس ناحق شناسی کے بار کو اپنے سینہ پر سے کیونکر ہٹائیں؟ آخر ۱۸۲۰ء میں جون کے وطن ڈومری میں اُس کی ایک سنگین مورت بنا کے نصب کی گئی۔ پھر دوسری مورت خاص اُس مقام پر بنا کے قائم کی گئی جہاں وہ چتا پر رکھ کے جلائی گئی تھی۔ اس کے چند روز بعد ایک مورت خاص پیرس میں ایک عمدہ موقع پر کھڑی کی گئی۔ جو اُس کی سب سورتوں سے زیادہ عمدہ اچھی اور مکمل تھی۔ اس کے بعد ۱۸۲۰ء میں شہر لورلیان والوں نے جن کے علاقہ میں جون کا وطن ڈومری واقع تھا۔ اپنے وہاں اُس کی ایک مورت بنا قائم کی۔ اور ہر سال ۸ مئی کو اُسکی یاد تازہ کرنے کے خیال سے ایک میلہ کرنے لگے۔ جو آج تک جاری ہے۔ اس موقع پر جلسہ کیے جاتے اور ان میں ان ظالموں کی مذمت و بیچو میں پر جوش و پرسوز نظائیں پڑھی جاتیں۔ جنھوں نے کمال سنگدلی سے اُس سچی حامیہ وطن کو اس بے رحمی کے ساتھ قتل کیا تھا۔ اس سلسلہ کے جاری ہوتے ہی اُس کی مظلومی کی تصویر دکھانے کے لیے ڈراما تصنیف ہوئے اور وہ یورپ کے تھیٹر دن میں دکھائے گئے۔ ناول شائع ہوئے۔ اور ہر طرف سے اُس سچی پاک فطرت حامیہ وطن کی طرف داری میں آوازیں بلند ہوئیں۔ یہاں تک کہ ساری دنیائے تسلیم کر لیا کہ جون نہایت ہی پاک دل اور سچی شہید قوم تھی۔ اور اُس کے قتل کرنے والے بدترین ظالم و سنگدل۔ \*

## لیلائے خلیہ

ایک نامی گرامی شہسوار عرب عبدالعزیز بن ارحال کی بیٹی اور دور اولین اسلام کی ایک نہایت ہی پُر اثر اور نازک خیال شاعرہ گزری ہے۔ جو مشہور و مستند شاعر عرب توتب بن حمیر کی پاک و امن و حور خصال معشوقہ تھی۔ مذکورہ لیلائے کے اجداد میں مغویہ نام ایک شخص گزرے تھے۔ جو گھوڑوں کے ایسے شوقین اور اس پایہ کے آدمی تھے کہ درخیل، دہڑے، گھوڑے باز، مشہور ہو گئے۔ اُن کا یہ لقب اُن کی نسل میں چلا۔ اور آخر لیلیٰ اس کی وارث ہوئی۔ اور لیلائے خلیہ کہلانے لگی۔

ابتدائی حالات میں سو اس کے کہ جناب معاویہ کے زمانے میں اُس کا نشوونما ہوا۔ ہمیں اور کچھ نہیں معلوم ہے۔ توتب بن حمیر جس وقت اُس کے رخ زیبا پر شوق ہوا ہے۔ اُس وقت تک اس نازنین عرب کے اشعار کو کوئی شہرت نہیں حاصل ہوئی تھی۔ بلکہ شک ہے کہ اُس زمانے تک وہ شعر کہتی بھی تھی یا نہیں۔ بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ توتب مذکور کے عشق ہی نے لیلائے کو شاعرہ بنایا۔

افسوس یہ بھی نہیں معلوم کہ اس عشق کی ابتدا کیونکہ ہوئی۔ مگر ماں اُس کے حالات کے راوی اتنا کہتے ہیں کہ توتب نے اُس کے جمال جہان آمار پر رُفقت ہونے کے بعد اُس کے باپ کو پیام شادی دیا۔ عرب لوگوں میں رواج تھا کہ لڑکی پر جو کوئی عشق ظاہر کرے اُس کے ساتھ اُس کی شادی ہرگز نہ کرتے تھے۔

اس رسم نے بہت سے عشاق کو اپنی معشوقہ نازنین کے فراق میں زندگی بھر ٹپا پایا ہے۔ چنانچہ مجنون عامری بھی اسی کی بدولت اپنی معشوقہ لیلائے عامریہ کے وصال سے محروم رہا تھا۔ تو بہ نے جیسے ہی شادی کی خواہش ظاہر کی لیلائے اخیلیہ کے باپ نے قبیلہ اولج کے ایک نوجوان کے ساتھ اُس کا عقد کر دیا۔ اور اب تو بہ بن حمیر کا سوا اس کے کہ ٹب وروز معشوقہ ناز آفرین کے فراق میں ترپے اڑ کچھ زور نہ چل سکتا تھا۔ مگر تاہم اپنے دل کے ماتھوں مجبور و بیتاب ہو کے لیلائے دیکھنے کو جاتا۔ اور لیلا کے دل میں اُس کے سچے عشق نے کچھ ایسا لگاؤ پیدا کر دیا تھا کہ وہ بھی اُس سے آکے ضرور مل جاتی۔ جب یہ حال کھلا تو قبیلے والے بہت ہی بڑے۔ دل از دست وادہ لڑکی کو ڈانٹا ڈپٹا۔ اور جب اس پر بھی اُن دنوں عاشق و معشوق کا ملنا نہ سو قوف ہوا تو سلطنت سے فریاد دی ہوئے۔ اور جناب معاویہ کے سامنے آکے شکایت کی یہاں سے حکم دیا گیا کہ ”تو بہ اب کبھی لیلا سے نہ ملے۔ اور اگر اس حکم کے بعد بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو لیلا کے قبیلے والوں کو اختیار ہے کہ جب موقع ملے آئے اور اُسے جہان پائین قتل کر ڈالیں“

اس حکم سے قبیلے والے جب خوش خوش گھر میں آئے تو لیلا کو فک ہوئی اور خاصہ اس وجہ سے کہ تو بہ بن حمیر کو ابھی تک یہ حکم خلافت نہیں معلوم تھا۔ اب یہ لوگ اُس کی تاک میں تھے۔ اور لیلا نے یہ کیا کہ جس روز اُسے معلوم تھا کہ تو بہ آج مجھ سے ملنے کو آئے گا۔ کوئی ساز کر کے اپنے قبیلے کے فروگاہ سے باہر گئی۔ اور سمرقند اس وضع سے بکھڑی ہو گئی کہ بخلاف پیشتر کے چہرے پر نقاب نہ تھی۔ تو بہ آیا اور لیلا کو دور ہی سے اس وضع میں دیکھ کے کہ اپنی عادت کے خلاف آج منہ کھولے ہوئے ہے۔ اُلٹے پاؤں واپس چلا گیا۔ پھر جب امن و آمان کے مقام میں پہنچ گیا تو لیلا کے عشق میں ایک قصیدہ کہا جس کا ایک شعر یہ تھا۔

وگنت اذا ماجت لیلیا تبرقعت      فقد راہنی منها الغداة سفور صبحہ  
 اس طرح خود لیلے نے اُس کی جان بچا دی۔ ورنہ اگر وہ اس حد سے ذرا بھی  
 آگے بڑھتا تو معشوقہ نازنین کے اعزاء و اقارب بلا تامل پکڑ کے قتل کر ڈالتے۔  
 اب لیلے اخیلیہ اور توبر بن حمیر کا ملنا اور ایک دوسرے کی صحبت سے لطف  
 اٹھانا سو قوف ہو گیا۔ توبر تو اپنے جوش جنون کو شاعری اور شاعرانہ جوش عشق کے  
 ذریعے سے بہلایا کرتا۔ مگر لیلے بیان سخت آفت اور مصیبت میں مبتلا تھی۔ اول تو  
 توبر کے تعلقات کی وجہ سے اُس پر بدگمانی تھی ہی اُس پر یہ قیامت ہوئی  
 کہ بنی اولعین سے جو شوہر ملا وہ فطرۃ نہایت ہی بدگمان تھا۔ اور بات بات  
 پر اُسے بے عصمتی اور آوارگی کا الزام دیتا۔

عرب کا معمول ہے کہ قبائل عرب کھلے میدانوں اور وادیوں میں اپنے خیمے  
 ڈال کے رہا کرتے ہیں۔ اور مسافر اور سیاح دن دن بھر کی بلکہ بعض اوقات  
 چار چار پانچ پانچ دن کی دشت نور دی کے بعد کسی بدوی کا خیمہ دیکھ پاتے  
 ہیں۔ تو رات بسر کرنے کے لیے اُس کے قریب آکے ٹھہر جاتے ہیں۔ ایسے  
 موقعوں پر صاحب خیمہ کا فرض ہوتا ہے کہ اُن کی ممانذاری کرے۔ اور جہانگ  
 اسکان میں ہو انھیں آرام پہنچائے۔ اکثر اوقات مرد شکار یا طلبِ معیشت  
 کے لیے باہر چلے جاتے ہیں۔ اور عورتیں اور لڑکیاں ہی سیاحوں اور مسافروں  
 کی خبر گیری کرتی ہیں۔ اور یہی وہ فیاضی ہے جو سمرزین عرب میں قدیم الا یام  
 سے شرافت کا جوہر سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ اسی معمول کے مطابق ہر ہفتہ میں  
 عادتِ مستمرہ کے موافق کوئی نہ کوئی مسافر لیلے کے خیمے کے پاس بھی آکے

۵۵ اس شعر کے معنی یہ ہیں کہ دین جب کبھی آتا تھا۔ لیلے اپنا منہ چھپالیا کرتی تھی۔ مگر کل جو میں نے منہ  
 کھولے دیکھا تو دل میں کھٹکا پیدا ہو گیا۔ ۵۵

فروش ہو جاتا۔ اور لیل کا شوہر بدگمان ہو کے بی بی کو مارتا پیٹتا اور سخت سزا دیتا۔  
مگر وہ ہمیشہ اطاعت کرتی اور روپیٹ کے بیٹھ رہتی۔

چنانچہ ایک معزز سیاح عرب کا بیان ہے کہ مجھے مہرا میں شام ہو گئی تھی۔  
دور پر ایک خیمہ نظر آیا۔ اُس کے قریب جا کے ٹھہر گیا۔ مگر حیرت تھی کہ اُس خیمے  
میں اگرچہ بچے بھی تھے اور عورتیں بھی تھیں۔ مگر کوئی بھی میری خبر گیری کو نہ  
آیا۔ اتنے میں رات ہو گئی۔ اور ایک شخص اونٹ پر سوار قریب آیا۔ اور خیمے  
میں جاتے ہی نہایت برہمی کے ساتھ بی بی کو بلا کے ڈانٹنے لگا کہ ”یہ کون شخص  
ہے؟“ عورت نے عاجزی کے لہجہ میں جواب دیا ”کوئی مسافر آفتاب  
سُروب ہوتے وقت یہاں آ کے ٹھہر گیا ہے“ مرد نے کہا ”نہیں تو مجھ بی بی  
تیرے ملنے والوں میں سے کوئی ہے؟“ اور آنا کہتے ہی غریب عورت کو نہایت  
بے رحمی سے مارنے پینے لگا۔ عورت عجیب درد کے ساتھ چلاتی تھی اور اُسے  
ترس نہ آتا تھا۔ آخر اُس عورت سے یہ کہنے لگا ”وہ شخص جو ٹھہرا ہوا ہے جب  
تک خود آ کے سفارش نہ کر لگایا میں تجھے نہ چھوڑوں گا“ اُس کی زبان سے  
یہ سن کے اب عورت نے چلنا شروع کیا۔ ”اے میان مسافر! اے شہر سوار!  
نذا کے لئے مجھے آ کے بچاؤ“ اب یہ چین سن کے مجھ میں ضبط کی تاب نہ تھی۔  
جھنجھلا کے اپنا ایک حربہ اٹھالیا اور خیمے میں گھستے ہی ظالم مرد پر تین چار وار  
اس زور سے کیے کہ عورت یہ جیج میں آگئی۔ اور کہنے لگی ”میان تم جاؤ۔ ہمارے  
جھگڑوں میں دخل دینے سے تمہیں کیا مطلب؟“ عورت کی یہ نیک نفسی دیکھ  
کے میں واپس چلا آیا اور کہا ”اب اس ظالم شخص کے خیمے کے پاس نہ ٹھہرو بلکہ  
اُسی وقت اونٹ پر سوار ہو کے آگے چل کھڑا ہوا۔ صبح کو ایک ایسے مقام پر  
پونچا جہاں ابنائے باوہ کے چند خیمے پڑے ہوئے تھے۔ میں وہاں ٹھہرا اور

ایک لونڈی کو پاس سے گزرتے دیکھ کے اپنے پاس بلایا۔ رات کی سرگزشت بیان کی اور پوچھا ”تم جانتی ہو وہ کون شخص ہے؟“ میرے اس سوال پر وہ بہت ہنسی اور کہنے لگی ”کیا تم نہیں جانتے جو مجھ سے پوچھتے ہو؟“ میں نے کہا ”بالکل نہیں جانتا“ تب اُس لونڈی نے بتایا کہ ”وہ لیلکے اخیلیہ کا خیمہ ہے۔ قیدی سے وہ نہایت ہی حسین و صاحب جمال واقع ہوئی ہے اور شوہر ایسا ملا ہے جو بات بات پر مارنے پینے کو تیار ہو جاتا ہے۔ بلکہ اسی وجہ سے لوگوں نے اُس کے نیچے کے پاس ٹھہرنا چھوڑ دیا۔ آپ ناواقف تھے اسی سبب سے وہاں ٹھہر گئے۔“

اِس واقعے سے صاف ظاہر ہے کہ باوجودیکہ شوہر نہایت جابر و ظالم تھا مگر لیلکے اُس سے پوری طرح ہمدردی کرنے کو تیار تھی۔ ممکن تھا کہ شرعی آذوبوں سے نفع اٹھانے کے قاضی کے سامنے غلطی کی درخواست پیش کر دیتی۔ مگر اُس نے کبھی اِس کا خیال بھی نہ کیا۔

اُس کا عاشق زار تو بہ بن حمیر عرب کے عام شرفا کی طرح گران پائشامع ہونے کے ساتھ ایک بڑا زبردست بہادر اور سپہ گری تھا۔ اُس کی شہسواری اور شجاعت کی ہر طرف دھاک میٹھی ہوئی تھی۔ اور بڑے بڑے سورا اور کثیر التعداد قبائل اُس کے نام سے لرزتے تھے۔

ایک دفعہ اتفاقاً بنی عذرہ میں اُس کا گزر ہوا جس قبیلے کے لوگ اپنی خوبصورتی و زیبائی اور اپنے صن و عشق کے اعتبار سے سارے عرب میں مشہور تھے۔ اِس قبیلے کی مشہور مشوقہ عرب بنینہ سامنے کھڑی تھی۔ اور حُسن اتفاق سے اُسے کسی قدر غور اور توجہ سے دیکھنے لگی۔ بنینہ کا عاشق زار حبیب اللہ بھی پاس کھڑا تھا۔ اپنی مشوقہ کی توجہ ایک دوسرے شخص کی طرف دیکھ کے



دل میں کچھ ایسی آتش حسد بھڑکی کہ غیرت عشق کے جوش میں آگے بڑھا۔ اور تو بہتے  
 کھنے لگا۔ آپ کو شہسوار سی کا بڑا دھوئے ہے۔ آئیے کشتی ہوتی ہے؟ تو بہ  
 نے کہا ”بسم اللہ آئیے“، جمیل جب مقابلے کو آنے لگا تو اس کی کمر بٹینہ  
 نے خود اپنے ہاتھ سے باندھی۔ اور وہ تو بہ کے سامنے آکھڑا ہوا۔ تھوڑی دیر  
 میں جمیل نے تو بہ بن حمیر کو دے مارا، اب جمیل نے کہا ”کشتی میں تو آپ مار گئے  
 اب آئیے تیر اندازی میں مقابلہ ہو“ تو بہ راضی ہو گیا۔ اور اس فن میں بھی جمیل  
 سے مارا۔ تو بہ نا دم کھڑا تھا کہ جمیل نے کہا ”تو آئیے اب دوڑنے میں بھی مقابلہ  
 ہو جائے۔ شاید آپ کے دل میں کچھ ہوس باقی ہو“ تو بہ نے اس میں بھی مقابلہ  
 کیا۔ اور اس میں بھی مارا۔ اس طرح ایک گھڑی بھر میں اپنی شجاعت و شہرت  
 کو خاک میں مل جاتے دیکھ کے دل میں سوچا۔ اور یکا یک چونک کے بولا ”آخا!  
 میں اب سمجھا۔ یہ ساری کار سازی ان بنی صاحب دہینہ کی ہے۔ سنو صاحب۔  
 اس مقابلے کا اعتبار نہیں۔ تم محض اس وجہ سے جیتے ہو کہ یہ نیک بخت سلنے  
 کھڑی تھیں۔ جب جانوں کہ ان کی نظر سے دور ہو کے اور اُدھر اُس وادی میں  
 چل کے مقابلہ کرو“ جمیل کے دل میں جیتنے سے دعویٰ تو پیدا ہو ہی گیا تھا۔ تو بہ  
 کو ساتھ لے کے اُس وادی میں گیا۔ اور جس نے سنا اُسے حیرت ہو گئی کہ یہاں  
 آتے ہی تینوں باتوں میں تو بہ بن حمیر نے اُسے مار لیا۔

لیکن حضرت معاویہ ہی کے زمانے میں اس کی شجاعت و بسالت کا یہ خوفناک  
 نتیجہ ظاہر ہوا کہ ایک نازک موقع پر بہت سے قومی اور بہادر دشمنوں کے زخموں  
 میں گھر کے عجب جوش و خروش اور بے نفسی و بے خوفی سے لڑتا ہوا مارا گیا۔  
 اور دشمنوں نے اُسی وادی میں جہاں مارا گیا تھا۔ ایک ٹیلے پر دفن کر کے اُس کی قبر بنا دی  
 جب یہ خبر لیلائے انیلیدہ کو پہونچی تو دنیا اُس کی آنکھوں میں تنگ ہو گئی۔

اور بے تکلف اور بغیر اس کے کہ کسی کا پاس و لحاظ کرے تو بہ بن حیر کے مرثیہ کہنے لگی جن میں اُس معزز شہسوار عرب کی حد سے زیادہ تعریف کرتی تھی۔ اور دکھاتی تھی کہ اُس سے بڑا اور زبردست اور قابلِ قدر کوئی شخص نہیں گذرا۔ اُس کے شوہر نے جب دیکھا کہ تو بہ مارا جا چکا تو وہ بھی خاموش ہو رہا۔ اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بی بی کی اس مرثیہ گوئی کو دل پر حیر کر کے وہ گوارا کر لیا کرتا تھا مگر جس طرح پہلے تو بہ کے اشعار سارے جزیرہ نامے عرب بلکہ اسلامی قلمرو میں مقبولیت کے ساتھ رواج پا رہے تھے۔ اُسی طرح اب ییلے کے ان مرثیوں کا چرچا ہوا۔ اور عرب لوگوں کی ہر صحبت میں حیرت و استعجاب اور پسندیدگی دور و مند می کی نگاہوں سے دیکھے جانے لگے۔ چنانچہ وہ مرثیے جناب معاویہ کے کان تک پہنچے۔ اور انھوں نے جب دیکھا کہ یہ شاعرہ عرب اپنے پرسوز مرثیوں کے ذریعے سے اپنے شہید عشق کو انتہا درجے کا نیک نفس اور پاک باز بتا رہی ہے تو ایک مرتبہ اُسے بلو کے پوچھا تو تم تو اُس کی ایسی تعریفیں کرتی ہو؟ مگر لوگ جو یہ باتیں مشہور کر رہے ہیں کیا سچ نہیں ہیں؟ اصل یہ ہے کہ تو بہ کے اشعار جس کسی کے گوش گزار ہوئے تھے۔ اُسے یقین آ گیا تھا کہ اُس سے ییلے سے ناجائز تعلق پییلے نے حضرت معاویہ کا یہ سوال سُن کے جواب دیا: ”حضور ہر وہ بات جو لوگوں میں مشہور ہو سچ نہیں ہو کرتی“ یہ کہہ کے تو بہ کی ہزار ہا خوبیاں اور اُس کے عفاف و اتقا کے حالات بیان کرنے لگی۔ معاویہ نے کہا: ”مگر لوگ تو اُسے زانی بتاتے ہیں۔“ ییلے نے اب اپنا ایک قصیدہ پڑھنا شروع کیا۔ جس میں تو بہ کی خوبیاں اور نیکیاں بہت زور دے کے بیان کی تھیں۔

اب معلوم ہوتا ہے کہ تو بہ کے متعلق اکثر لوگ اعتراض کیا کرتے تھے۔ اور وہ سب کو اڑادی سے جواب دیا کرتی تھی۔ تو بہ کی حمایت میں اُس کی پاک دہنی کی

جرات یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے جس زمانے میں کہ وہ بالکل بوڑھی اور بد صورت تھی اس سے تعریضاً کہا ”تم میں وہ کون سی ادا تھی جسے دیکھ کے تو بہ عاشق ہو گیا؟“ یا لیلانے نہایت ہی جرات سے اسکو بہ الزامی جواب دیا کہ ”اور آپ میں وہ کون سی خوبی ہے جسے دیکھ کے لوگوں نے آپ کو خلیفہ بنالیا؟“ یا اس جملے پر عبدالملک کو اس قدر ہنسی آئی کہ لوٹ گیا۔ اسی زمانے میں والی عراق حجاج بن یوسف ثقفی نے ایک دفعہ اُس سے کہا ”میلے، اب تو تمھاری جوانی گزر گئی۔ سچ سچ بتاؤ تم سے اور تو بہ سے کسی قسم کا تعلق تو نہ تھا؟“ اُس نے قسم کھائے کہا کہ ”وہ اپنے عشق میں ہمیشہ پاکا تھا“ پوچھا ”اچھا کبھی اُس نے تم سے کوئی ناجائز خواہش تو نہیں کی؟“ بولی ”کبھی نہیں۔ صرف ایک مرتبہ آنا ضرور ہوا کہ اُس نے نفی کے غلبے سے مغلوب ہو کے کچھ ارادہ کیا تھا مگر میں نے یہ دو شعر پڑھے اور وہ نادم ہو کے خاموش ہو گیا۔“

ذوی حاجۃ قلنا لا تاتج بها      فلیس الیہا حیث سبیل  
لنا صاحب لا ینبغی ان نخونہ      وانت لاخری فارغ و حلیل

بس اس کے بعد پھر کبھی اُس نے ایسا قصد نہیں کیا۔

ان باتوں سے حجاج کا دل نہیں بھرا تھا۔ پوچھا ”پھر کیا ہوا؟“ اُس نے کہا ”تو بہ نے ایک مرتبہ اپنے ایک دوست کو بھیجا اور کہدیا کہ ہمارے قبیلے یعنی بنی عبادہ کے فرد گاہ کے پاس کسی شیلے پر چڑھ کے یہ شعر پڑھا۔“

ع ترجمہ۔ (۱) اور حاجت والے نے اپنی حاجت پیش کی تو ہم نے کہا یہ تمھارے لیے نہیں جائز ہے

اور زندگی بھر اس کی کوئی راہ نہ ہوگی۔ (۲) ہمارا ایک صاحب ہے جس کی ہمیں خیانت نہ کرنی چاہیے۔

اور تم بھی دوسری عورت سے وابستہ اور اُس کے شوہر ہو جو

عفا اللہ عنہا ہل اتین کیلے  
 اس شخص نے اس ہدایت کے موافق ہمارے چمے کے سامنے ایک بونڈی  
 پر کھڑے ہو کے یہ شعر پڑھا تو میں سمجھ گئی کہ یہ تو بہ کا قاصد ہے۔ فوراً اُس  
 کے جواب میں میں نے بھی اُسے یہ شعر سُنا دیا ۛ

وَعَنهُ عَفَارِ بَنِي وَحَسَنُ حَفْطَه  
 عَزِيزٌ عَلَيْنَا حَاجَةٌ لَا تَبَالُهَا  
 اس پاک دامن کا اعتراف صرف لیٹے ہی نے اپنے اشعار میں نہیں کیا ہے۔  
 بلکہ خود تو بھی اپنے ایک شعر میں صاف پُر اپنی معشوقہ کے دعوے عصمت  
 کی تصدیق کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے ۛ

عَلَى وَارِ الْبِدَنِ انْ كَانْ بِلْسَمَا  
 بِرِمْ لِي ذُنْبًا غَيْرَ اِنِي اَزْوَ رَحَا  
 لیلاتے اچلیہ جب حجاج سے ملی ہے تو اُس نے اُسے دتل ہزار درہم انعام  
 میں دئے اور پوچھا اگر کوئی اور آرزو ہو تو وہ بھی بیان کرو، اس نے کہا  
 میرے چچا زاد بھائی قتیبہ بن مسلم جو ان دنوں ترکستان میں ہیں ان کے دیکھنے  
 کی تمنا ہے۔ اگر وہاں تک پہنچاؤ مجھے تو نہایت ممنون ہوں گی قتیبہ بن مسلم  
 کا نام غالباً ہمارے ناظرین نے اکثر سُنا ہو گا۔ اس لئے کہ یہ عرب کا بہت  
 مشہور اور زبردست سپہ سالار تھا جو خراسان سے ترکستان اور وہاں سے  
 بڑھ کے کاشغر میں جا پہنچا تھا۔ اور اس ارادے میں تھا کہ فتح و نصرت کے  
 پھر رہے اُڑتا ہوا۔ مملکت چین میں پہنچ جائے حجاج نے لیٹے کی خواہش

ۛ خدا اُس کے گناہ معاف کرے بھلا کبھی مجھے وہ رات نصیب ہوگی جو خیال میں بھی نہیں آتی ؟ ۛ  
 ۛ اور خلاص کے گناہ معاف کرے ۛ اور اُسے اپنی امان میں رکھے اسی وہ حاجت کبھی برائیگی میں بہت عزیز ہو  
 ۛ مجھے کفایت میں اونٹوں کی قربانیاں دینی پڑیں۔ اور اگر اُس کا شوہر مجھ اس کے کہیں اُس  
 سے مل لیتا ہوں میری اور کوئی خطا پاسے ۛ

کے مطابق اُسے ترکستان میں بھیج دیا۔ جہاں بھائی سے مل کے وہ واپس آئی اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسی سفر سے واپس آتے وقت شہر سے مین پور سب کے بیونڈزین ہو گئی۔

لیکن یہ غلط ہے۔ اُس کی موت کا اصلی واقعہ یہ ہے کہ ترکستان سے واپس آنے کے بعد ایک مرتبہ اپنے شوہر کے ساتھ صحرائے عرب میں سفر کر رہی تھی کہ اتفاقاً اُس وادی میں گزر ہوا جہاں اُس کے عاشق تو بن حمیر کی قبر تھی۔ شوہر سے کہنے لگی مدین تو یہ کی قبر پر جاؤں گی، اُس نے روکا۔ مگر بیٹے نے نہ مانا اور ایسی ضد کی کہ شوہر کو اجازت دینی ہی پڑی۔ اب اُس نے اُس ٹیلے پر جس پر عاشق مرحوم کی قبر تھی اونٹ کو چڑھایا۔ اور قبر کا سامنا ہوتے ہی چلا کے کہا: السلام علیک یا تو بہ، اس وقت اور لوگ بھی ٹیلے کے ساتھ تھے سلام کرنے کے بعد اُن ہمراہیوں کی دیکھ کے نہایت حسرت سے کہنے لگی: لوگو! اس سے پہلے مجھ پر تو یہ کا کوئی جھوٹ نہیں ظاہر ہوا تھا، یا کسی نے پوچھا وہ جھوٹ کیا؟، بولی: کیا تم نے تو یہ کے یہ اشعار نہیں سنے؟

دلو ان لیلة الاخیلیۃ سکت علی و دونی ترثہ و صفائح  
لسلمت تسلیم البشاشۃ اوزقی الیہا صدی من جانب القبر صلی

اگر یہ اُس نے سچ کہا تھا تو پھر جواب کیوں نہیں دیتا؟ وہ حسرت کے ساتھ یہ سوال کر رہی تھی کہ ایک بڑا اللہ جو قبر کے کسی کو نہ مین چھپا بیٹھا تھا ایک دفعہ گھبرا کے اور پھر پھڑپھڑا کے اڑا۔ اور اپنے اشیانے

اگر لیاٹے انیلید جیسے سلام کرے اند میری یہ حالت ہو کہ مجھ پر خاک کا ڈھیر ہو اور پتھر کی سلین ہوں تو بھی میں اُسے نہایت خندہ بینی سے سلام کا جواب دوں گا۔ یا قبر کے پہلو سے کسی ہاتھ کی آواز بندھ کے اُس کے سلام کا جواب ادا کرے گی ح

سے نکلتے ہی لیلے کے اونٹ کے منہ سے اُس نور کے ساتھ ٹکرایا کہ اونٹ بھڑکا  
اور اس طرح کوہ نے پھانڈنے لگا کہ لیلے اٹھل سے نکل کے دور جاگری۔ اور گرتے  
ہی روح پرواز کر گئی۔ اُس کے شوہر اور تمام ہمراہیوں نے اس واقعے کو حیرت  
سے دیکھا۔ اور اُسے قیامت کا انتظار کرنے کے لیے اُسی کے عاشق صادق  
کے پہلو میں سلا کے گھر کو روانہ ہوئے۔

## اُم سلمہ زوجہ مہاجر

یہ ایک خالص عربی معاشرت کا نمونہ تھا۔ اور اون کی بھی وہ معاشرت  
جوان کے ستمدن بننے کے بعد کی ہے۔ یہ خاتون یعقوب بن ولید بن عبد اللہ  
بن ولید بن منیرہ فخر و سی کی بیٹی تھی اور اسی شریف قبیلہ کی یادگار تھی جس کی ایک  
مشہور یادگار سیف اللہ خالد بن ولید تھے۔ وہ جن و جمال کے علاوہ بڑی صاحب  
تمیز سلیقہ شعار اور شائستہ تھی۔ اور خدا نے اُسے مال و دولت سے بھی بہرہ ور کیا  
تھا۔ پہلے عبد العزیز بن عبد الملک بن مروان کے عقد نکاح میں تھی۔ پھر ہاشم نام  
ایک معزز دولت مند عرب نے اُس سے نکاح کیا۔ ہاشم کے بعد ایک دن اپنے  
مکان میں بیٹھی ہوئی باہر کا منظر دیکھ رہی تھی کہ سامنے سے ایک خوب رو خوش  
جمال جوان رعنا کا گزر ہوا۔ اس جوان کی صورت دیکھتے ہی اُم سلمہ دل میں  
فریفتہ ہو گئی۔ اور ہم صحبت خاتونان قوم سے دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے جواب  
ملے کہ ”ان کا نام ابو العباس مہاجر ہے۔ اور عم رسول اللہ حضرت عباس کی نسل سے ہیں“

ان دنوں بنی امیہ کی حکومت تھی اور بنی ہاشم عام اس سے کہ فاطمی ہوں۔ یا  
 عباسی غربت و فلاکت میں مبتلا تھے۔ عہدہ داران سلطنت اور معزز سوسائٹی  
 میں بھی ان کی ایسی قدر و منزلت نہ تھی کہ کوئی دولت مند عورت ان کی طرف توجہ  
 کرتی مگر ام سلمہ مخزومیہ ابوالعباس سفاح کی صورت پر کچھ ایسی فریفتہ ہوئی کہ کسی  
 بات کا خیال نہ کیا۔ اور اپنی ایک لونڈی کو ان کے پاس بھیج کے خود ہی نکاح کا  
 پیغام دیا۔ اور پیام کے ساتھ سات سو اشرقیان بھیجیں کہ یہ آپ کی نذر میں  
 لونڈی نے آکے سفاح کو یہ پیام دیا تو انھیں اپنی اس خوش اقبالی پر حیرت  
 ہوئی اور اس سے کہا مگر میں تو مفلس و نادار ہوں، انھوں نے ناداری  
 کا شکوہ کیا تو اس نے وہ سات سو اشرقیان پیش کر دیں کہ بدرجہہ کی ضرورت  
 ہے تو ہماری بی بی نے خود ہی یہ رقم تمہاری نظر کی ہے۔ اب کیا تھا سفاح  
 خوش خوش اپنے گھر آئے۔ پھر ام سلمہ کے بھائی کے پاس جا کے شادی کا  
 پیام دیا۔ انھوں نے قبول کیا۔ اور دوہی چار روز میں پانچ سو اشرقی مہر پر نکاح ہو گیا۔  
 شب کو ابوالعباس سفاح جب جگہ عروسی میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہیں  
 ایک شہ نشین پر بیٹھی ہوئی ہے جس پر مغرق و مرصع فرش ہے۔ بال بال موتی  
 پروئے ہوئے ہیں۔ اور سارے پنڈے میں کوئی جگہ نہیں جہاں سے جواہرات  
 ضو نہ دے رہے ہوں۔ دولت مندی کا ایک ایسا نمونہ اور ایسا آنکھوں کو  
 خیرہ کرنے والا منظر کبھی ان غریب کی نظر سے نہیں گزرا تھا۔ مبہوت و شش در  
 کھڑے رہ گئے۔ اور کسی طرح قدم بڑھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ تب ام سلمہ  
 نے لونڈیوں کو بلا کے شہ نشین کے نیچے مسند بچھوائی۔ اور گر میون کے سادے  
 کپڑے زیب بر کیئے۔ مگر اب بھی امارت و حسن کا ایسا رعب تھا کہ سفاح کو ہاتھ  
 لگانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ آنکھوں کا دل بڑھانے کے لئے دلہن نے خود

ہی تھا "تم گھبرائو نہیں۔ آؤ پاس بیٹھو اور باتیں کرو یا غرض ام سلمہ کی دلہی سے سفاح  
میں اتنی جرأت پیدا ہوئی کہ دوٹھا دوٹھن ایک دوسرے سے مانوس ہوئے۔

اس کے بعد سفاح کی یہ حالت تھی کہ نام کو شوہر تھے مگر حالت کو دیکھتے  
تو معلوم ہوتا تھا جیسے بی بی کے غلام بے درم ہیں۔ حلف اٹھالی کہ زندگی بھر  
تھک رہی رہوں گا۔ نہ کوئی اور شادی کروں گا۔ اور نہ کسی لڑکی سے کبھی رکا  
رکھوں گا۔ میان بی بیوں میں حد سے زیادہ محبت تھی۔ ابو العباس کوئی کام  
بیغیر بی بی کے مشورہ کے نہ کرتے تھے۔ اور کبھی ان کی مرضی کے خلاف نہ  
کرتے۔ الغرض نہایت ہی آرام و آسائش سے گزر رہی تھی۔ بی بی کی دولت  
نے سفاح کو بھی ایک رئیس اعظم بنا دیا تھا اور خدا نے مسرت کو اور ترقی دینے  
کے لئے اولاد بھی عطا فرمائی تھی۔ اسی طرح ابو العباس کی اقبالندی کا پہلا  
نمونہ اس صاحب مال و جمال بی بی ہی کی ذات سے نظر آیا۔

چند روز بعد انقلاب زمانہ نے بی بی امیہ کا دفتر الٹ دیا۔ بی بی عباس کا شمار  
اقبال چمکا۔ خلافت اسلامیہ کا تاج سفاح کے سر پر رکھا گیا۔ اور دنیا کا سب سے  
بڑا شہنشاہ وہی شخص بن گیا۔ جسے اپنی فلاکت سے دولت مند بی بی کے ہنڈے  
میں ہاتھ لگانے کی جرأت نہ ہوتی تھی جو افلاس کی کمزوری سے بی بی کا درم نازید  
غلام بنا ہوا تھا۔ اور اُس کی صورت دیکھ کے ڈرتا اور سہا جاتا تھا مگر ہاشمی  
شرافت کے اثر سے مالک تاج و وہیم ہونے کے بعد بھی سفاح کے تعلقات اپنی  
ناز آفرین بی بی ام سلمہ سے ویسی ہی رہے۔ اور اب بھی مجال نہ تھی کہ کوئی کام  
اُس کی مرضی کے خلاف کریں یا کسی اور عورت کو آنکھ اٹھا کے دیکھیں۔ لیکن  
حکمرانی و جہان پناہی نے اب دربار اور صحبت میں بعض ایسے لوگ بھی پہنچائے  
جو امر کے دلون میں طرح طرح کی خواہشیں اور ہوسیں پیدا کر کے ان کی سیہ کاری



وعیش پرستی سے خود فائدہ اٹھایا کرتے ہیں۔

چنانچہ ایک بڑے زبان آور اور لسان مصاحب خالد بن صفوان نے سوتھ پاک کے ایک دن تنہائی میں عرض کیا "امیر المؤمنین! مجھے حضور کی حالت دیکھ کے بڑا تعجب آتا ہے۔ اقدامات خدا نے ایسے دئے ہیں کہ چاہے کیسا ہی حکم ہو مجال نہیں کہ اس کی تعمیل میں ایک لمحہ کی بھی دیر ہو سکے۔ قلمرو اتنی بڑی ہے کہ ساری دنیا تابع فرمان ہے۔ اور باوجود سطوت و جبروت کے ایک عورت حضور پر حاکم ہے۔ اور اس کے بندہ فرمان بنے ہوئے ہیں۔ وہ بیمار ہو تو حضور بیمار ہیں۔ گھڑی بھر میں نظر سے اوجھل ہو تو حضور آپے میں نہیں ہیں ایک اس کے بس میں ہونے کی وجہ سے حضور نے سارے لطف اور دنیا کی تمام لذتیں اپنے اوپر حرام کر لی ہیں۔ حتیٰ کہ حضور کو یہ بھی نہیں معلوم ہونے پاتا کہ حسینان عالم میں خدا نے کیسی کیسی ناز آفون دلزبانیں پیدا کی ہیں۔ کوئی قیامت قامت ہے۔ کوئی ماہ طلعت ہے۔ کوئی گل رخسار ہے۔ کوئی پھریری اور نازین ہے۔ کوئی سانولی اور نکمین ہے۔ کوئی مدینہ کی جاوید بیان ہے جو اپنی پیاری پیاری باتوں میں لہجہ لیتی ہے کوئی کوفہ یا بصرے کی شیریں زبانی ہے جس کی چتونیں زہر کا اثر رکھتی ہیں۔ کسی کی زلفیں دل کو اپنے پھندے میں پکڑ لیتی ہیں۔ کسی کی سرنگین آنکھوں کے تیر کلچہ میں اتر جاتے ہیں"

اسی طرح خالد بن صفوان دیر تک طرح طرح کے حسون کی تصویریں سفاح کی آنکھوں کے سامنے کھینچتا رہا۔ یہاں تک کہ اُس کا دل ڈنڈا ڈول ہو گیا اور دل میں کہنے لگا "یہ سچ تو کہتا ہے۔ اپنی اس حماقت کے باعث میں کیسی کبھی لذتوں سے محروم ہوں" اب خالد تو آگ لگا کے چلتا بنا۔ اور دل میں خوش تھا کہ میں نے میدان مار لیا۔ اگر میری باتوں میں آ کے سفاح نے کسی دوسری عورت

کی طرف توجہ کی تو پھر مجھ سے زیادہ کوئی خوش نصیب نہ ہو گا۔ اور سفاح کی یہ حالت تھی کہ ایک سو بیس مین پڑا ہوا تھا۔ اور کوئی فیصلہ نہ کر چکتا تھا۔ اسی حالت میں تھا کہ ام سلمہ آئی اور اُسے ملول و حزین دیکھ کے سبب پوچھنے لگی۔ بار بار اُسے تسلی دیتی تھی اور کہتی تھی: ”آخر آپ کو کس بات کی فکر ہے؟ کسی بیرونی حریف نے سر اٹھایا ہے؟ کسی نے بغاوت کی ہے؟ کوئی ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا؟ آخر کون سی ایسی بری خبر آئی ہے جو آپ اس قدر متفکر ہیں؟“ سفاح نے کہا: ”خبر و بزرگوں کی نہیں آئی،“ ام سلمہ ”تو کچھ وہ نگوڑی کون سی بات ہے۔ جس کے لیے دشمن یون پریشان ہو رہے ہیں؟“ سفاح ”کچھ نہیں،“ ام سلمہ ”کچھ تو ضرور ہے۔“

سفاح ”ایک یون نہیں سی بات ہے جو تم سے کہنے کی نہیں،“ ام سلمہ ”اور میں بے پوچھے نہ رہوں گی!“

آخر ام سلمہ نے دو بتاؤ، ”اگلے جلد ہی بتاؤ،“ کی بیان تک رٹ لگائی کہ مجبوراً سفاح نے ساری سرگزشت سنا دی۔ اور خالد نے جو کچھ کہا تھا بی بی کے سامنے دوہرایا۔ سنتے ہی ام سلمہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اور غصہ کے تیوروں سے پوچھا اور تم نے اس حرام زادے کو اس کا جواب کیا دیا؟، اس پر سفاح نے آشفقت ہو کے کہا: ”واہ! وہ تو مجھے نیک مشورہ دیتا ہے۔ اور تم اُسے کوستی ہو،“ شوہر سے یہ جواب پا کے ام سلمہ طیش میں بھری ہوئی دھان سے اٹھ کے اپنی مجلس راہین گئی۔ اور دس چوبداروں کو بلا کے حکم دیا کہ اسی وقت خالد بن صفوان کے مکان پر جاؤ۔ اور اُسے اتنا مارو کہ اُس کا کوئی عضو صحیح و سالم باقی نہ رہے۔

میران خالد گھر میں بیٹھ ہوئے شاہی انعام کے امیدوار تھے۔ اور وہ دیکھ رہے تھے کہ کوئی شاہی غلام خلعت اور نقد و جواہرات لینے ہوئے آتا ہی ہو گا کہ ناگہان ڈیوڑھی پر چوہدار نمودار ہوئے۔ اور دروازہ پر پہنچ کے پوچھا ”خالد بن صفوان

کہاں رہتے ہیں؟، آپ بے اختیار لپک کے باہر نکل آئے۔ اور جوش مسرت سے  
از خود تر ہو کے کہا ”مان مان جی مین ہی ہوں۔ جو کچھ انعام لائے ہو دو،“ انھوں  
نے کہا تو،، اور بے مکان پینا شروع کیا۔ یہ حالت دیکھی تو آپ گھبرا کے بھاگے۔ گھبرین  
گھس کے دو اڑہ بند کر لیا۔ اور زیادہ نہیں پینے پاتے۔ مگر ڈر کے مارے گھر سے قدم  
نکلنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

انھیں گھر میں بند پڑے پڑے کئی دن ہو گئے اور سفاح کے غلام روز آ آ کے  
پلٹ جاتے تھے۔ یہاں تک کہ تیسرے چوتھے دن انھوں نے پچڑ پایا۔ اور کہا بوجلو  
امیر المومنین بلاتے ہیں۔ کئی دن سے کہاں بھاگے ہوئے تھے کہ ہم روز آ آ کے پلٹ  
جاتے ہیں،، مگر اب خالد کا خون خشک تھا۔ اور دل میں موت کا یقین تھا۔ مارے بانہر  
سفاح کے دربار میں پہنچے۔ سفاح تنہا تھا۔ مگاس کے پیچھے ایک کھڑکی میں ایک  
باریک زنگار پر وہ پڑا ہوا تھا۔ جس کے اُدھر کچھ حرکت بھی محسوس ہوتی تھی خالد  
دل میں سمجھ گیا کہ بادشاہ کے پیچھے بادشاہ بیگم بھی موجود ہیں۔ سفاح نے صورت  
دیکھتے ہی کہا ”تین دن سے کہاں تھے؟“ عرض کیا ”حضور غلام بیمار تھا اور  
ضرور حاضر ہوتا،“ سفاح نے کہا ”بچھلی صحبت میں تم نے حسین دہری جمال عورتوں  
کی کچھ ایسی صنعتیں بیان کی تھیں جیسی میں نے کبھی نہیں سنی تھیں۔ تمہاری اُن باتوں  
میں مجھے بڑا مزہ آیا تھا۔ جو اس وقت تک یاد ہے۔ ذرا اُن باتوں کو پھر میرے سامنے  
بیان کرو،“ خالد نے کہا ”بہتر۔ میں نے عرض کیا تھا کہ جس کسی نے ایک بی بی کے ہوتے  
دوسری بی بی کی ضروری اٹھایا۔“ سفاح نے برہم ہو کے کہا ”نائین اب یہ تم نے  
کب کہا تھا؟“ خالد ”حضور خدا کی قسم یہی۔ اور عرض کیا تھا کہ تین بی بیوں کا گھر  
بس ایک پتیلی ہے جو برابر اُبلے جاتی ہے۔ یہ سنتے ہی بگڑے ابو العباس بولا ”و خدا  
کی قسم تو نے یہ نہیں کہا تھا۔ اگر یہ کہا ہو تو میں قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم ہوں“

خالدؓ اور حضورؐ میں نے یہ بھی تو عرض کیا تھا کہ چار بی بیان شوہر کے لئے صریح  
 آفت ہیں۔ اُسے بوڑھا اور پیر فانی بنا دیتی ہیں۔ اور بیمار ڈال دیتی ہیں،  
 سفاح (جوش اضطراب سے) خدا کی قسم میں نے یہ باتیں کبھی سنی ہی نہیں نہ  
 تجھ سے اور نہ کسی اور سے، خالدؓ جی خداوند میں نے تو بس یہی عرض کیا تھا،  
 سفاح بدارے کنجت میرے منہ پر جھوٹ بوتا ہے! خالد (چلا کے) دو تو کیا  
 حضورؐ میری جان لینا چاہتے ہیں؟ سفاح دو تو نے کہا تھا کہ ایسی ایسی حسین  
 عورتیں..... خالد بات کاٹ کے بدجی مان میں نے عرض کیا تھا کہ یہ  
 حرم کی دو شیر لوندیاں ایسی سنڈیاں ہیں کہ عورت ہونا کیسا یہ تو سوامر دہین اُن  
 کے عورت ہونے میں بس ایک ہی بات کی کسر رہ گئی ہے، خالد کے اس فقرہ پر  
 کے پیچھے سے ایک فتنہ کی آواز آئی۔ اور ساتھ ہی خالد نے کہا اور حضورؐ میں نے یہ  
 نہیں عرض کیا تھا کہ ”بنی مخزوم قریش کا پھول ہیں۔ اور آپ کے پاس تو سارے  
 پھولوں سے چنا ہوا ایک اعلیٰ درجہ کا خوشنمک و شاداب مہکتا ہوا پھول موجود ہے  
 اور باوجود اس کے آپ دوسری آزاد بہو بیٹیوں اور لوندیوں پر نظر ڈالتے ہیں؟“  
 میرے اس جملہ کے ختم ہوتے ہی پر وہ سے آواز آئی۔ ”بے شک تم نے امیر المومنین  
 سے یہی کہا ہو گا۔ مگر انھوں نے اس کے عوض اپنے دل سے نئی نئی باتیں اپنی  
 ہوس کے مطابق بنالین اور انھیں تمہاری جانب منسوب کر دیا، اب ام سلمہ  
 تو پردہ کے پیچھے بیٹھی منہس رہی تھی۔ اور سفاح کی یہ حالت تھی کہ خالد کو گایان  
 دے رہا تھا، خدا تجھے غارت کرے! خدا تجھ سے سبک! اُسے برہم دیکھ  
 کے خالد سامنے سے کھسک گیا۔ خلیفہ کے سامنے جاتے وقت تو اُسے موت کا  
 یقین تھا۔ مگر وہی ام سلمہ کی مہربانی سے زندگی کی امید پیدا ہو گئی گھر پہنچا  
 ہی تھا کہ ام سلمہ کے خدام جو پہلے اُس کے زود کو ب کے لئے آئے تھے حاضر ہوئے

اُسے بادشاہِ بگیم کی مہربانی کا یقین دلایا۔ اور دس ہزار درہم نعلت کی ایک کشتی ایک بڑے قد و قامت کا گھوڑا اور ایک غلام ملکہ جہان کی طرف سے اُس کے حوالہ کیا۔ اور واپس گئے۔

پھر اُس کے بعد نہ کبھی کسی کو سفاح کے بہرکانے کی جرأت ہوئی اور نہ خود اُسے کسی دوسری عورت کا خیال آیا۔ زندگی بھر اپنی پرانی بی بی ام سلمہ سے نباہی اور اُس کا ویسا ہی تاجِ فرمان بنارہا جیسا کہ پہلے تھا۔

## عَلِیَّہ بنتِ مہدی

یہ خاتون محترم تیسرے خلیفہ بنی عباس یعنی مہدی کی بیٹی اور مشہور خلیفہ بغداد ہارون رشید کی بہن تھی۔ اس کی ماں مروان کے گھرانے کی ایک لونڈی تھی۔ جو مکنونہ کہلاتی تھی۔ اور اپنی لیاقت و شہرت اور موسیقی میں کافی دستگاہ رکھنے کی وجہ سے عالی مرتبہ خلیفہ آل عباس کے خلوت گاہ میں پہنچ گئی۔ مہدی کی محبوبہ بی بی خیران جس کے بطن سے ہارون رشید پیدا ہوا ہے کہتی ہے کہ مجھے مہدی کی اور کسی بی بی سے نہیں دینا پڑا سوا مکنونہ کے جو اُس کے دل پر بہت حاوی تھا۔ جب تک خلیفہ منصور یعنی مہدی کا باپ زندہ رہا اُس وقت تک مہدی نے اپنے اور مکنونہ کے تعلق کو چھپایا۔ یہاں تک کہ اُس کے بطن سے علیہ پیدا ہوئی۔ علیہ چونکہ خلافت کی گود میں اور ایسی ماں کے بطن سے پیدا ہوئی تھی جو علم موسیقی میں کافی دستگاہ رکھتی تھی۔ لہذا اُس کو پڑھنے لکھنے کے علاوہ ماں نے گانے بجانے

کی بھی تعلیم دی۔ اور ایسا بالکمال بنا دیا کہ بہت کم لوگ تھے جو اُس دور میں علم موسیقی میں  
اس عبا سید شاہزادی کا مقابلہ کر سکتے ہوں۔

اس موقع پر ہمیں آنا اور بتا دینے کی ضرورت ہے کہ علیہ جس زمانے اور  
جس دور میں تھی اُن دنوں گانا آنا معیوب نہ تھا جتنا کہ اب سمجھا جاتا ہے۔ اور  
اسی وجہ سے یہ خلفا جو بہت کچھ پابند شمرع تھے کامل مغنیوں کی قریب قریب  
ویسی ہی قدر کرتے تھے جیسی کہ علما و فضلا اور دیگر بالکمالوں کی قدر کی جاتی ہے۔  
علیہ کی پیشانی پر کوئی داغ تھا جو دیکھنے میں بدناما معلوم ہوتا تھا۔ اُس کے چھپا  
کے لیے علیہ نے ایک خوش نما اور مطلقاً و مروج سہ بند بانڈھنا شروع کیا۔ جو بہت  
ہی بھلا معلوم ہوتا تھا۔ اور عام عورتوں میں اس قدر پسندیدہ ثابت ہوا کہ اکثر  
اُسے وضع داری اور زینت و زیبائش میں داخل کر لیا۔

یہ شاہزادی علاوہ خوش گلوئی۔ کمالات موسیقی نہایت ہی خوش الحانی سے  
تلاوت قرآن کرنے کے پڑھی لکھی اور بہت اچھی شاعرہ بھی تھی۔ ہم جانتے ہیں  
کہ ایک عورت کی نسبت چاہے وہ کتنے ہی بڑے گھرانے کی ہو یہ سُن کے کہ وہ  
لگانے میں کمال رکھتی تھی اور شاعرہ تھی۔ ہمارے دوستوں اور ہم وطنوں پر اچھا  
اثر نہ پڑے گا۔ مگر اس کے بعد یکایک یہ سُن کے وہ حیرت کر جائیں گے کہ علیہ باوجود  
ان دنیاوی فنون میں کمال رکھنے اور عیش و عشرت کے سامانوں پر قادر ہونے  
کے بہت بڑی عابدہ و زاہدہ اور اول درجے کی پارسا عفت شعار تھی۔ اب  
اس سے زیادہ کیا ہو گا کہ جن چند دنوں میں ہر مہینے عورتوں کو نماز معاف ہوتی  
ہے صرف انھیں معدودہ ایام میں اگر جی چاہتا تو گاتی۔ ورنہ ہرگز نہ گاتی تھی۔  
افسوس کہ اُس کی نظر سے ہمارے نوجوان علمائے فرنگی محل کی اس تازہ تصنیف  
کے مضامین نہیں گزرے تھے۔ ورنہ ہر وقت گانے میں کوئی مضائقہ نہ سمجھتی۔

ظاہر ہو جانے کے بعد پھر وہ قرآن خوانی اور مطالعہ کتب میں مصروف ہو جاتی اور اب تفریح طبع کے لئے اگر کبھی جی چاہتا تو شعر البتہ کہنے لگتی۔ مگر ان اس سے مجبور تھی کہ بھائی خلیفہ ہارون الرشید جسے اُس سے بغیر کسی بات میں لطف ہی نہ آتا۔ بلکہ تا اور بر دوستی مجبور کر کے گواتا۔

اُس کی پاکبازی اور پابندی شریعہ کی یہ حالت تھی کہ لوگوں میں تو مشہور تھا کہ علیہ اور اُس کے سگے بھائی ابراہیم ابن مہدی سے بہتر موسیقی دان بھائی بہن کسی خاندان میں نہ جمع ہوئے ہوں گے۔ اس لئے کہ ابراہیم بھی باوجود شہزادی کے اور ایک زمانے میں چند روز کے لئے خود خلیفہ ہو جانے کے اُس عہد کا بہت بڑا معنی تھا اور خود علیہ کا یہ قول تھا کہ خدا نے جو چیز محرام کی ہے اُس کے عوض کوئی نعمت حلال بھی کر دی ہے۔ پھر کسی کو ضرورت ہی کیا پڑی ہے کہ اُس کی نافرمانی کرے اور اُس کے حدود کو توڑے؟

علیہ کے بھائی ابراہیم کو اگرچہ کمال موسیقی کے لحاظ سے اُس وقت کے تمام موسیقی دانوں پر فوقیت حاصل تھی۔ اور سوا اسحاق موصی کے جو اُس دور کا سب سے بڑا کامل معنی تھا۔ کوئی اُس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ مگر پھر بھی سب لوگوں کو اعتراف تھا کہ علیہ کے کمالات اپنے بھائی سے بڑھے ہوئے تھے۔

اُن دنوں شعرائے عرب کا معمول تھا کہ شعر کہتے تو کسی نازنین کو نام لے کے اپنا مخاطب ضرور بنالیتے۔ اگرچہ اُن میں اکثر بلکہ عموماً پاکبازی کا مادہ ہوتا تھا۔ مگر یہ ظاہری طرز عمل بھی شرفا کو اکثر نہایت ہی ناگوار گزارتا تھا۔ علیہ نے بغضب کیا کہ ہارون رشید کے ایک غلام طبل کو اپنی شاعری کا مخاطب بنایا۔ اور اُس کی محبت میں اپنے جو بشک شاعر کے ذریعے سے ظاہر کرنے لگی۔ رشید کو جب یہ معلوم ہوا تو نہایت ہی برہم ہوا۔ تاہم بہن کی محبت نے اس کی اجازت نہ دی۔

کہ کسی سختی کا برتاؤ کرے۔ ہاں اتنا کیا کہ علیہؑ کو بلا کے قسم دلا دی کہ بہن دیکھو۔ اب کبھی طل کا نام زبان پر نہ لانا۔ اب علیہؑ نے اُس وقت سے طل کی شان میں مصر کہنا چھوڑ دیا۔ تاہم رشید کے دل میں تھوڑی بہت بدگمانی ضرور تھی۔ ایک دن رات کو علیہؑ کے حجرے کے دروازے کے پاس چھپ کے کھڑا ہوا۔ علیہؑ اس وقت نہایت خوش الحانی سے قرآن پڑھ رہی تھی۔ اور اُس کی آواز رشید کو بے صبر کیے دیتی تھی کہ قرآن پڑھتے پڑھتے علیہؑ اُس آیت پر پہنچی ”فَاِنْ لَّمْ يَنْصِبْهَا وَاِبِلًا فَعَلَّهَا“ اور بجائے اس کے کہ مدطل، کا لفظ زبان سے نکالے بڑھکئی ”وَاِبِلًا“ فَاَلَّذِي نَهَا نَاعِمَةَ امِيرَ الْمُؤْمِنِينَ،، یسے وہ جس سے امیر المؤمنین نے منع کیا ہے۔ یہ سنتے ہی رشید میں پھر کہاں تاب تھی۔ دوڑ کے لپٹا گیا۔ اوس کا منہ چومنے لگا۔ اور کہا ”اب میں تمہیں کسی بات سے نہیں منع کرتا۔ تمہارا جو بی چاہے کرو۔ اور اپنا غلام طل بھی اُسی کو دے ڈالا۔ مگر اس کے بعد پھر سوچا کہ امی اور نیک نفی کے علیہؑ سے کوئی ایسا فعل نہیں سرزد ہوا۔ جس پر اُسے الزام دیا جاسکے۔

کچھ اسی واقعہ پر منحصر نہیں۔ ہارون رشید کو اپنی بہن علیہؑ کے ساتھ اس قدر محبت تھی کہ اکثر بغیر اُس کی موجودگی کے کسی صحبت میں مزہ ہی نہ آتا۔ اُس کا عقد غالباً ہارون رشید ہی کے زمانے میں موسیٰ بن عیسیٰ کے ساتھ ہو گیا تھا۔ جو نسل عباس میں نہایت ہی باوقعت رتبہ رکھنے کی وجہ سے اُس دور میں شانہ وادگی کی شان رکھتا تھا۔ مگر مورخین اس امر سے بالکل ساکت ہیں کہ یہ شادی کب ہوئی اور شوہر کا علیہؑ کے ساتھ یا علیہؑ کا شوہر کے ساتھ کیا برتاؤ رہا۔ زیادہ تر علیہؑ کو ہم رشید کی صحبت میں پاتے ہیں۔ اور اس صحبت میں رشید اُس کی موجودگی کو اُس کی اس قدر ضروری خیال کرتا تھا کہ ایک مرتبہ علیہؑ حج کعبہ کو گئی۔ واپسی کے وقت غالباً گسل راہ سے تھک کے مقام طیرتا با زمین چند روز کے لیے فروکش



ہو گئی۔ یہ خبر رشید کو پہونچی تو خفا ہوا۔ اور علیہ نے تین چار نہایت ہی دلچسپ ساوے اور فریبی شعر کہے اپنے آقا اور تاجدار بھائی کی ناراضی دور کی۔

ایک مرتبہ رشید رے کے سفر میں بہن کو پر محکف محل میں بٹھا کے ساتھ لے چلا۔ مرج نام ایک منزل میں شاہی سواری بٹھری۔ اور رشید بیٹھ کے لطف صحبت اٹھانے لگا۔ علیہ نے اس موقع پر چند پُر جو شش شعر کہے اُن میں نہایت ہی دلکش و مہن قلم کی۔ اور رشید کو نگاہ کے سنایا۔ جن میں ظاہر کیا تھا کہ وہ جیسے ایک غریب الوطن مقام مرج میں اپنی مصیبت پر دروہا ہے۔ جن لوگوں سے محبت تھی دُور ہیں۔ اور اُس کی یہ حالت ہے کہ وطن کی طرف سے جب سواروں کے قافلے آتے ہیں تو دوڑ دوڑ کے اُنہیں سونگھتا ہے۔ کہ شاہان میں بوسے وطن آجائے یا ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس مضمین کے اشعار نے ایک خوش گلو۔ صاحب علم اور علم موسیقی میں کمال رکھنے والی بہن کی زبان سے ادا ہوتے ہی رشید کے دل پر کیا اثر کیا ہو گا۔ سمجھ گیا کہ بہن کا سفر میں دل نہیں لگتا۔ فوراً واپسی کی اجازت دے دی۔ اور علیہ راستہ ہی سے پلیٹ کے بعد اومین آگئی۔

آخر جب زمانے نے ہارون رشید سے سریر خلافت کو خالی کر دیا تو علیہ کو بہت ہی صدمہ ہوا۔ جیسی محبت بھائی کو بہن سے تھی۔ ویسی ہی بہن کو بھائی سے بھی تھی۔ رشید کے بعد علیہ کی زندہ ولی اور بذلہ نبی میں بالکل فرق آگیا۔ اور قسم کھالی کہ اب نہ گاؤں گی۔ مگر زبیدہ کے بیٹے امین الرشید نے سخت پر بیٹھنے کے بعد خوشامد کر کے یہاں تک اصرار کیا کہ آخر گواہی کے چھوڑا۔ مگر اب اس سمجھے ہوئے دل کے ساتھ گانے میں وہ لطف کہاں ہو سکتا تھا ؟

نحوڑی ہی مدت میں زمانے نے آخر میں کا بھی ورق اٹھا۔ اور ہارون رشید

سمرقند کے خلاف تھا۔ موسیقی سے مامون کو بھی بے انتہا ذوق تھا۔ اور کیونکہ ممکن تھا کہ جس لائق چھو چھپی کا نغمہ امین نے زبردستی ان کر کے سنا تھا وہ بھی نہ مستی غرض علیہ کہ مامون کے سامنے بھی گانا پڑا۔ مگر مامون نے غضب ہی کر دیا۔ رشتہ نے بہن کا گانا ہمیشہ سنا تھا۔ مگر کبھی کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی جس سے بہن کے دل پر بڑا اثر پڑے۔ اسی طرح امین نے بھی باوجود انتہا سے زیادہ طفلانہ مزاجیوں کے چھو چھپی کے حق طعناں میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی تھی۔ مامون نے یہ مستم کیا کہ چھو چھپی کا نغمہ سنتے ہی وجد میں آ کے اور بے خود ہو کے اُسے گلے سے لپٹا لیا۔ اور اُس کے سر اور منہ کے بوسے لینے لگا۔

یہ ایسی سخت رسوائی تھی جس سے علیہ کو زندگی بھر سابقہ نہیں بڑا تھا۔ مارے شرم کے سر جھکا لیا۔ اور دل کو یکایک ایسا صدمہ پہنچا کہ چہرہ جوش ندامت سے سُرخ ہو گیا۔ ساتھ ہی بخار چڑھ آیا۔ اور اسی بخار میں اُس پاکدامن عباسیہ شاہزادی نے اس عالم فانی کو نصحت کیا۔ سنا کہ میں پیدا ہوئی تھی۔ اور سنا کہ میں پچاس برس کی عمر پا کے رہ گئے آخرت ہوئی۔

علیہ نے سمرقند موسیقی میں اپنی لیاقت سے تہتر دھنیں بڑھادیں تھیں جن سے مدت ہائے دراز تک بغداد کی چھتین لطف اٹھاتی رہیں۔ مگر باوجود اس کے کہ علم موسیقی میں وہ کمال رکھتی تھی۔ نہایت ہی پارسا و پاکدامن اور عابدہ و زاہدہ تھی اور ہمین عقین ہے کہ رحمت الہی اُسے اپنے جوار میں لے لیا ہوگا۔ ❦

## زُبیدہ خاتون

امام جعفر امّۃ العزیز زُبیدہ بنت جعفر بن ابی جعفر منصور بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ خاتون عرب کی اُن پاک نہاد خاتونوں میں سے ہیں جنہوں نے شرافت و عزت، صورت و سیرت، دولت و ثروت اور عصمت و عفت بغرض تمام صفات و نعمتوں کو اپنی ذات میں جمع کر لیا تھا۔ بنی عباس کا زمانہ شباب گویا اسی خاتون کی اقبال مندی کا نمونہ تھا۔ اور ہارون رشید کی فخریہ بیوی اور اُس کی ہمبست و جبروت کا تاج اسی ملکہ کے خوبصورت سر پر تھا۔ عم رسول اللہ حضرت عباس کی اولاد سے تھی۔ دوسرے خلیفہ بنی عباس المنصور کی پوتی۔ ہارون الرشید اعظم کی داماد بنت ملکہ اور مظلوم و نوکر خلیفہ امین کی مان تھی۔

الفلیاہ کی کہانیوں نے جو خدا جانے کس مجھول زمانے میں مرتب کی گئی ہیں۔ اس اسلامی ملکہ کے چال چلن کو مشتبہ اور عشرت پرستی کا نمونہ ثابت کر دیا ہے مگر تو حقا تحقیق سے کام لیا جائے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اُن کی وقت بے بنیاد افتراء پر دانیوں سے زیادہ نہیں ہے۔ اُس کا اصلی نام امّۃ العزیز تھا۔ سچپن میں چونکہ خوبصورت گوری گوری اور موٹی تانری لڑکی تھی۔ لہذا دادا یعنی خلیفہ منصور اُسے اپنے دونوں ہاتھوں پر پکارتے اور کہتے "زُبیدہ ہے زُبیدہ" عربی میں اُس آسے کو کہتے ہیں جس میں سے گھما گھما کے کھن نکالا جاتا ہے۔ یہ لقب ایسا پسند آیا کہ سب اسے زُبیدہ ہی کہنے لگے۔ اور اُسی وقت سے زُبیدہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ چونکہ نیم اسی وقت کا تصنیف تھا۔ لہذا ایک عربی خاتون کے لئے سب سے پہلا نام تھا۔ مگر

اس کی ذات سے اس نام کو اس قدر شہرت ہوئی کہ اب صدائے گھرانوں میں یہ نام رکھا جاتا ہے۔ اور عموماً پسندیدہ ہے۔

زبیدہ کی نسبت یہ تو نہیں پتہ چلتا کہ کس سن میں پیدا ہوئی۔ مگر بان ۷۷ھ ہجری میں اس کا عقد نکاح ہارون کے ساتھ ہوا۔ چنانچہ ایک نو عمر شاہزادہ تھا۔ یہ رشادی ہارون کے حق میں ایسی مہارک ثابت ہوئی کہ اسی سال اپنے باپ خلیفہ مہدی کے حکم سے رومیوں کے مقابلے کو روانہ ہوا۔ اور ہر قلعہ تک برابر فتوحات کے پھر واپس آتا چلا گیا۔ آخر رومیوں نے وب کے صلح کر لی۔ اور ہارون بہت کچھ دولت و جنت لے کے واپس آیا۔ اس کارگزاری پر مہدی ایسا خوش ہوا کہ زبیدہ کی فرخندہ طالعی کا نمونہ دیکھ کر برس یہ نظر آیا کہ باوجودیکہ ہارون مہدی کا بڑا بیٹا نہ تھا۔ اور اس کا بڑا بھائی ہادی شہزادہ ہی سے ولیعهد خلافت تسلیم کیا جا چکا تھا۔ مگر مہدی نے لیاقت و کارگزاری کے صلے میں ہادی کے بعد جانشین خلافت اسی کو تسلیم کر لیا۔ اور ایک بڑے دربار میں ہارون کے لئے تمام علماء و فضلا اور اکابر قوم سے بیعت لی گئی۔ آخر ۷۷ھ ہجری میں جب قسمت نے تخت خلافت کو ہادی سے خالی کیا تو ہارون ہارون الرشید کا لقب اختیار کر کے مندارائے خلافت ہوا۔ اور زبیدہ ساری دنیا سے اسلام کی فیاض و ہر دل عزیز ملکہ بن گئی۔

دولت و ثروت نے ہارون کو اگرچہ ہزار ہا پری ہمال اور حور و شہ نازیان و تہنیں اور اس عہد کے مختلف مورخوں کو اتفاق ہے کہ ساری دنیا کا منتخب جن بغداد کی حرم سرکار خلافت میں جمع تھا۔ مگر زبیدہ کی لیاقت اور رشید کی نیک نفسی سے اصلی بی بی اور گھر کے مالک ہونے کا تاج زبیدہ ہی کے سر پر رہا۔ رشید کے آخر عہد تک زبیدہ ہی سارے محل کی مالک تھی۔ اور رشید نے کبھی کسی معاملے میں اس کی دخل گنی نہیں۔ آخر تیس سال تک اسے ساری دنیا سے اسلام کا سرتاج رکھ کے ۹۳ھ میں رشید نے جام فنا پیا۔ اور زبیدہ کا بیٹا امین الرشید تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا۔ مگر انیس

کہ امین بالکل شامزادہ ہی تھا۔ عشرت پرستی اور لہو لوب کے سوا اُسے ملک داری و ملک گیری میں دلچسپی نہ تھی۔ اس پر یہ قیامت ہوئی کہ مامون رشید کے ایسے لائق و ہوشیار اور ہر دلعزیز بھائی کی دشمنی پر آمادہ ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہو کر اڑائی ہوئی۔ مامون کے بعض سنگدل سپہ سالاروں کے ہاتھ سے امین نہایت منظم جی کے ساتھ مارا گیا۔ مامون رشید سارے مقبوضات خلافت کا مالک تھا۔

یہ وقت زبیدہ کے لیے نہایت ہی نازک تھا۔ اور شاید اُس سے زیادہ صد اُسے کبھی زندگی بھر نہ اٹھانا پڑا ہو گا۔ کیونکہ اکلوتا بیٹا تخت سلطنت پر سے کھینچ کے مارا گیا۔ اور وہ مجبور تھی کہ سوتیلے بیٹے اور خاص اپنے تخت جگہ کے قاتل کے سامنے سراطاعت جُھکائے۔ اور راضی برضا ہو جائے۔ یہ کام اگرچہ بہت مشکل تھا۔ مگر اُس لائق ضابطہ اور نیک ملکہ نے نہایت خوبی سے انجام دیا۔ چند پرورش پر سوزا شعار کے ذریعے سے مامون پر اپنی فرمانبرداری بھی ظاہر کر دی۔ امین کی موت پر افسوس بھی ظاہر کیا۔ اور اُن لوگوں کی شکایت بھی کر دی۔ جنھوں نے امین کو بے رحمی سے قتل کیا تھا۔ اور غالباً انھیں اشعار کا اثر تھا کہ اس کے بعد سے مامون کے دل میں اپنے اسی سپہ سالار کی جانب سے ایک دشمنی پیدا ہو گئی۔ جس نے اُسے تخت خلافت دلوادیا تھا۔

بیٹے کے داغ سے زبیدہ کے دل کو چاہے کتنا ہی بڑا صدمہ پہنچا ہو مگر مامون نے اُس کے ساتھ ایسی سعادت مندی کا رتاؤ کیا کہ غالباً اس حسرت نصیب اور ہوا ملکہ کو اپنے بیٹے کی جگہ خالی نظر نہ آتی ہو گی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مامون نے جب سلمہ صہین بوران یا یون کہتے کہ حسن بن سہل کی بیٹی پر راجت کے ساتھ نہایت ہی دھوم دھام سے اپنی شادی کی ہے۔ اور دولہن بزرگ اعتدال سے لاکے مجاہد عروسی میں بھائی لگتی ہے۔ اُس وقت اُس کے پاس یا تو خود اُس کی

مان تھی یا نبیدہ خاتون جو یقیناً مامون رشید کی مان کی جگہ لاکے بھٹائی گئی تھی۔ زبیدہ نے  
پورا اندھنہ کو روٹھائی کے طریقے سے ایک موتیوں کا جوڑا پہنایا۔ مان نے اُس پر سے  
موتیوں کا نچھاور کئے اور مامون رشید نے اُسکے دولہن سے کہا ”جو چاہتی ہو یہاں  
جس بات کی آرزو ہو بیان کرو۔“ ابتداءً تو دولہن خاموش رہی مگر جب اُس کی مان نے  
کہا کہ ”تا تل کس بات کا ہے۔ جو کہنا ہو کہو“ تو اُس نے صرف دو درخواستیں پیش  
کیں۔ ایک یہ کہ ”ابراہیم بن مہدی کی خطا معاف کی جائے“ اور دوسری یہ کہ ”  
زبیدہ خاتون کو حج کی اجازت ملے“

خیر مہدی تو دعوائے خلافت کرنے کا مجرم تھا۔ اور اُس کے لئے معافی کی سفارش  
کرنا بھی نہایت ہی مناسب امر تھا۔ مگر یہ نہیں سمجھ میں آتا کہ زبیدہ کو اگر حج کا شوق  
تھا تو خود ہی اجازت کیوں نہ لی؟ معلوم ہوتا ہے کہ مامون زبیدہ کو کسی حال میں اپنے  
پاس سے جدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اور اُسے اتنا بھی گوارا نہ تھا کہ زبیدہ خاتون چند  
روز اُس کی نظر سے دور رہے۔ حج کر آئے۔ خیر ماہوش عجیبہ دولہن کی دونوں دستھیں  
پوری ہوئیں۔ اور اسی سال زبیدہ نے حج کی تیاریاں کر دیں۔ ابن خلکان کے بیان سے  
معلوم ہوتا ہے کہ زبیدہ کے اس حج کا واقعہ مصنفین میں مشہور ہے۔ مگر فوسس کہ  
ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ ورنہ پورے حالات تفصیل کے ساتھ بیان کرتے۔

تاہم اس نہ معلوم ہونے پر بھی اتنا جانتے ہیں کہ زبیدہ خاتون کا یہ حج ہرقی  
دنیا تک یادگار ہے گا۔ اور مسلمان اس عہد سیہ خاتون کے احسان سے کبھی  
سنبھل و ش نہ ہو سکیں گے۔ ارض بطحار میں اور اپنے اجداد کے اصلی وطن میں  
اُسکے زبیدہ نے جو اور فیاضیاں کی ہیں سب ایک طرف اکیلی۔ یہ ایک فیاضی کہ  
اُس نے مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں ایک ایسی نہر جاری کرادی جو ہمیشہ اور ہر موسم  
میں جاری رہتی ہے۔ ایسی یادگار ہے۔ جس کی جہان تک قدر کی جائے۔ کم ہے۔

عرب کا ملک جس میں کبھی کبھی پانی کا ایک ایک قطرہ انسان کی جان سے زیادہ قیمتی ہو جاتا ہے۔ اور جہاں چاہے کیسی ہی نہر لائی جائے اُس کے پانی کو خشک اور قتل زمین پنی جاتی ہے۔ ایک چشمہ کا ہیضہ اور کیسانِ شان سے جاری رہنا ایسا عجیب امر ہے جس پر جہاں تک حیرت کیجائے کم ہے۔ اور جسے اگر زبیدہ کی زندہ کرامت کہا جائے تو شاید بیجا نہ ہو گا۔ حاجیوں سے سنتے ہیں کہ یہ نہر دجلہ سے کھود کے لائی گئی ہے۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ کمان و جلد اور کمان مکہ و مدینہ۔ لیکن جب اس بات کا خیال کرتے ہیں کہ دجلہ سے نہیں لائی گئی تو پھر کمان سے لائی گئی ہے۔ تو تھیر دمجو بہ ماننا ہی پڑتا ہے کہ واقعی یہ بغداد کے سوا اور کہیں کی فیاضی نہیں ہو سکتی ہمارے خیال میں یہ نہر اس قابل ہے کہ اس کا شمار دنیا کے عجائبات میں کیا جائے۔ بلکہ موجودہ تمام عجائبات میں یہ نہر انسانی کمال کا سب سے زیادہ مکمل اور خیر ناک نمونہ ہے۔ اس نہر کے جاری ہونے سے پیشتر مکہ معظمہ میں آنا پانی جتنا کہ ایک دفعہ میں پیا جاسکے ایک دینار یعنی ایک اشرفی کو ملتا تھا۔ یہ صرف اسی نہر کی برکت ہے کہ آج حاجی مکہ معظمہ میں اُسی آسانی سے سیراب ہوتے ہیں جس آسانی سے کہ ہندوستان میں لوگ گنگا کے کنارے سیراب ہو کرتے ہیں۔ علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ اس نہر کے لانے میں دنش میل کی مسافت بڑی محنتوں سے قطع کی گئی ہے۔ ایسے کہ پہاڑ کاٹے گئے۔ بڑی بڑی چٹانیں توڑی گئیں۔ تو یہ نہر مکہ تک لائی جاسکی۔ پھر اس نہر کے لانے کے ساتھ یہ امر اور زیادہ حیرت ناک ہے کہ اُسے کھدے ایک نہر ایک سو دنش برس ہو گئے۔ اور بغیر اس کے کہ کسی قسم کا فتور آتے آج تک حاجیوں کو اسی طرح سیراب کر رہی ہے۔ اس عربیہ ملک کی یہی خوبی اور یہی زندگی بخش یادگار ہے جس کا خیال فرما کے سعدی کہتے ہیں۔

نہ مثل زبیدہ بہا ہر یوہ

واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ زبیدہ اپنی شان کے مناسب نہایت ہی فہم  
 و سیر شہم ملکہ تھی۔ ایک مرتبہ اپنا ایک باغ بنوا رہی تھی۔ داروغہ نے آکے کہا اس  
 میں بڑا صرف ہوگا۔ بولی۔ میں جانتی ہوں۔ مگر کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر ضرور بچاؤ  
 کی ہرچوٹ پیچھے ایک اشتر فی ماٹلین تو بھی مجھے دینے میں تامل نہ ہوگا۔  
 ایسی نیک نفس اور آل ہاشم کی عصمت آب خاتون کی جانب جب ہم بہت  
 سے بیہودہ اور بے اصل قصوں کو منسوب دیکھتے ہیں تو ہمیں افسوس معلوم ہوتا ہے  
 سوزین اس کی دینداری کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ سو پڑھی لکھی لونڈیاں جن میں  
 سب کی سب قرآن مجید کی حافظ تھیں۔ اس کے محل میں صرف اس امر پر مامور  
 تھیں کہ قرآن مجید کی خوش الحانی کے ساتھ تلاوت کیا کہیں۔ ہر لونڈی پر فرض  
 تھا کہ تین پارے روز ضرور پڑھے۔ ان کے باری باری پڑھنے سے تلاوت قرآن کا  
 سلسلہ ہر وقت قائم تھا۔ اور زبیدہ کے محل میں ہر وقت شہد کی مکھڑوں کی بھنبھناہٹ  
 کی طرح ایک گونج کی آواز سننی جایا کرتی تھی۔

حج سے واپس آنے کے چھ ہی برس بعد ۳۱ھ میں اس نے انتقال کیا۔  
 اور خاک بغداد میں دبا دی گئی۔ انا بعد وانا الیہ راجعون \*

## اُمّ الخیر رابعہ بصریہ

مسلمانوں میں بہت کم لوگ ہوں گے جو جناب رابعہ کے مبارک نام سے وقف  
 نہ ہوں اس نام کو مقبولیت عام اور لوگوں کی حسن عقیدت نے یہاں تک شہرت  
 دی کہ آج مسلمان گھرانوں میں اکثر خاتونوں کا نام رابعہ رکھا جاتا ہے۔ عابدہ و زہرہ



عورتوں کی تعریف میں یہ رابعہ زمانہ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر باوجود اس شہرت اور زندگی جاوید کے شاید شاید ذوناور ہی کوئی جانتا ہو گا۔ کہ جناب رابعہ تھیں؟ کہاں تھیں؟ کب تھیں؟ اور ان کے کیا حالات ہیں؟

آپ کے والد کا نام اسماعیل تھا۔ خاک بصرہ کو آپ کا وطن ہونے پر ناز و فخر ہے۔ اور چونکہ عرب کے قبیلہ بنی عدی سے علاقہ رکھتی تھیں جس میں حضرت عمر فاروق بھی تھے۔ لہذا بصریہ کے ساتھ عدویہ بھی کہلاتی تھیں۔ آپ کے خاندان نے گردش زمانہ سے ایسا افسوسناک انقلاب دیکھا کہ آزادی ہاتھ سے لہو کے غلامی میں مبتلا ہوا۔ اور اسی سبب آپ کی نسبت بصریہ و عدویہ ہونے کے ساتھ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ آپ آل عیتک کے گھرانے کی لونڈی تھیں۔ مگر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ خود لونڈی نہ ہی تھیں۔ یا آپ کی ولادت سے پیشتر خاندان کو جو ذلت نصیب ہوئی تھی۔ لیکن سچ کہا ہے۔

ہزار بار جو یوسف کے غلام نہیں

آپ کا زہد اتنا۔ آپ کا علم و فضل۔ اور آپ کی خدا پرستی و پرہیزگاری اس قدر غالب آئی اور یہاں تک مشہور ہوئی کہ زمانہ اس دنیاوی ذلیل عیب کو بھول گیا۔ اور ہر دل ذوق و شوق سے آپ کی تعظیم و تکریم کرتا ہے۔ جس گناہی اور بے پروائی کا پردہ تمام خاتونان قوم کے حالات پر پڑا ہوا ہے اسی نقاب میں آپ کا روشن و نورانی چہرہ بھی ہمیں چھپا نظر آتا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ آپ کس سن میں پیدا ہوئیں۔ کیونکہ اور کس حالت میں ولادت ہوئی۔ اور کس طرح آپ نے وہ بزرگی و فضیلت حاصل کی۔ جس کی بدولت اسلام آج تک آپ کے نام کا ادب کر رہا ہے۔ ہمیں جو کچھ بتایا گیا ہے صرف اس قدر ہے کہ اپنے عہد کے ممتاز و نمایاں لوگوں میں تھیں۔ زہد و عبادت بے نفس و نفس کشی کی کوئی حد نہ تھی اہل تصوف کا سلاہ

وجذب آپ کے دل میں تھا۔ لہذا الدجل شانہ سے دعا بھی کرتین تو اس وضع اور اسی طریقے سے جو صوفیوں اور فلسفہ الہی کے رمز شناسوں کے ساتھ مخصوص تھا۔ مناجات میں درگاہ رب العزت میں اکثر یہ دعا فرمایا کرتی تھیں ”اَللّٰہی تَحَرِّقْ بِالنَّارِ قَلْبًا یَجْتَنِّکَ“ خداوند ارحم دل میں تیرا عشق ہے اُسے آگ میں جلا کے خاک کر دے، آخر ایک دن اُسی غیب کی آواز نے جس نے حضرت موسیٰ سے ”اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ“ کہا تھا۔ جناب رابعہ کی اس دعا کے جواب میں کہا ”ہم ایسا نہیں کرتے۔ اور ہم سے ایسا بُرا گمان نہ رکھو“

جناب رابعہ اور سفیان ثوری میں باہم ربط و ضبط تھا۔ اور وہ کبھی کبھی اس نیک اور خدا کے عشق میں ڈوبی ہوئی خاتون کی صحبت میں شریک ہو کر تے تھے یہ بیان ممدوح بھی اسلام کے دور اولین کے اُن گران پایہ بزرگوں میں ہیں جن کی دست سے تمام دینی علوم حضرت رسالت سے ہم تک پہنچے ہیں۔ اور بڑے باخلاص قبول روزگار لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ ایک دن بیٹھے بیٹھے اُن کی زبان سے نکل گیا۔ ”اُحْزَنَّاہُ“ (افسوس غم نہیں چھوڑتا) یہ سنتے ہی جناب رابعہ اولین و سفیان جھوٹ نہ بولو تمہیں تو کہنا چاہیے ”واقلمہ حُزْنَہُ“ افسوس ہمیں کتنا ٹھوڑا غم ملا ہے) اگر غم ہوتا تو تمہیں دم مارنے کی بھی مجال نہ ہوتی یا یہ ایسا جواب تھا جس کے بعد یقیناً حضرت سفیان کو قائل اور منبتہ ہو کے خموشی ہی اختیار کر لینی پڑی ہوگی رابعہ بصریہ اکثر فرمایا کرتی تھیں کہ میرے جو اعمال نیک ظاہر ہو جاتے ہیں انہیں میں شمار ہی نہیں کرتی۔ یعنی کالعدم خیال کرتی ہوں۔ اور واقعی ان پاک نہاد و پارسا بی بی کے حالات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ریاکاری سے بچنے کی وہ سب سے زیادہ کوشش کرتی ہیں۔ جس اخلاقی مرض سے متقی و پرہیزگار لوگ بہت ہی کم بچ سکتے ہیں۔ وہ خود ہی اس برائی سے نہیں بچتی تھیں۔ بلکہ اور لوگوں کو بھی اس

عیب سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتی تھیں۔ ہر شخص اوس پر کہ دوسرے اُن کی عیال نصیحت تھی کہ بد جس طرح اپنے گناہوں اور عیبوں کو چھپایا کرتے ہو اسی طرح اپنی نیکیوں اور اپنے بھلے کاموں کو چھپایا کر دو۔“

جناب رابعہ کی اتفاق پر ہیز گاری کا سب سے بڑا نمونہ یہ ہے کہ آخرین اہل حق نے بات کرنا چھوڑ دی تھی۔ اور جب کبھی کسی سے شدید ضرورت کے وقت بات کرتے بھی تو صرف قرآن پاک کے فصیح و مبارک الفاظ میں ایک مرتبہ حج سے واپس آتے وقت کسی ریگزار میں تنہا پڑی رہ گئی تھیں۔ عبداللہ بن مبارک یا کوئی اور بزرگ ملے۔ اُن سے اول سے آخر تک اس نیک خاتون نے صرف قرآن کی آیات ہی کے ذریعے سے گفتگو کی۔ اور اس کمال کے ساتھ کہ اپنا گھر بار اور تمام حالات و واقعات قرآن ہی پڑھ پڑھ کے ظاہر کر دیئے۔ یہ قصہ اخلاق کی کتابوں میں تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔ لہذا اُس کے مکرر بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسی قصہ میں جناب رابعہ نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ وہ اپنے ہر مافی الضمیر کو قرآن کے الفاظ میں اس لئے ظاہر فرماتی تھیں کہ انسان کی زبان سے جو لفظ نکلتا ہے۔ اُسے کا تباہ اعمال لکھ لیتے ہیں۔ لہذا جب سوا قرآن کے کوئی کلمہ زبان ہی سے نہ نکلے گا تو انہیں سوائے ان کی کوئی برائی لکھنے کو ملے گی نہیں۔ یہ ہے اتفاق اور یہ ہے ہیز گاری جس کو ایک نیک نفس خاتون نے اس اعلیٰ کمال پر دکھایا جو کمال کہ شاید مردوں میں سے کبھی کسی کو نہ نصیب ہوا ہو گا۔

عبدہ بنت شوال ایک نیک خاتون اور خدا کی پاک بندی تھیں۔ انہیں جناب رابعہ سے بڑی محبت تھی۔ اور شب و روز انہیں کی خدمت گزاری میں مصروف رہا کرتی تھیں۔ وہ اپنی پاک باطن و نیک سیرت محذومہ کے حالات میں فرماتی ہیں کہ ساری رات اللہ جل شانہ کی عبادت اور قیام و رکوع و سجود ہی میں صرف

کر دیا کرتی تھیں۔ مگر چونکہ تمام شب علی الاتصال عبادت کرنا سنت نبوی اور حضرت رسالت کے طریقہ عمل کے خلاف تھا۔ لہذا سفیدہ صبح کے نمودار ہوتے ہی جانناڑ پر لیٹ جاتیں۔ مگر هنوز ننودگی نیند کے درجے تک نہیں پہنچنے پاتی کہ پھر اٹھ بیٹھتیں۔ اور اپنی اتنی غفلت پر بھی نہایت ہی خائف نظر آتیں۔ عہدہ فرماتی ہیں۔ میں روز اس وقت انھیں اکثر یہی کہتے سنتی کہ ”اے نفس! کتنا سوئے گا اور کب تک سوئے گا؟ قریب ہے کہ تو اس نیند میں سو جاتے۔ جس سے سوائس روز کے جب آواز صُورس کے مردے قبروں سے اٹھیں گے کیسی آنکھ کھلنا نصیب ہی نہ ہو گا، الغرض مرتے وقت تک اُن کا یہی مہول رہا۔

سچ یہ ہے کہ جن پاک نفس اور صادق الیقین لوگوں کو بغیر کی ترغیب و ترہیت کا کامل یقین ہو جاتا ہے۔ اُس عالم کے حالات گو یا مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ اور جزا و سزا کی سچی تصویرِ نظر کے سامنے جم جاتی ہے۔ انھیں اس دنیا کی کسی سرت اور زندگی کے کسی لطف میں کبھی مزا نہیں آ سکتا۔ انھیں ہر راحت طلبی، تھکن اور ہر عیش سے دوچار ہوتے ہی انجام کی حالت یاد آ جاتی ہے۔ اور فوراً ان مسلم دنیوی مستروں کو چھوڑ کے نجاتِ اخروی کی فکر میں پڑ جاتے ہیں۔ یہی حالت جنابِ رابعہ کی تھی۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ انھیں کسی دنیاوی مسترت کی طرف متوجہ ہونے کا موقع ملتا۔

آخر حوالہ میں اول بعض لوگوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدہ میں وصال کا وقت آگیا۔ مرض موت میں مبتلا ہوئیں۔ اور اگرچہ بیماری نے بہت کچھ متایا ہو گا مگر کسی کو بلا کے پریشان کرنا نہ گوارا کیا۔ عہدہ جو مدت بائیس دراز سے خدمت کرتی رہی تھیں۔ انھیں کی طرف متوجہ ہو کے بستر مرگ پر پڑے پڑے یہ وصیت کی کہ ”عہدہ میری درت سے کسی کو تکلیف نہ دینا، یہ تھی سچی

اور کامل شان بے یانی کہ مرتے وقت بھی نہیں چاہتین کہ جنازہ دھوم دھام سے اٹھے۔ اس کے بعد فرمایا وہ اور سنو عبادہ یہی کرتا جو میں پہنے ہوئے ہوں بس یہی میرا کفن ہے۔ ہنلا کے اسی کو پہنا تا۔ اور لے جا کے دفن کر دینا، یہ سید صاحب زاد اور بونا جھوٹا کرتا بالون کا یعنی کبل کا بنا ہوا تھا نہ یہ گر بلا کا کفن تھا۔ اور نہ زمزم کے پانی میں دھویا گیا تھا۔ مگر ٹان۔ اسے یہ سب سے بڑی فضیلت حاصل تھی کہ اسی کو پہن کے عبادت۔ شب بیداری اور یاد آہی کرتے کرتے ایک مدت گزر گئی تھی لہذا اُس مرحومہ کے تقدس و زہد کا اس سے بہتر کوئی گواہ نہ ہو سکتا تھا۔ غرض عہدہ نے انھیں اُسی کرتے میں دفن کیا۔ پھر سال بھر کے بعد ایک دن خواب میں دیکھا تو اس شان سے کہ نہایت ہی پر تکلف سندس دستہ بقی کے طے پہنے ہوئے ہیں۔ پوچھا، اسے بنی رابعہ وہ کسلی کا کرتا کیا ہوا؟، جواب دیا ادب خدا نے اُس کے عوض مجھے یہ کپڑے پہنا دیئے ہیں۔ اور پھر تو کوئی چیز ہی نہیں۔ خدا کے دوستوں کے مراتب و مدارج تم بیان آکے دیکھو تو معلوم ہوں کہ کیا ہیں۔ اور کیسے کیسے ہیں، عہدہ نے پوچھا، اچھا بتائیے عبیدہ بنت ابی کلاب کس حال میں ہیں؟، یہ بھی اُس عہدہ کی ایک نیک خاتون تھیں۔ رابعہ نے کہا وہ فضیلت اور تہ زین ہم سے بڑھ گئیں، پوچھا، کیوں؟، کہا اس لیے کہ انھیں اس کی بالکل پرواہ نہ ہوتی تھی کہ دنیا میں کیسی گزر رہی ہے۔ بس ان کی یہی بے نفسی خدا کو پسند آگئی،

## رابعہ شامیہ

رابعہ بصرہ جن کو عرب کے قبیلہ بنی عدی سے تعلق تھا۔ اُن کے حالات ارس سے قبل کے صفحے رونق پا چکے ہیں۔ اب ہم اسی نام کی ایک اور صاحبہ اور ذوی علم و ذی فضل خاتون کے حالات سے پبلک کو مطلع کرتے ہیں تاکہ لوگ دیکھیں کہ عورتوں میں کیسی کیسی خدا شناس۔ دیندار۔ اور صاحب علم و فضل بیبیاں گزری ہیں۔

ایک نیک نفس اور ستودہ صفات بی بی کانسب اور اُن کا صحیح زمانہ تو ہمیں نہیں معلوم ہو سکا۔ مگر اُن اس امر میں سب کو اتفاق ہے کہ وہ بڑی بارسا و پاک طینت اور عابدہ و زاہدہ تھیں۔ علوم ظاہری کے علاوہ مراحل حقیقت اور ادراج عرفانی طے کر کے وہ اس درجے پر پہنچ گئی تھیں کہ بہت سے لوگوں نے اُن کے شمع ہدایت سے اپنے چراغ جلائے۔ اور اُن سے بہت سی کرامتوں کو ظاہر ہوئے دیکھا۔ معمولاً اُن کی یہ حالت رہتی کہ خداوند جل و علے کے عظمت و جلال کے خیال سے خائف رہتیں اور دل ہی دل میں کانپا کرتیں۔ پھر اسی حالت میں جب عشق الہی کے جذبات میں جو شش پیل ہوتا تو یہ اشعار پڑھا کرتیں۔

عَلَّیْبُ لَیْسَ بَعْدَ صَبِیْبٍ      وَ مَالِیْوَ اَہُ قَسْبِیْ لَصِیْبٍ

وہ ایسا حبیب ہے کہ اور کوئی حبیب اُس کا سانہیں ہو سکتا۔ اور اُس کے سوا اور کسی کو میرے دل میں جگہ نہیں مل سکتی۔

صَبِیْبٌ نَابِ عَنْ بَصْرِی وَ شَخْصِی      وَ لَکِنْ عَنْ فِرَاوِی مَالِیْوَ

اور وہ ایسا حبیب ہو کہ میری نظر کے سامنے سے تو غائب ہے۔ لیکن دل میں سے نہیں جاتا۔

مگر باوجود اس خدا ترسی اور اس معرفت اور حقیقت شناسی کے اس پاک خاتون میں وہ رہبانیت نہیں پیدا ہونے پائی تھی جو اکثر عباد و زہاد میں نفس کشی کرتے کرتے پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جس کی بدولت وہ اکثر اسلامی تعلیمات سے دور جا پڑتے ہیں اُن کے پہلے شوہر انتقال کر چکے تھے۔ قرآن کا وہ تاکید ہی حکم جو یہ وہ عورتوں کے عقد کے متعلق ہے یاد آیا۔ اور آمادہ ہوئیں کہ کسی نیک نفس عالم اور دیندار فاضل سے نکاح کر لیں۔ احمد بن ابی الحواری اُن دنوں علمائے گران پایہ میں شمار کیے جاتے تھے۔ اور مرجع اُمت بنے ہوئے تھے۔ انھیں سے نکاح کی خواہش کی۔ علامہ مذکورہ کو اُبتداء ایسی نیک نہاد خاتون کی درخواست کی قدر نہ ہوئی۔ جو اب دیا دین اپنے حال میں اس قدر مبتلا ہوں کہ متماہل ہونے کی فرصت ہی نہیں با با بے نے یہ انکار ہی جواب سُن کے کہلا بھیجا دوزخ کی قسم میں آپ سے زیادہ اپنے حال میں مبتلا ہوں۔ یہ جو میں نے عقد کی درخواست کی اس سے میری غرض خواہش نفس نہیں ہے۔ بلکہ صرف یہ چاہتی ہوں کہ پہلے شوہر میرے پاس جو بہت کچھ مال و دولت چھوڑ گئے ہیں۔ اُسے آپ کے سپرد کر دوں تاکہ آپ مناسب دیکھ کے خدا کے نیک بندوں اور فقیروں پر اُسے صرف کریں۔ اور میری آپ کے ذریعہ سے اولیاء اعدا اور خدا کے دوستوں تک رسائی ہو یہ جواب سُن کے شیخ ابن ابی الحواری اپنے اُستاد ابوسلیمان دارانی کے پاس دوڑے گئے۔ اُن سے ساری سرگزشت بیان کی۔ اور کہا دو آپ کیا فرماتے ہیں۔ میں اس خاتون سے عقد نکاح کروں یا نہ کروں؟ اُستاد نے اجازت دی اور راضی ہوئے۔ اور ساتھ ہی جناب رابعہ شامیہ اُن کی پاک نہاد بی بی بن گئیں۔ مگر ہمیں خیر ہے کہ ارض شام میں نہ کہا نہ ڈولی ہے نہ

فمنہ ہے۔ یہ نیک بی بی بغیر ہندوستانی مذاق کی بے عزتی گوارا کئے اپنے علامہ وقت شوہر کے گھر میں کیونکر آئی ہونگی ؟

اب جناب رابعہ عبادت الہی کے علاوہ اپنا سارا وقت شوہر کے خوش کرنے اور اُن کو راحت پہنچانے میں صرف کرتی تھیں۔ چنانچہ خود امام مذکور کو استمراض ہو کر وہ میرے لئے طرح طرح کی غذائیں پکاتیں۔ میرا لباس درست کرتیں پکڑدن میں عطر لگاتیں۔ اور اس طرح مجھے آراستہ کر کے کہتیں کہ اپنی بی بیوں کے پاس جاؤ۔ اور جن بی بیوں کے پاس بھیجتیں اُن کی یہ سرگزشت تھی کہ جناب رابعہ کے عقد سے پہلے صاف معلوم ہوتا ہے کہ علامہ احمد ابن ابی الحواری کی کوئی اور بی بی نہ تھی۔ خود انھوں نے بی بی بننے کے بعد اُن کے تین اور نکاح کرائے تاکہ وہ خوش رہیں۔ اور یہ نہ خیال کریں کہ وہ اُن کے آرام اور حظوظ میں خلل انداز ہونا چاہتی ہیں۔ اگر غور سے دیکھو تو اس سے بڑی کوئی نفس کشی نہیں ہو سکتی۔ اگر کسی عورت کے دل کی اُس وقت کی حالت دریافت کرنی ہے جب اُس کا شوہر کسی اور سوت کو لگے گھر میں بٹھا دے تو مردوں کے دل کو اُس وقت دیکھو اور ٹٹولو۔ جب انھیں معلوم ہو کہ اُن کی جو دوست کسی اور سے تعلق ہے۔ ایسے وقت کے جوش کے دبائے سے زیادہ کوئی نفس کشی نہیں ہو سکتی۔ مگر چونکہ مرد کے لئے شرعاً چار بی بیان جائز ہیں۔ لہذا رابعہ نے خود ہی تین بی بیان اپنے شوہر کے پاس بڑی خندہ پیشانی سے لاکے بٹھادیں۔ اور اسی قدر نہیں بلکہ شوہر کو اُن کی صحبت کے لئے روز بنایا چایا کرتی تھیں۔ دیکھو ویسا ہے عورتوں کا نفس۔ اور ایسی ہے اُس کی وفاداری جس کا شکریہ درکنار ہمارے وطن کے ناحق شناس مردائے شکایت کیا کرتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جو عورت کے ان حقوق کا شکر گزار نہ ہو وہ خدا کی نعمتوں کا بھی شکر گزار نہیں ہو سکتا۔

اس بارے میں رابعہ ممدوحہ کا صبریں تمدد بڑھا ہوا تھا کہ سننے والوں کو حیرت



ہو جاتی تھی چنانچہ وہ ایک دفعہ اپنے اُستاد طریقت حکیمہ و مشقہ کے پاس گئیں، جو اُس دور کی ایک اور بڑی عالمہ و فاضلہ اور دیندار و خدا شناس خاتون تھیں اور بہت بڑی عارفہ رموز طریقت مانی جاتی تھیں حکیمہ اُس وقت تلاوت قرآن میں مشغول تھیں۔ رابعہ کو دیکھ کے پوچھنے لگیں ”میں نے سنا ہے تمہارے شوہر احمد بن ابی الحارثی کوئی اور نکاح کرنے والے ہیں؟“ اس وقت تک اُن کا کوئی اور نکاح نہیں ہوا تھا، رابعہ نے کہا ”جی ہاں اُن کا ارادہ تو ہے“ حکیمہ نے حیرت کے لمحے میں کہا ”ایک عقلمند شخص اپنے نفس کو خدا کی طرف سے ہٹانے کے دو عورتوں کی طرف کیوں مگر مشغول کر سکتا ہے؟“ اس کے بعد انھوں نے قرآن کی وہ آیت جو تعدد ازواج کے متعلق ہے پڑھی۔ اور بہت ہی تشریح و بسط سے اُس کا مطلب بیان کیا۔ جو غالباً وہی ہوگا جو آج کل کے محققین کہتے ہیں کہ اگر عدالت نہ کر سکے تو ایک ہی عورت پر کفایت کرے، لیکن اپنی خدا شناس اُستانی کے اس قول کی رابعہ نے کچھ پرواہ نہ کی اور ان کے بعد والے نکاحوں میں شکوہ کی یہاں تک شیدا بن گئیں کہ انھیں دوسری بی بیوں کے لئے آراستہ کیا کرتی تھیں +

## مُضغہ - مخہ - زبدہ

اسلام کے دورِ اولین کے متقی و پرہیزگار اور عابد و زاہد لوگوں میں ایک حضرت بشر حافی تھے جن کا نام صاحبِ ورع و تقویٰ لوگوں اور خاصۃً صوفیہ کی جماعت میں بہت مشہور ہے۔ یہ تینوں پاک نفسِ فلائین انھیں کی عابدہ و زاہدہ اور پاک

پاک یرت بہنیں تھیں۔ حافی عربی میں برہنہ پا کو کہتے ہیں۔ بشر چونکہ اللہ کے پاؤں  
 رہا کرتے تھے۔ لہذا حافی کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ بلکہ ایک دن یہ اتفاق پیش آیا  
 کہ معافی بن عمران نام ایک بزرگ سے ملنے کو گئے۔ اور دروازے پر جا کے زنجیر ملائی۔  
 پوچھا گیا کون؟ جواب دیا بشر حافی۔ یہ جواب سن کے اندر سے ایک لڑکی بولی: اگر  
 آپ دو چار آنے صرف کر کے ایک جوڑا جو تے کا مول لے لیتے تو پھر کوئی آپ کو  
 حافی نہ کہتا۔“

بہر حال حافی اپنے عہد میں نہایت ہی متقی و پرہیزگار مشہور تھے۔ مگر باوجود اس  
 رہ و تقویٰ کے انھیں اعتراف تھا کہ پرہیزگاری میں نے اپنی بہن سے سیکھی۔  
 ان تینوں خاتونوں کے والد کا نام حارث بن عبدالرحمن تھا۔ جو عبداللہ نام  
 ایک شخص کی نسل سے تھے۔ جس نے امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے  
 ہاتھ پر دین اسلام قبول کیا تھا۔ اور واقعی وہ حضرت علی مرتضیٰ ہی کی برکت تھی۔  
 جو ان نیک نہاد خاتونوں۔ اور ان کے بھائی بشر حافی کے کمالات سے ظاہر ہوئی۔  
 ان کا اصلی وطن شہر مرو تھا جس کی سواد میں سترھم ص کے قریب کسی زمانے میں  
 پیدا ہوئیں۔ مگر دینی کشش آخر الامر انھیں اور ان کے بھائی کو کھینچ کے بغداد لے گئی۔  
 جو ان دنوں اسلامی حکومت کے ساتھ دینی برکتوں اور مذہبی کمالات کا بھی مرجع  
 و ماویٰ بنا ہوا تھا۔

جناب مضعفہ تینوں بہنوں میں بڑی تھیں۔ مگر زہد و عبادت اور تقویٰ طہارت  
 میں تینوں بہنیں برابر تھیں۔ اور جس کے حالات کو دیکھتے دو سرون سے بڑھی نظر آتی  
 تھی۔ مضعفہ نے اپنے بھائی کی زندگی ہی میں انتقال کیا۔ اور جب دنیا سے رخصت  
 ہوئیں تو بشر حافی کو بڑا صدمہ ہوا۔ بہت روئے اور کہا: ”میں نے بعض کتابوں میں  
 پڑھا ہے کہ جب کوئی بندہ خداوند جل و علا کی خدمت گزار میں کوتاہی کرتا ہو تو اللہ جل و علا

اُس کے کسی انیس کو چھین لیتا ہے۔ اور دنیا میں میری انیس میری بہن منصفہ تھی معلوم ہوتا ہے کہ بے شک مجھ سے عبادت و اطاعت الہی میں کوئی کوتاہی ہوگی۔

ابو احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبداللہ بیان فرماتے ہیں۔ ایک دن میرے سامنے والد کی خدمت میں ایک عورت آئی۔ اور پوچھا: "اے ابو عبداللہ میں اکثر ماٹو کو چراغ کی روشنی میں بیٹھ کے چرخا کا تا کرتی ہوں۔ مگر کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ چاندنی راتوں میں چراغ گل کر کے ماہتاب کی روشنی میں کاستنہ لگتی ہوں۔ تو کیا ضرورت ہے کہ خریدار کو یہ بھی بتا دیا جائے کہ یہ سوت چاندنی کا کا تا ہوا ہے اور یہ چراغ کی روشنی کا؟" والد نے کہا اگر دونوں سوتوں میں کچھ فرق ہو تا ہو تو بتا دیا کرو، پھر اس نیک بخت عورت نے پوچھا: "اور حضرت مریض جو تکلیف سے کراتا اور آہ آہ کرتا ہے تو اس سے خدا کی شکایت تو نہیں سمجھی جاتی؟" والد نے کہا: "مجھے خدا سے امید ہے کہ یہ کراہنا شکایت نہ سمجھا جاوے گا۔ بلکہ یہ جہاں جائے گا کہ اگر شکایت ہے تو خود حضرت رب الغرت کی درگاہ میں: "یہ جواب پاکے وہ خدا چلی گئی۔ اور والد نے میری طرف دیکھ کے کہا: "بیٹا جس قسم کے سوالات اس عورت نے پیش کیے ہیں۔ ایسے سوالات کبھی کسی آدمی کی زبان سے نہیں سنے۔ اور اچانک دیکھو تو یہ کون خدا کی نیک بندی ہے؟" میں فوراً اٹھ کے اس کے پیچھے روئے ہوا اور جب دیکھا کہ بشر حافی کے مکان میں چلی گئی تو میں نے پہچانا کہ وہ اُن کی مشہور عابدہ و زاہدہ ہمنون میں سے ایک ہے۔ جب یہ حال واپس آ کے جناب والد سے بیان کیا تو انھوں نے کہا بیشک اُن کے سوا اور کوئی عورت ایسی متقی و پرہیزگار نہ ہوتی ہے۔

اسی طرح عبداللہ بن احمد بن حنبل ایک واقعہ جناب محمد کا بھی بیان کرتے ہیں جو غالباً سچائی میں تھیں۔ کہ انھوں نے اُس کے آبا جان سے دریافت کیا کہ "میرا کل بڑا یہ دو دانگ ہے (اُس زمانے کا ایک بہت چھوٹا سکہ) اُس کی روٹی مول لینی ہوں۔

اور اُس کا سوت کات کے نصف درہم کو چھتی ہوں۔ اور اُس کی قیمت میں سے ایک دانگ میں اپنا ایک ہفتہ کاٹتی ہوں۔ اتفاقاً ایک رات کو ایک سواری نکلی جس کے ساتھ مشعل تھی۔ اُس کی روشنی میں میں نے دو پوہیان کات لیں۔ اور اب مجھے اپنے دل پر بار نظر آتا ہے کہ خدا اُس کی بابت سوال کرے گا تو کیا جواب دوں گی۔

مگر مجھے اس تکلیف سے نجات دیجئے، آبا جان نے کہا وہ دونوں دانگ خدا کی راہ میں صرف کر ڈالو۔ اور کوئی سرمایہ نہ چھوڑو اس لئے کہ کل کائنات یہی رقم اُن کے پاس تھی، امید ہے کہ خدا تمہیں اس کے عوض میں اس سے اچھا اور پاک سرمایہ دے گا۔ یہ جواب سن کے مجھے چلی گئیں اور میں نے آبا جان سے کہا آپ نے فراتو زری کی ہوتی۔ اُنھوں نے فرمایا بد بیٹا۔ اس نیک بخت نے سوال ہی ایسے سنوا سے کیا کہ مجھے تاوین کی ذرا گنجائش نہ تھی،

ان نیک نہاد اور پاک دامن خاتونوں کے زہد و اتقا کی جہان تک تعریف کی جائے کم ہے۔ اور موصوفین ان کے ورع اور تقوے کو حیرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ خود بشر حافی کہتے ہیں کہ غذائیں اُنھیں یہاں تک احتیاط تھی کہ ہر چیز کو اُس کی اصلی پیدا شدہ حالت میں کھانے کی کوشش کرتی تھیں۔ اور جس کھانے میں انسان کی کارگیری کو دخل ہوتا اُس سے حتی الوسع احتراز کرتی تھیں۔ چنانچہ اس بات کو حضرت بشر نے بھی اُن سے سیکھ کے اختیار کیا۔ مگر ہاں ہندوستانی شریعت اور انک اس پار کی فقہ میں شاید اُن کی ساری پرہیزگاری اور نیک نفسی خاک میں مل جائے گی۔

کیونکہ گھر کی چار دیواری چھوڑ کے باہر نکلیں اور امام احمد بن حنبل سے آکے باتیں کرنے لگیں جو بالکل نامحرم تھے۔ اور پہچانتے بھی نہ تھے کہ کون ہیں۔ جس کی وجہ سے یہاں کے مذہب میں عورت اسلام کے بھی خلاف کرتی ہے۔ اور شرافت سے بھی وہ بچا جاتی۔

نویسہ سی صدی ہجری کے نصف اول میں ان تیرائی بہنوں کو نیکو نصرت کیا خدا منفرت کرنا اور دانا لکھ

## اُم علی رضی اللہ عنہا

جواب الفرج غیث بن علی صوری کی صاحبزادی اور علامہ تاج الدین بن حسن کی والدہ تھیں یقینہ کے اُن نیک صاحب علم و فضل اور پاک طینت و پاک سیرت خاتونانِ شام سے ہیں۔ جن کی بدولت علم و فضل ارضِ شام سے دیگر ممالک میں پہنچا اور جن کی زندگی اس قابل ہے کہ ہماری ہم وطن خاتونوں کے سامنے علم و فضل اور عصمت و عفت کا ایک سچا نمونہ قرار دے کے پیش کی جائے۔ یہ نیک بیوی اپنے عہد کی فاضلہ بالکمال اور شاعرہ بے مثال تھیں۔ مگر اُن کی شاعری اُس قسم کی نہ تھی جیسی اخلاق کش اور برباد کن شاعری اس دور میں مروج ہے۔ انھوں نے قصائد اور مختلف قطعات کے ذریعہ سے اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ علم ادب میں عورت اگر ترقی کرے تو کس درجہ کمال پر پہنچ سکتی ہے۔

شہرہ کے ماہِ صفیر میں خاص شہر دمشق میں پیدا ہوئیں۔ مگر افسوس اُن کی ابتدائی زندگی کے حالات کا بہت لگانے کی طرف مورخین نے بہت کم توجہ کی ہے۔ وہ ہمیں معلوم ہوتا کہ انھوں نے کیونکر کس طرح اور کن اساتذہ سے علوم ادبیہ و دینیہ اور کمالِ شاعری کو حاصل کیا۔ اور باوجود عورت ذات ہونے کے علم کے شوق نے انھیں کہاں کہاں کی ٹھوکرین کھلائیں۔ ایک زمانے کے بعد اور غالباً جبکہ عمر نے پختگی حاصل کر لی ہوگی۔ ہم انھیں بند گاہ اسکندریہ میں حافظہ سلفی کی صحبت میں پاتے ہیں۔ اہماتِ سلفی ہی کی تحریک سے ہمیں اس عالی مرتبہ فاضلہ کے حالات معلوم ہوئے ہیں جنھوں نے اپنے بعض حوٰشی میں اُن کا ذکر کیا ہے۔ اور بہت کچھ تعریف کی ہے۔

کہتا بڑا خوش نصیب ہے وہ شاگرد جس کی تعریف عینائے دہر استاد اپنی تصنیفوں میں کرے۔ منجملہ اور باتوں کے علامہ مدوح نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ میں اپنے گھر میں گر پڑا اور ایسی چوٹ آئی کہ میری ٹانگ زخمی ہو گئی۔ ایک لڑکی کھڑی دیکھ رہی تھی اُس نے بھیت کے اپنی اوڑھنی میں سے ایک دھتھی پھاڑی اور میرے زخم کو باندھ دیا۔ اس واقعے کا تذکرہ اتفاقاً میں نے تفتیہ سے کیا تو اوس نے عجب ذوق و شوق سے یہ اشعار پڑھے جو خود اُسی کی طبع خدا داد کا نتیجہ ہیں۔

لو و کبرت اسیلُ جدتِ شجَدی عوضاً عنِ خمارِ ملکِ الولیدہ

اگر مجھے موقع ملتا تو اس لڑکی کی اوڑھنی کے عوض خود اپنے گالوں کو لگا دیتی۔

کیفِی ان اقبل الیوم رجلاً سلکت و صرہا الطريق الحمیدہ

اور کیونکر مجھے نصیب ہو کہ آج اُس قدم کو بوسہ دوں۔ جو اپنی زندگی بھر راہِ نیک میں چلتا رہا۔

فاضلہ تفتیہ کو پیدا ہوتے ہی زمانے کا یہ سخت ظلم سہنا پڑا کہ چار ہی سال کی عمر میں یتیم ہو گئیں۔ ہم جیسا کہ بیان کرتے ہیں سلسلہ میں پیدا ہوئیں اور فتنہ میں ان کے والد علامہ ابوالفرج نے جو مشہور علمائے عصر میں سے تھے۔ انتقال کیا۔ غالباً اُس یتیمی ہی نے مصیبت میں مبتلا کر کے بعد علم کے راستوں میں اس پاک خاتون کی بہتری کی ہوگی۔ ایسے کہ دولتِ علم نے فلاکت و مصیبت کا اکثر ساتھ دیا ہے۔

ان دنوں سلطان صلاح الدین فتح بیت المقدس کا زمانہ تھا۔ اور حروب

مسیحیہ کے حملے زور شور سے روکے جاتے تھے فاضلہ موصوفی نے جواب حافظ بنی

کی صحبت سے بہرہ یاب ہو کے یتیم خانے عصر تسلیم کر لی گئیں تھیں۔ اور سخیہ وقت کہلاتی

تھیں۔ سلطان صلاح الدین کے چچا زاد بھائی ملک مظفر تقی الدین عمر کو بدھ میں

ایک مضمیدہ تھا جس کی تمہید شراب کی تعریف سے کی تھی۔ اور بارانِ شیکش کی

صحت کا سین بہت زور دیکے دکھایا تھا۔ اس قصیدے کو جب ملک مظفر نے دیکھا تو مہنس کے کہا: غالباً ششمہ محترمہ کو ان دلچسپی کی صحبتوں کا حال اپنی ابتدائی عمر میں معلوم ہوا ہو گا۔ جب اُس کا یہ جملہ فاضلہ مذکورہ کے گوش گزار ہوا تو ایک دوسرا قصیدہ رزمیہ لکھا جس میں میدان جنگ کی تصویر کینچی تھی اور جانبازی و بہر و آزمائی کے نونے نہایت شان و شوکت سے دکھائے تھے۔ یہ قصیدہ ملک مظفر کے پاس بھیج کے کہلا بھیجا کہ مجھے صحبت شراب کا علم اُسی طریقہ سے حاصل ہوا ہے جس طریقہ سے کہ میں نے عرصہ رزم کی کیفیتیں دریافت کر پائی ہیں، اس قصیدے کو دیکھ کے اور خاتون عفت کیش کا پیام سن کے ملک مظفر کو مذاست ہوئی۔ اور اپنی گستاخی پر بہت شرمندہ ہوا۔

یہیں بالکل نہیں معلوم ہو سکا کہ فاضلہ تقیہ کی شادی کس سن میں ہوئی اور شادی کے وقت وہ کتنی بڑی تھیں۔ مگر ان اتنا معلوم ہے کہ شہرہ میں جبکہ انچاس برس کی عمر ہوگی۔ انھیں اپنے عالم و خدا شناس شوہر فاضل بن سعد اللہ کی دائمی مفارقت کا داغ اپنے سینے پر لینا پڑا۔ یہیں یہ بھی نہیں خبر کہ اُن کے صاحبزادے علامہ تاج الدین کس سنہ میں پیدا ہوئے تھے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ وہ بہت طولانی عمر پا کے سن ۶۷۰ھ میں رگڑائے عالم آخرت ہوئے۔

فاضلہ تقیہ کی عمر ستر سال کی ہوئی اور ۶۷۰ھ میں اُس مرحومہ و جلیلہ عصر فاضلہ نے دنیا کو رخصت کر کے کنج لحد میں عزت گزینی اختیار کی۔ افسوس بوغین کی بے پردائی سے ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ آخر عہد تک مصری میں ہیں یہی اپنے وطن مالوف دمشق میں بھی آئی تھیں۔ لیکن قرین قیاس یہ معلوم ہوتا ہے کہ وفات پانے کے وقت تک ارض مصر میں تھیں۔ کیونکہ ملک شام برائے دنوں سیحی حملہ آوروں کی یورش تھی۔ اور ایک ایک بلالہ کو بجز اس کے کہ اُس غریزی

کے میدان سے دور ہی رہے۔ اور کسی بات میں منہ نظر نہ آیا ہو گا۔ اگرچہ ہم صراحتاً یہ نہیں بتا سکتے کہ انھوں نے کس شہر میں انتقال فرمایا۔ لیکن اتنا ثابت ہے کہ سلسلہ یعنی اپنے شوہر کی وفات کے وقت اور اپنے مرنے سے گیارہ سال پیشتر تک سکندریہ ہی میں تھیں۔ جہاں حافظ سلفی کی صحبت سے انھوں نے علم و فضل حاصل کیا تھا۔

## شہدہ کا تبہ

یہ عالمہ فاضلہ اور فریدہ عصر خاتون علامہ ابو نصر احمد بن فرج بن عمر ابروی کی صاحبزادی تھیں۔ ایران و عراق کے درمیان میں جو سلسلہ کوہ واقع ہے اُس کے قدیم تاریخی شہر دنیور نے جن مشہور روزگار اور قابل فخر روزگرن کو دنیا کے سامنے پیش کر کے چمکایا۔ انھیں میں ایک علامہ ابو نصر ممدوح بھی تھے جو وطن کے لحاظ سے دنیوری اور پیشہ اور ذریعہ معاش کے خاندانی تعلقات کے اعتبار سے ابروی کہلاتے تھے۔ ابر عربی میں سونی کو کہتے ہیں۔ اُن کے اجداد میں کسی نے کسی زمانے میں اس چھوٹے سے آٹھ کاریگری کو ذریعہ معاش قرار دیا تھا۔ جس کی رعایت سے سارے خاندان نے جو دو الکاسب حبیب اللہ، کی بشارت سن چکا تھا ابروی کے لقب کو شعار خاندانی قرار دے لیا۔ بعد اذکی خاک اُن دنوں علماء و فضلاء اور ہر قسم کے بالکالوں کے مقابلے میں ایک پر زور مقناطیس کا اثر رکھتی تھی۔ جہاں اس کشش نے اور بہت سے کالمین فن کو اپنی طرف کھینچا وہاں علامہ ابو نصر کو بھی کھینچ کے اپنے آغوش میں لے لیا۔



یہاں غالباً چند ہی روز قیام کیا تھا کہ تقریباً ۸۲۷ھ میں اُن کی پاکدامن بی بی کے بطن سے شہدہ پیدا ہوئیں۔ جن کے لئے زمانے نے بہت سی علمی اور ناموس کی خزانے مقرر کر رکھے تھے۔ فاضل عصر باپ کی تعلیم و تربیت نے چند روز میں اس درجے اور اس رتبے کو پہونچا دیا کہ مورخین اس عصمت مآب اور فاضلہ بے ہمتا خاتون کو فخر النساء کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ اور اُن کا شمار علمائے نامدار اور فضلاء کے گران پایہ میں کیا گیا ہے۔ اکثر طلباء علم و فضل کے شوق میں کتابت کی طرف سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اور لکھنے کی اتنی مشق نہیں کرتے کہ خط درست ہو۔ مگر جناب شہدہ نے پدر بزرگوار کی مدد اور آرزو خیالی کی تعلیم سے اپنا خط ایسا درست کیا کہ تحریر دیکھنے کے لوگ عیش عیش کرتے تھے۔ لکھتی نہ تھیں بلکہ موتی پر دتی تھیں۔ اور اسی وجہ سے مورخین جہاں انھیں عالمہ و فاضلہ کے معزز و قابل فخر اوصاف سے یاد کرتے ہیں۔ وہاں انھیں کاہلہ کے خطاب سے بھی شہرت دیتے ہیں۔ اور بیان کرتے ہیں کہ اس نیک خاتون کا خط نہایت شیریں۔ پاکیزہ اور پسندیدہ تھا۔ اس فاضلہ روزگار خاتون کی خوش نصیبی سے بغداد میں اُن دنوں ہندوستان کا سا پردہ اور مردوں میں یہ جنون کے درجے کو پہونچا ہوا دم نہ تھا۔ مگر باپ کی محبت علم سے پورا نفع اٹھانے کے بعد انھیں دیگر مدرسوں اور درس گاہوں میں جانے اور نامحرم اساتذہ عصر کے آگے زانوئے شاعر دی تہہ کرنے کا موقع مل گیا۔ پہلے ابو الخطاب نصر بن احمد بطروانی کے حلقہ درس میں گئیں۔ اور وہاں کی طرز تعلیم کے مطابق متبحر استاد کے پُر مغز لکچر سنے کچھ اسی ایک درس گاہ پر نہیں سہی۔ اس عہد کے قریب قریب کل سرحدہ ناسے علم و فضل پر پہونچنے کے وہ سیراب ہوئے۔ ابو عبد اللہ حسن بن احمد نعمانی۔ ابو الحسین احمد بن عبد اللہ اور بن یوسف اور فخر الاسلام ابو بکر محمد بن احمد شاشی۔ یہ تمام وہ گردون و کنار اور ذی فضل و ذی علم اساتذہ ہیں۔

جن کے آگے زانوئے شاگردی تہہ کرنے کا فخر فاضلہ شہدہ نے حاصل کیا۔ جن کی شاگردی کی۔ جن کے دینی و علمی کچھ سنے اور جہان تک ہم پتہ لگا سکتے ہیں۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب بزرگوار نامحرم تھے۔

اسے مارج طے کرنے بمصیبتیں جھیلنے۔ ایک ایک کے آگے کتاب کھولنے کی یہ برکت تھی کہ چند روز بعد شاگردی اور طالب علمی کے حلقے سے نکل کے عنایت کی مسند اور استاد سی شہ نشین پر جا بیٹھیں۔ اب وہ دور گزر گیا تھا۔ جبکہ وہ علم کی شمعوں پر پردانے کی طرح دوڑتی تھیں۔ بلکہ خود شمع علم بنی ہوئی تھیں۔ اور چاروں طرف سے طلبہ اور شائقین علم و فضل کا اُن کے گرد۔ اور اُن کے دروازے پر ہجوم تھا۔ نام شہرت کے پروں سے اُن کے دُور دور پہونچا۔ اُن کے بحر و کمال علمی کا ہر جگہ چرچا ہوا۔ اور سب طرف سے طالبان علم آنے لگے۔ اب وہ نہایت فصاحت و بلاغت و علوم و دینیہ اور نکات حکمیہ پر لکچر دے رہی تھیں۔ اور طلباء اُن کی مبارک زبان سے سن سن کے اور اُن کی بارگاہ علم سے سندین حاصل کر کے ہر طرف جاتے اور اُن کی تروا سے احادیث و علوم کو دنیا میں پھیلاتے تھے۔ اور اسی وجہ سے مورخین و عوام نے کرتے ہیں کہ فاضلہ شہدہ اُس پائے کی عالمہ تھیں کہ بزرگوں کے فیوض علمی اُن کے ذریعے سے بعد والوں میں پہونچے۔ اور روایات حدیث میں وہ ایک کڑی تھیں جن نے نیچے والوں کا سلسلہ اوپر والوں سے بلا دیا۔

جناب شہدہ کے متقی و پرہیزگار اور صاحب علم و فضل والد جن دنون بغداد میں درس دے رہے تھے۔ اور شب دروز زہد و اتقا میں مصروف رہتے تھے۔ ایک لائق طالب علم نے جو علی بن محمد بن یحییٰ کے نام سے یاد کیے جاتے تھے۔ علامہ ممدوح سے علم و فضل حاصل کیا۔ ذہانت و ذکاوت کا جو ہر دکھایا۔ اور اس کے علاوہ تمام طلبہ زیادہ فرید عصر اُستاد کی خدمت و اطاعت کی مثل مشہور ہے ع

ہر کہ خدست کرد او مخدوم شد

یہی بے نفسی و سعادت مندی گران پایہ اُستاد کے دل میں ایسا اثر کر گئی کہ لائق دہو ہوتا  
شاگرد سے محبت کرنے لگے۔ اور چند روز میں اپنی فاضلہ عصر لخت جگر اور عصمت مآب  
بیٹی شہدہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھ میں دے دیا۔ الغرض اس طریقے سے جناب شہدہ علی  
بن محمد کی بی بی بنیں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ فاضلہ شہدہ کا عقد کس سن میں اور کس عمر  
میں ہوا۔ مگر یقیناً بیس برس سے زیادہ عمر نہ ہوگی۔ اسلئے کہ شادی کے بعد ۲۴ جمادی  
الاول سنہ ۸۵۷ ہجری میں جب اُن کے والد ماجد ابو نصر احمد کا انتقال ہوا ہے اُس  
وقت اُن کی عمر تقریباً بائیس سال کی تھی۔ اور اُن کے شوہر اُن سے گیارہ برس بڑے  
تھے۔ کیونکہ وہ سنہ ۸۵۷ میں پیدا ہوئے تھے۔

علی بن محمد نے اول تو خود ہی اُستاد کی جوتیان سیدھی کر کے اور سعادت مندی  
کے جوہر دکھا کے بہت کچھ علم و فضل حاصل کر لیا تھا۔ اب شہدہ کا تہہ کی سی فاضلہ  
عصر اُستاد زادی کو مونس و ہمدم اور رفیق زندگی بنا کے ترقی کی دنیا میں قدم بڑھاتا  
شروع کیا۔ جس میں یقیناً سب سے زیادہ دخل عالی مرتبہ بی بی کی صلاح نیک اور  
ہمدردی و ہم آہنگی کو تھا۔ شادی کے تھوڑے ہی دنوں بعد ابو نصر احمد کے اُس شاگرد  
رشید نے ادب و انشا اور شاعری و سخن سنجی میں اپنے آپ کو اس قدر ممتاز کیا کہ تقدیر نے  
یادری کر کے خلیفہ بغداد و مقتفی الامر احمد کے دربار میں پہونچایا۔ اور اس کے تھوڑے  
زمانے کے بعد جو دیکھا تو وہ طالب علم بغداد کا ایک رئیس اعظم۔ رکن رکن اور علی بن محمد  
کے محض ثقۃ الدولہ کے خطاب سے مشہور تھا۔

عالمہ و فاضلہ بی بی کے علم و فضل نے اب شوہر کی امارت کے پہلو سے علم پسندی  
و دینداری کا یہ جوہر دکھایا کہ دریائے دجلہ کے کنارے جہان الفیلید کے قصوں نے  
بڑی بڑی لکچسپیان دکھائی ہیں۔ ان احیان بن بیون کی فیاضی و سر پرستی سے شافی

طلیبہ نے لیئے ایک عالیشان مدرسہ تعمیر ہوا۔ اس کے متصل صفیوں کی ریاضت و نفس کشی کے لیے ایک خانقاہ قائم ہوئی۔ ان دونوں پر بہت سی جائدادیں وقف ہوئیں۔ اور دینیہ علمی و دینی سرچشے جاری ہو گئے۔ جن سے خدا جانے کتنے زمانے اور کتنی صدیوں تک اہل عالم سیراب ہوتے رہے ہوں گے۔

آخر ثقۃ الدولہ علی بن احمد کامیابی و ناموری اور نیک نامی کی زندگی حاصل کر کے اور فیاض و عالمہ بی بی کے طفیل میں زندگی جاوید کے رجبہ میں اپنا نام لکھا کے ایک منگل کے دن ۱۴ شعبان ۷۸۵ھ کو عالم آخرت کی راہ لی۔ اور جامع رجبہ کے قریب خاں اپنے مکان میں دفن ہوئے۔

بیوی اپنے شوہر کی ایسی دلدادہ اور عاشق زار تھیں کہ مرنے کے بعد بھی شوہر کی خاک کو چومنا نہیں پسند کیا۔ بلکہ اپنے گھر ہی میں اور اپنی نظر کے سامنے رکھا۔ اور غالباً وصیت کر دی کہ جب میں مرون تو ان کی ہڈیاں میرے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کر دی جائیں۔ جس کا ثبوت فاضلہ شہدہ کی وفات کے حالات سے مل جاتا ہے۔ شوہر کی وفات کے وقت جناب شہدہ کی عمر ۶ برس کی تھی۔ لیکن ابھی زندگی کے بہت دن پورے کرنے تھے۔ اس لیے کہ نامی گرامی محدثین اور اکثر علمائے حدیث رسالت کی طرح یہ خوش نصیبی بھی ان کو حاصل ہونے والی تھی کہ ایک بہت بڑی عمر پا کے اور اہل عالم کو بہت زیادہ اور ایک طولانی زمانے تک فائدہ پہنچانے و دنیا سے رخصت ہوں۔ چنانچہ مفارقت شوہر سے کچھ اور پہنچیں سال بعد نوے برس سے زیادہ عمر پاس کے ایک یکشنبہ کے دن ۱۵ محرم الحرام ۸۰۵ھ کو نماز عصر کے بعد اس عالمہ جلیلہ اور فاضلہ و حیدہ کی روح نفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اور غالباً جیسا ہم اوپر بیان کر آئے ہیں انھیں کی وصیت کے مطابق شوہر کی ہڈیاں بھی نکال کے بعد اس کے باب ابر کے حوالی میں مدرسہ تاجیہ کے قریب دونوں میان بی بی مدفون ہوئے۔ اللہ اعلم  
لہامہ الدوا الیہ راجعون

## قطر السدی

یہ ایک عربیہ شاہزادی تھی جس کا باپ ابوالجیش خمارویہ بن احمد بن طولون کا  
 مصر اور شام پر حکومت کرتا تھا۔ اور اس خاندان میں سے تھا جس نے خلافت عجمیہ  
 کی تختی میں نشوونما پا کے سب کے پہلے ایک بڑی مملکت کو اپنے قبضے میں کر لیا  
 خمارویہ کی قوت توڑنے کے لئے فرمان روایان ارمینیہ افشین وغیرہ نے مل کر  
 ملک مصر پر حملہ کیا۔ مگر خمارویہ نے انہیں اس کا موقع ہی نہ دیا کہ حدود مصر میں داخل  
 ہوں۔ ایک نبرد میں لشکر کے اُن کے مقابلے کو شام میں آ گیا۔ اطراف دمشق میں  
 ہوئی۔ اور ارمینیہ سے ملکر اور شکست کھا کے بھاگے۔ اس فتح سے خمارویہ کی وقوت  
 شکست اس قدر بڑھ گئی کہ حریف کو سپاہ کرتا ہوا علاقہ عراق تک جا پونچھا۔ خاص شہر  
 بین اس کے لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔ اور اس طرح اپنی سلطنت دکھانے کے بعد اتار  
 بڑا بادشاہ بن کے مصر میں واپس گیا کہ اب علاقہ فوریات سے دریائے فرات کے کنارے

تک اُس کی حکومت تھی۔

لیکن اُس زمانے میں یہ عجیب بات تھی کہ کسی شخص کو ہزار توت و سطوت چھل ہو جاتی۔ مگر جب تک عباسیوں کے دربار سے سند شاہی نہ حاصل کر لیتا۔ جائز حکمران نہ مانا جاتا تھا۔ اتفاقاً اسی اثنا میں خلیفہ بغداد معتضد مرا۔ اور اُس کی جگہ معتضد بالمدبر مر۔ آرائے خلافت ہوا۔ خارویہ نے موقع دیکھ کے اُسے مبارک باد دینے کے لئے ایک سفارت بھیجی۔ جس کے ساتھ بہت سے ہریے اور تحفے بھی روانہ کیے۔ اور یہ بھی خوش کی کہ اُس کی بیٹی قطر الندی کا عقد ولی عہد خلافت مکتفی بالمد کے ساتھ ہو جائے معتضد نے اس دوستانہ سفارت کی عزت کی۔ اور کہا ”قطر الندی کو میں خود اپنے نکاح میں لوں گا یا خلیفہ کی اس خواہش کو خارویہ نے پسند کیا۔ اور ۲۸۰ھ میں وئیل لاکھ درہم پر اس شاہزادی کا عقد نکاح خلیفہ المعتضد بالمد کے ساتھ ہو گیا۔

قطر الندی اس شاہزادی کا لقب ہے۔ جسے اُس نے اپنی شرافت اور اپنے حق جمال کے انعام میں حاصل کیا تھا۔ مگر اصل نام اسمارت تھا جس قدر اُس کے حسن و جمال کا شہرہ تھا۔ اُسی قدر اُس کی لیاقت و دانائی کی بھی تعریف کی جاتی تھی۔

عرب میں یہ قاعدہ نہ تھا کہ لڑکی اپنے گھر ہی میں رہے۔ اور لڑکے والے برات لے کے اُس کے دروازے پر آئین۔ بلکہ عموماً لڑکیاں دولہن بننے کے وقت ہاتھ آرٹنگی کے ساتھ بنا سنوار کے دہان بھیجی جاتی تھیں۔ جہاں دولہا ہوتا چنانچہ نکاح جب نکالتا ہو گیا تو وہ بنا سنوار کے بڑے تزک و احتشام سے مصر سے بغداد کو روانہ کی گئی۔ اور اُس کی چچی عباسیہ ساتھ چلی کہ مصر کی سرحد تک پہنچنے کے وقت کڑا راستے میں ایک مقام پر عباسیہ نے بڑا ڈال دیا۔ اور اپنے خیمے کھڑے کیئے یہ خیمے کچھ ایسی گھڑی میں ڈالے گئے تھے کہ دہان مستقل آبادی ہو گئی۔ اور ایک قہر لاد ہو گیا۔ جو اسی شاہزادی عباسیہ کے خیموں کی یادگار میں دو فسطاطوں کے نام سے

مشہور ہو گیا۔ دس طاعون بی مین سرانپر دس یا نیچے کو کہتے ہیں ) اور بعض لوگ تو اسی شہر کو عباسیہ کے نام کے لحاظ سے "عباسہ" ہی کہتے تھے۔ یہ شہر مصر میں آج تک قائم ہے اور شاہزادی عباسہ کی یادگار ہے۔

الغرض قطر الندی ارض عراق میں داخل ہو کے جریم خلافت میں پہنچی اور معتضد کے دل کو جس قدر اُس اور لگاؤ۔ اُس کے ساتھ تھا اور کسی بی بی کے ساتھ نہ تھا۔ ایک مرتبہ معتضد اُس کی گود میں سر رکھ کے سو گیا تھا۔ قطر الندی نے چپکے سے اُس کا سر گود سے اٹھا کے تکیہ پر رکھ دیا۔ اور خود محل کے کمرے کے دروازے کے پاس جا بیٹھی۔ اتنے میں معتضد کی آنکھ کھلی۔ سر کو مہجین بی بی کے زانو کے عوض تکیہ پر پا کے برہم ہوا۔ اور پکارا۔ قطر الندی نے پاس ہی سے جواب دیا۔ اور فوراً پھر اُس کے پاس چلی گئی۔ معتضد نے کہا "وہ میں نے تو تمہاری یہ عزت کی کہ اپنی تمام بی بیوں اور لونڈیوں سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ اور تمہاری یہ کیفیت کہ میرا تکیہ پر رکھ کے چلی گئیں، قطر الندی نے ادب سے جواب دیا "آپ نے جن عزتوں سے مجھے سرفراز فرمایا ہے۔ اُن سے انکار نہیں کر سکتی۔ مگر حضور میرے چلے جانے کو ناشکری نہ خیال کریں۔ یہ وہ ادب اور تواضع ہے۔ جسے میں نے اپنے میکے میں اپنے والد سے سیکھا ہے، معتضد نے پوچھا وہ کیا؟ جواب دیا "آبا جان کی نصیحت ہے کہ خبردار نہ جاگنے والوں کی صحبت میں ہونا اور نہ سونے والوں کے پاس بیٹھنے کے جاگنا،"

قطر الندی اس کے بعد برابر معتضد ہی کے پاس رہی۔ مگر افسوس اُس نے عمر بہت تھوڑی پائی۔ اُس کے عقد کے دوسرے ہی برس باپ یعنی خادویہ اپنے بے وفائے غلاموں کے ہاتھ سے بچھڑنے پر سوتا ہوا مارا گیا۔ اس کے مرنے کے پانچ برس بعد جب کہ اُس کی عمر بائیس تیس برس سے زیادہ نہ ہو گی۔ بغداد میں ناہی ملک مہدی ہوئی اور دار الخلافہ کے خاص محل قصر الرضوانہ میں اغوش محلہ کے سپرد کی گئی۔

قطر الندی کی ذہانت و لیاقت کا سب سے بڑا نمونہ یہ تھا کہ اُس کی وجہ سے خلافت عباسیہ اور نوخیز دولت مصر میں نہایت ہی مضبوط تعلقات قائم ہو گئے۔ خلافت نے اسے جائز بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اور بنی طولون اس اطمینان سے حکومت کرنے لگے کہ اب کسی حریف کو اُن کی دولت پر حملہ کرنے کی بہت کم جرات ہوتی تھی۔

## خدیجہ بنت الصبیح

یہ نیک نہاد اور صاحب علم و فضل خاتون جس کا مبارک اور قابل فخر نام اور اقی زمانہ پر طبقہ نسوان کی لیاقت و ترقی کا نمونہ بن کے قائم رہ گیا ہے۔ اور آفتاب بن کے دنیا ہے تیار بخ پر روشنی ڈال رہا ہے۔ خاک پاک بغداد سے پیدا ہوئی تھی۔ جس خاک سے خدا جانتے کیے کیے علماء و فضلاء اور کس کس پاسے کے ائمہ و محدثین پیدا ہوئے اور حیات دائمی کے صحیفہ میں اپنے نام ثبت کر کے خاک میں مل گئے۔

یہ عالمہ عصر و فاضلہ دہر زیادہ تر ائمہ العزیز کے نام سے مشہور ہیں۔ اور اُن پاک دامن و پاک نہاد بیٹیوں میں ہیں۔ جن سے بجائے اس کے کہ وہ باپ کے نام سے کوئی فخر و شرف یا شہرت و ناموری حاصل کریں۔ خود باپ کو اُن کے نام سے عزت و شہرت حاصل ہوتی ہے۔ ان کے والد ماجد جو حمام قیمتی ناطور می کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ کوئی بڑے مشہور عالم نہیں ہیں۔ جن لوگوں کی نظر تاریخوں پر پڑتی رہتی ہے اُن کے کان غالباً اس نام سے بالکل نا آشنا ہوں گے۔

الغرض حمام قیمتی کے گھر میں اور خاص بعد ازاں خدیجہ ممدوحہ شہیدہ میں پیدا ہوئیں۔



باپ علم و فضل کے شہید تھے اور جانتے تھے کہ مرد ہو یا عورت اگر علم نہیں تو انسان بنی نہیں۔  
 اپنی اس آزاد خیالی کے ساتھ دیکھا کہ ہونہار بیٹی کی ذہانت و طبیعت اور خدا و بخودت طبع  
 بہت کچھ وعدے کر رہی ہے۔ فوراً تعلیم و تربیت کی طرف متوجہ ہو گئے۔ لکھنا پڑھنا سکھایا  
 وہ ادبی کتابیں پڑھائیں کہ جن سے انسان میں عمدہ ذوق پیدا ہوتا ہے۔ اور ادبی معلومات  
 میں وسعت ہوتی ہے۔ یہ کتب تجوید پڑھتے ہی خدیجہ میں علم کا ذوق پیدا ہوا۔ اور یہ  
 حالت ہو گئی کہ باپ اگر علم کے عاشق تھے تو بیٹی شمع علم کا پروانہ بنیں۔ اور وہ تمام علوم جو  
 اُن دنوں مروج تھے اُن کی طرف اس ذوق و شوق سے متوجہ ہوئیں کہ زمانہ کو حیرت ہو گئی۔  
 پہلے تو بغداد ہی اُس زمانے کی بہت بڑی درس گاہ بننا ہوا تھا جس میں اُن دنوں  
 ابن شیرازی کے ایسے گران پائیہ فاضل اور کرمیہ کی ایسی عالی مرتبہ محدث کے آگے ایک  
 زمانہ زانوئے مشاگردی تکر رہا تھا۔ خدیجہ نے اُن دنوں کی مشاگردی اختیار کر کے  
 علوم دینیہ اور خاصہ حدیث میں تجدد حاصل کیا۔ ان کے علاوہ بغداد میں اور جتنے  
 علمائے مشاہیر فیض رسانی کر رہے تھے اُن میں سے شاید کم باقی رہے ہوں گے جن  
 کی خدمت فیض میں حاضر ہو کے جناب خدیجہ بغدادیہ نے باغ علم کی خوشہ چینی نہ کی ہو۔  
 اب بغداد کا خزانہ علم اُن کی وسیع النظری اور معلومات کے مقابلے میں تنگ  
 تھا۔ مجبوراً وطن کو خیر باد کہی۔ اور سچے طالبان علم کی شان سے علم و فضل کی تلاش  
 میں نکل کھڑی ہوئیں۔ اور قدیم شہر دمشق میں پہنچیں۔ جو ارض شام کا مرکز اور  
 گوشہ دولت بنی اُمیہ کا دار الخلافہ تھا۔ وہاں کے علمائے برکت حاصل کر کے اور اُس  
 علمی سرچنے سے اچھی طرح سیراب ہو کے شہر بتوک میں گئیں۔ جہاں کے بعض  
 علمائے کبار مرجع عالم بنے ہوئے تھے۔ اس درس گاہ سے کمالات حاصل کر کے  
 ملک مصر کی راہ لی۔ اور وہاں علی بن مختار عامری اور ابن حمیری کے آگے شاگرد  
 بن کے بیٹھیں۔ اور رموز علمی حاصل کر کے اس ذریعے کو پہنچ گئیں کہ حدیث میں

ابک اما فن کا رتبہ رکھتی تھیں۔ اور علم ادب میں یکتائے روزگار مانی جاتی تھیں۔ علی الخصوص مقامات تحریری کو جو کتاب کہ عربی ادب میں وہی شان اور درجہ رکھتی ہے۔ جو درجہ کہ انگریزی میں شیکسپیر کی تصانیف کو حاصل ہے۔ ایسا عمدہ پڑھاتی تھیں۔ اور اس کے رموز حل کرنے اور اس کی فصاحتوں اور خوبیوں کے دکھانے میں اس کمال کے ساتھ مشہور ہو گئی تھیں کہ اس زمانے کے بڑے بڑے مشہور و معروف علماء نے اس ادیبہ عصر و محدثہ دہر کے سامنے حاضر ہو کے زانوئے شاگردی تہ کیا۔ اور پوری کتاب اول سے آخر تک سبقاً سبقاً پڑھی۔

اس طرح بڑے بڑے مشہور و نامور علماء و فضلاء کو شاگرد بنا کے اور حدیث و ادب میں مستند روزگار اور مرجع عالم بن کے بغداد میں واپس آئیں۔ جہاں آ کے ایک زمانی صحبت و عظم مرتب کی جس میں بغداد کی اکثر عورتیں جمع ہوئیں اور فاضلہ خدیجہ عالمائے ادب و قاری سے جلوہ افروز ہو کے وعظ کہتیں۔ آخر میں کتابی تدریس و تعلیم کو چھوڑ کے خانہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ اور ان کی ذات سے نفع اٹھانے کا ذریعہ صرف وہی صحبت و عظمت تھی۔ جس کے ذریعے سے خاتونان بغداد دینداری کی باتیں سیکھتی اور احکام شرعی میں بصیرت حاصل کرتی تھیں۔

آخر وہ وقت آ گیا جو سب کے لئے آنے والا ہے۔ عموماً محدثین کی طرح بہت بوڑھی ہو چکی تھیں۔ اور اکانوے برس کی عمر تھی کہ خداوند جل و علانے اپنے پاس بلانے کا پیام بھیجا۔ اور وقتِ ہجری میں رہ گئے عالم بقا اور عازم فردوس بن مین ہوئیں۔ انا لمد وانا الیہ راجعون \*

## اُمّ ہانی مریم

یہ خاتون جو اپنے عہد میں یکتائے روزگار تھیں علم و فضل کے بہت بڑے مستند اور مشہور و مقبول گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ اور ان پاک بی بیوں میں ہن جن کی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ دیندار سی و اتقا کا دودھ پیا اور علم و فضل کے گہوارے میں پرورش پائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائیں قاضی القضاۃ تقی الدین عبد الرحمن بن عبد الوہاب ہو رہی شافعی بڑے عالم متبحر اور امام وقت تھے۔ ان کا خاندان علم و عمل کے اعتبار سے اونٹوں و اعلیٰ میں مشہور تھا۔ اور ہر شخص ان کی پیروی کرنا سعادت دارین خیال کرتا تھا۔ مریم ممدوحہ ان کی پوتی ہیں۔ والد کا نام شیخ نور الدین ابو الحسن تھا جو اپنے علامہ عصر باب کی طرح صاحب علم اور موصوف بہ زہد و تقویٰ تھے۔ اور اسی طرح اُمّ ہانی مریم اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتی تھیں

ماہ شعبان ۸۷۵ھ میں مریم ممدوحہ پیدا ہوئیں۔ ابھی آٹھ ہی برس کی تھیں کہ پڑھنا لکھنا شروع کیا۔ اور چند ہی روز میں علم و فضل کے اعلیٰ مراہم طے کر گئیں۔ باپ دادا کے علاوہ نانا بھی بہت بڑے فاضل عصر تھے۔ جن کا نام فخر الدین قلابانی تھا انھوں نے نواسی کو ذہین طبع دیکھ کے خاص توجہ سے پڑھانا شروع کیا پچانوچہ انھیں کی کوشش سے ممدوحہ نے قرآن پاک حفظ کیا۔ اور حافظہ قرآن میں جو میں بھی بھڑکی ایک منظرہ کتاب کو اور فقہ کی کتاب مختصر ابوہی شجاع کو زبانی یاد کیا۔ ان ابتدائی علوم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ان نیک و پارسا خانوں نے اعلیٰ علوم کی طرف توجہ کی اور خاصہ علم حدیث میں وہ مرتبہ پایا کہ اپنے عصر کے مشہور و مستند اساتذہ میں شمار

لیجائے لیکن علم حدیث کا شوق اُن میں اس قدر پیدا ہو گیا تھا کہ اس زمانے کے جو بڑے بڑے  
 زبردست امام اور محدث تھے ان کے حلقہ درس میں شریک ہوتے۔ اُن کے سامنے زانو ٹٹا کر پڑھ  
 لے کیا۔ اور چند روز میں خود گردون اور حدیث کے طالب علموں کو سبق دینے لگے۔

علامہ جلال الدین سیوطی جن کی صد ہا کتابیں تصانیف ہوئی ہیں۔ اور جن کے تصانیف  
 پر روایات کے بہت بڑے حصہ کا دار و مدار ہے۔ انھیں بھی اس محدثہ خاتون کی شاگردی  
 کی عت حاصل ہے۔

محدثہ مریم بعض اوقات شعر بھی کہتی تھیں۔ مگر ان کے اشعار میں سوا اخلاقی اور نیک  
 نفسی کی باتیں سکھانے کے عاشقانہ جذبات نہیں پائے جاتے۔ ایک پُرانا شعر تھا۔ اس طرح  
 میں ان کے یہ چند شعر دیکھنے اور پڑھنے بلکہ یاد کر لینے کے قابل ہیں۔ فرماتی ہیں:۔۔۔  
 فلن حاداً لندش کر فضکدہ علی سائر الاحوال فی السیر والجمہر

دہر حال میں پوشیدہ اور علانیہ فدا کی حمد و ثنا کرتا رہا اور اُس کی مہربانیوں کا شکر گزار ہو۔  
 وکن ساجداً بعد ماومت قادراً لعلک تحفظی بالیادۃ والغفر  
 (اور جب تک بنے اللہ کی درگاہ میں سجدہ کرتا رہا۔ شاید تجھے فضیلت اور فخر حاصل ہو جائے)  
 فیما یتمالا انسان لاسمک جاصلاً وعلم بان اللہ ہذا کاشف انصر

(تو اسے آدمی تو جاہل نہ بن۔ اور جان لے کہ وہ اللہ ہی مصیبت کو دور کرتا ہے۔)  
 وحصل علی المختار اثر من خلقہ علیہ سلام اللہ فی اللیل والنہار  
 (اور درود بھیج اُس بنی مختار پر جو اُس کی مخلوق میں سب افضل ہیں۔ اُن پر اللہ کا سلام ہو  
 رات کو اور صبح کو)

یہی اشعار اس بات کا آئینہ ہیں کہ ام ہانی مریم ممدوحہ کی زندگی کیسی گزری اور کن باتوں میں  
 گزری۔ چونکہ اُن کا شمار کبار محدثین میں ہے لہذا اکثر محدثین کی طرح بہت بڑی عروپاتی۔ اس لیے  
 کہ نہ تو بے برس کی طولانی عمر پاک سلسلہ میں صفر کی آخری تاریخ سفر آخرت کیا۔ انامہ انالیہ لاجون۔

## فاطمہ فقیہہ

یہ نیک نفس اور پاک نہاد خاتون اتنی بڑی عالمہ و فاضلہ تھیں کہ زمانے میں فقیہہ کے لقب سے مشہور ہو گئیں۔ یہ لقب ہی بتا رہا ہے کہ مختلف اور نازک دینی مسائل میں لوگ ان سے استفتا کیا کرتے تھے۔ علاؤ الدین محمد بن احمد سمرقندی کی صاحبزادی تھیں۔ اور متہودہ صاحب زہد و تقویٰ فرماؤ گئے شام سلطان نور الدین کے عہد میں تھیں۔ انہوں نے موعین نے نامی گرامی خاتونان اسلام کے حالات کا پتہ لگانے میں اس قدر کوتاہی کی ہے کہ ہمیں ان خاتون کے متعلق نہ یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ کس سال پیدا ہوئیں اور نہ ان کی تاریخ وفات کا پتہ چلتا ہے۔ صرف اس قدر کہا جاسکتا ہے کہ ان کا خاندان تو سمرقند کا تھا۔ مگر نشو و نما ارض شام میں ہوا۔ خدا جانے ان کی ولادت سے پیشتر ہی ان کے والد ملک شام میں آئے۔ یا ان کی ولادت کے بعد انھیں ساتھ لے آئے۔ جس عہد میں وہ تھیں وہ نہایت ہی نازک زمانہ تھا۔ اس لیے کہ ایک طرف تو مسیحی صلیبوں کا جوش و خروش تھا۔ اور دوسری طرف حسن بن حبیب کے بیرو باطنین کا زور شور۔ خاصۃً حلب میں جہاں وہ اقامت گزین تھیں باطنیوں کا نہایت ہی زرعہ تھا۔ فخر الانام عالم علامہ علاؤ الدین کا شافی ان کے شوہر تھے جن کے ساتھ انھوں نے اپنی عمر کا بہت زیادہ حصہ صرف کیا۔ زہد و تقویٰ پر ہمیز گاری و عفت مآبی میں وہ ہر جگہ مشہور تھیں۔ ابتداءً بہت سے فقہاء و محدثین کی شاگردی کر کے علوم دینیہ کو حاصل کیا اور روایت حدیث کی سند حاصل کی۔ تحصیل طالب علمی سے فراغت کر کے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ ہوئیں۔ اپنے یہاں ایک حلقہ درس قائم کیا

جن بن بڑے بڑے مشہور و مستند لوگوں نے زانوسٹ شاگردی مہ کرنے اور شاگردی کرنے کا فخر حاصل کیا۔ اُن کی تصنیف کی ہوئی کتابیں جو عموماً فقہ و حدیث میں تھیں اُن کی زندگی ہی میں مقبولیت کی سند حاصل کر کے رواج پانے لگیں۔ جن کو اہل علم بڑی قدر و منزلت کے ساتھ اپنے کتب خانوں میں داخل کرتے تھے۔

• خاصۃً سلطان نور الدین کو اُن کے ساتھ بڑی عقیدت تھی۔ نور الدین نہایت ہی متقی و پرہیزگار اور پاک نفس و پاک ہنر و بادشاہ تھا۔ اُسکی توجہ نے تمام لوگوں کو ان مستند فاضلہ عصر کا معتقد و معترف بنا دیا۔ نور الدین اپنے اندرونی مہمات سلطنت میں اُن سے مدتوں مشورہ لیتا رہا۔ اور بہت سی فقہی اور دینی معاملات میں اُسے اُن کی شاگردی کا فخر حاصل تھا۔ اور اسی وجہ سے وہ ہمیشہ نہایت فیاضی اور فراخوصلگی سے اُن کی خدمت کرتا تھا۔

فقیرہ فاطمہ نے آخر دنیا کو اپنے کمالات سے بہت کچھ بیروہ یا بکر کے اور اپنی بہت سی برکتیں اُس میں بھجور کے شہر حلب میں انتقال کیا۔ اور انتقال کے چند روز بعد اُن کے شوہر نے بھی انتقال کیا۔ اور اُنھیں کے برابر حلب کے قبرستان صلیحین میں مدفون ہوئے۔ جہاں دونوں کی قبریں آج تک مشہور ہیں اور زن صاحبہ اور اُس کے شوہر کی قبر کے نام سے یاد کی جاتی ہیں۔ +

## فاطمہ نشیا پوریہ

یہ خاتون بہت بڑی ولیہ اور عابدہ و زاہدہ تھیں۔ اور تیسری صدی ہجری کے ابتدائی دور کو جہاں بڑے بڑے علماء و فضلاء اور فقہاء و محدثین پر فخر تھا وہاں ان پاک نفس پاک نہاد نبی بی پر بھی ناز تھا۔ ذوالنون مصری اور بایزید بسطامی کے لیے نادر زمانہ اولیاء اللہ کی معاصر تھیں۔ بلکہ ذوالنون مصری ان کے شاگرد تھے۔ اور وہ اس پایہ کی ولیہ تھیں کہ ذوالنون مصری کو ان کی شاگردی پر ناز تھا وہ کہا کرتے تھے کہ میری اُستانی فاطمہ کا قول ہے ”جو شخص ہر حال میں اللہ جل شانہ سے نوہن لگائے رہتا وہ ہر میدان میں اُترتا اور ہر قسم کی باتیں کرتا ہے مگر جس کی ہر حال میں خداوند تعالیٰ سے لو لگی رہتی ہے۔ تو اللہ سچ کے سوا اور سب باتوں سے گونگا کر دیتا ہے۔ اور اُس کے لیے لازم ہو جاتا ہے کہ خدا سے شرم رکھے اور خلوص سے اُس کی طرف متوجہ ہو، اس کے علاوہ یہ تیسری صدی کی ابتدا کی ولیہ یہ بھی ارشاد فرماتی تھیں ”جو کوئی اللہ کے واسطے اس طرح عمل خیر کرے کہ گویا خدا سے دیکھ رہا ہے۔ تو اگر خلوص ہے تو بس اُسی شخص میں ہے۔“

یہ بین حقیقی رموز تصوف۔ اور یہی ہے وہ تصوف جو پاک و صاف ہے اور جس کی ہر مسلمان کو ضرورت ہے۔ اور اسی رمز شناسی حقیقت کا نتیجہ تھا کہ ذوالنون مصری کا ایسا شخص اُن کا شاگرد یا مرید ہو گیا۔ ذوالنون مصری تو شاگرد ہی تھے حضرت بایزید بسطامی کو بھی اس نیک نفس عالمہ فاضلہ کے تبحر کا اعتراف تھا اور بڑی عقیدت رکھتے تھے چنانچہ اُن کا قول تھا میں نے فاطمہ کی ایسی عورت نہیں دیکھی

کبھی ایسا واقعہ نہیں پیش آیا کہ مین نے اُس خاتون کے سامنے کوئی مسئلہ بیان کیا ہو اور اُسے پیشتر سے اس مسئلہ کا عینی اور ذاتی علم ہونا ظاہر ہوا ہو۔

مجبویت کی یہ حالت تھی کہ ذوالنون مصری ارادت رکھتے تھے اور فضل کمال مین یہ درجہ حاصل تھا کہ بایزید بطامی عقیدت کیشتون مین تھے۔ مگر باوجود اس کے منکر المزاجی اور زہد و اتقائی یہ شان تھی کہ کھال ہنپی تھیں اور دنیاوی تکلفات سے علاقہ نہ تھا۔ کئی مرتبہ حج کعبہ کیا۔ اور ہمارے ہم وطنوں کی تجوٹی اور دکھاوے کی شان عصمت کے خلاف ڈولی یا محل مین بیٹھ کے نہیں بلکہ پایادہ۔ ہندوستان کے لوگوں کو حیرت ہوگی کہ اتنی بڑی ولیہ اور بغیر اس کے کہ پردے کا پاس و محاذ کریں۔ پیدل حج کرنے کو تیار ہو گئیں۔ مگر کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یہ چیز جسے تم شرافت سمجھ رہے ہو نہ کبھی پیسہ بڑا دیون مین تھی اور نہ ولیہ عورتوں مین۔

انھیں فاطمہ کو دیکھو کہ نیشاپور وطن تھا جو مکہ سے ہستیون کی راہ پر ہے۔ مگر انھوں نے ثواب آخرت کے لئے کمر مت باندھی اور چل کھڑی ہوئیں۔ بلکہ وہ تو خدا کی سی پاک اور مقبول بندی تھیں کہ عمرے کے ارادے سے جا رہی تھیں۔ مکہ کی راہ میں تھیں۔ کہ مسئلہ حدیث خداوند جل و علانے اپنے پاس بلالیا۔ انا لله وانا الیہ راجعون ۛ

ت



# تاریخ کی چیدہ کتابیں

## تذکرہ خواتین تیموریہ

جن میں دنیا کے نامور و مشہور خاندان تیموریہ کی پاک دامن اور غفت مآب مشاہیر بیگمات کے علاوہ بہت سی اُن غفت کی دیویوں اور شریف خاتونوں کے نہایت دلچسپ و قدرت مآب تاریخی واقعات اور حیرت انگیز حالات بسط و تشریح کے ساتھ سلسلہ وار ترتیب حروف تہجی اردو کی مقبول طرز اور مرغوب پسیرایہ میں لکھے گئے ہیں جو اس عظیم الشان خاندان کے سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ قیمت ہر دو حصہ دو روپیہ (دو حصہ)۔

## دولت درانیہ

جس میں احمد شاہ درانی والی افغانستان کے مفصل حالات زندگی آغاز سلطنت ہندوستان پر ہوا اثر حملے سکھوں اور دکنیوں کی مشہور معرکہ آرا سیان ہندوستان کے فتوحات وغیرہ وغیرہ کا بڑے بسط و توضیح کے ساتھ ذکر کر کے اُنکے نامور فرزند تیمور شاہ اور بیاد بخت پوتے زمان شاہ کی عہد سلطنت تمام واقعات نہایت دلچسپی اور عمدگی کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ اور ساتھ ہی اُن پر زور نفاذ و تون اور باہم خانہ جنگیوں کا بھی تذکرہ ہے۔ جو اُن تینوں نامور حکمرانوں کے عہد حکومت میں پھیلے۔ اور فرو ہوئے غرض کہ ۶۰۰ سالہ ہجری سے ۱۲۰۰ سالہ ہجری تک کے تمام واقعات درج ہیں قیمت عظمیٰ ۶۔

## تاریخ بابل و نینوا

شہر بابل و نینوا کے حیرت ناک واقعات انکی تباہی و بربادی کے عبرتناک حالات درج ہیں یہ قدیم تاریخ آج تک نہیں چھپی تھی۔ مترجمہ مولوی محمد علی خان صاحب مرثیہ۔ قیمت صرف ۵۔

## سفرنامہ روم و مشرق

شمس العلماء مولانا مولوی شبلی کا سفرنامہ ہے جس میں قسطنطنیہ بیت المقدس قاہرہ وغیرہ کے چشم دید حالات و واقعات ترکوں اور عربوں کے اخلاق و عادات غرض کہ یہ قابل دید کتاب ہے۔ نہایت عمدہ خوشخط ولایتی کاغذ چھپائی بے نظیر ہر قیمت پر۔

### خیر الکلام فی احوال العرب والاسلام

اس کتاب میں جزائریہ ملک عرب و رسوم و حالات و کیفیت اقوام وغیرہ قبل اسلام و حالات مذہب ہنود و بدھ و چین و تا دو کنفیوشش و یہود و نصاریٰ و زرتشت وغیرہ درج ہیں۔ یہ تاریخ دیکھنے کے لائق ہے قیمت عام فائدہ کی غرض سے بہت کم رکھی ہے۔ قیمت صرف ۸۰

### شہنوی شتر غم

یعنی سید حسن شاہ اور خانم بان کا وہ دردناک واقعہ اور تپا تاریخی قصہ جو شتر ناول سے لیکر گلزار نسیم کی بحر میں نہایت ہی معنی خیز اختصار کے پیرایہ میں طرز جدید نظم کیا گیا ہے۔ قیمت صرف ۸۰

### الفاروق

یعنی سوانح عمری حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مولفہ شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی قیمت فی جلد تین روپیہ (تے) ۲

### الہارون

یعنی سوانح عمری خلیفہ ہارون رشید اعظم معہ نقشہ سلطنت عباسیہ و اصلاحات بغداد وغیرہ۔ یہ کتاب دوبارہ کارخانہ میں طبع ہوئی ہے قیمت

صرف ۸۰





